اردو

فوائد الفواد

ملفوظات

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز

مشہور زمانہ کتاب

محکمہ اوقاف پنجاب - لاہور

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (القرآن الحکیم)

فوائد الفواد (اردو)

ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز (متوفی ۷۲۵ھ)

مرتّبہ

امیر حسن علاء سجزی المعروف بہ خواجہ حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

پروفیسر محمّد سرور

علماء اکیڈیمی، اوقاف، پنجاب، لاہور

۱۴۰۰ھ
۱۹۸۰ء

ناشر

محمد یوسف گورایہ۔ ڈائریکٹر علماء اکیڈمی۔ محکمہ اوقاف پنجاب بادشاہی مسجد۔ لاہور

فون: ۵۵۸۴۵

طبع دوم ———————— ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء

تعداد گیارہ سو (۱۱۰۰)

مطبع: میاں محمد یعقوب، مینجر حمایت اسلام پریس
ریلوے روڈ۔ لاہور

[redacted]

علماء اکیڈمی، شعبۂ مطبوعات، محکمۂ اوقاف، پنجاب

حضوری باغ (بادشاہی مسجد) لاہور

عشق ذوقیست، ہمنشینِ حیات
بلکہ چشمیست بر جبین حیات

آب در میوۂ خرد عشقست
بلکہ در آبِ حیات خود عشقست

لذّتِ عشق، عاشقان دانند
پاکبازانِ جان فشان دانند

عراقیؒ

پیش لفظ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کا اسمِ گرامی محمد بن احمد بن علی البخاری اور لقب سلطان المشائخ و محبوب الٰہی و نظام اولیاء ہے ۔ آپ کے اجداد بخارا سے آئے اور کچھ عرصہ لاہور میں قیام فرما کر مستقل سکونت کے لئے بدایوں تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہؒ کی ولادت بدایوں ہی میں ہوئی۔ صاحب "سیر الاولیاء" کی تحقیق کے مطابق آپ کا سنِ ولادت ۶۳۶ ہجری ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی اور اس شہر کے معروف عالم دین مولانا علاءالدین اصولی آپ کے فقہ کے استاد تھے۔ سولہ برس کی عمر میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی روانہ ہوئے اور تین چار برس تک علوم کی تحصیل میں مصروف رہے۔ جب عمر مبارک بیس برس کی ہوئی تو آپ اجودھن (پاک پتن) تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الاسلام فریدالدینؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور آپ سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کئے۔ تکمیل تعلیم پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا۔ پھر آپ دہلی میں اور بعد میں دہلی سے متصل غیاث پور میں مقیم ہو گئے۔ اسی جگہ آپ کی خانقاہ ہے جو بستی نظام الدین اولیاء کہلاتی ہے۔ آپ نے بروز چہار شنبہ ۱۸ ماہ ربیع الثانی ۷۲۵ ہجری کو رحلت فرمائی۔

فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے حضرت خواجہؒ کے مریدِ خاص حضرت امیر حسن علاء سجزی معروف بہ خواجہ حسن دہلویؒ نے مرتب کیا۔ خواجہ حسنؒ نے کتاب کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا :

اس مجموعہ سے چونکہ درد مندوں کے دل فوائد
حاصل کریں گے اس لئے اس کا نام فوائد الفواد رکھا گیا

امیر حسنؒ نے کتاب کی تالیف کے دو سبب بیان کئے ہیں۔ پہلا سبب یہ تھا کہ آپ ایک سال سے زیادہ عرصہ تک حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زبان گوہر افشاں سے ارشادات و افادات سنتے رہے۔ ان روح افزا کلمات نے امیر حسنؒ کے دل میں تحریک پیدا کی کہ وہ انہیں اپنے لئے دستور العمل بنائیں۔ تالیف کا دوسرا سبب یہ ہے کہ امیر حسنؒ نے حضرت خواجہؒ کی زبانی بارہا یہ ارشاد سنا تھا کہ مشائخ کی کتابیں اور ان کے ارشادات نظر میں رہنے چاہئیں۔ چونکہ ان جان بخش ارشادات کے علاوہ حضرت خواجہؒ کی کوئی اور تصنیف نہ تھی اس لئے آپ کی زبان سے جو کچھ سنا اسے جمع کر لیا اور اس مجموعہ کی اشاعت کی اجازت طلب کی۔ اس پر حضرت خواجہؒ نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ جب حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچے تو آپ کے ارشادات و افادات سے متاثر ہو کر انہیں

۱۔ دیباچہ جلد اول فوائد الفواد از حضرت خواجہ امیر حسن علاء سجزی مطبوعہ علماء اکیڈمی اوقاف، پنجاب، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء ص ۴۲

ایک مدت تک جمع کرتے رہے۔ آپ نے بعد میں یہ بات حضرت شیخ الاسلام پر ظاہر کردی۔ بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ جب بھی کلمات بیان فرماتے یا تصوّف کے کسی مسئلے کی طرف اشارہ فرماتے تو ازراہِ شفقت مجھے پوچھتے تم موجود ہو؟ یہاں تک کہ اگر مَیں موجود نہ ہوتا تو میری غیر حاضری میں جو کچھ ارشاد فرماتے اسے میرے حاضر ہونے پر دہرا دیتے۔ اس طرح جو ملفوظات جمع کئے ان کے متعلق حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ "یہ مجموعہ اس وقت تک میرے پاس ہے"۔ ۲

فوائد الفواد کی ترتیب و تدوین میں امیر حسنؒ نے پوری دیانت و امانت سے کام لیا۔ کوئی بات قیاس سے نہیں لکھی۔ آپ اپنے مجموعہ کو وقتاً فوقتاً حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش کرکے اس کی صحت کی توثیق کرواتے رہتے۔ امیر حسنؒ نے اپنے طریق جمع و تدوین کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ اپنا مجموعہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت خواجہؒ اس کا مطالعہ کرتے اور مسوّدہ کی تعریف فرماتے۔ امیر حسنؒ اگر حضرت خواجہؒ کے کسی ارشاد کو پوری طرح ضبط نہ کر پاتے تو اس کے لئے جگہ خالی چھوڑ دیتے۔ حضرت خواجہؒ کے استفسار پر بتاتے کہ اس سلسلہ کے باقی ماندہ کلمات اچھی طرح معلوم نہ تھے۔ آپ ازراہِ شفقت وہ کلمات دوبارہ بیان فرماتے اور اس طرح مسوّدہ خود حضرت خواجہؒ کے ملاحظہ کے بعد مکمل ہو جاتا

۲۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد محولہ بالا جلد اوّل اٹھائیسویں مجلس ص ۹۳-۹۴

امیر حسنؒ خالی جگہوں کو پُر کرنے کے لئے جب حضرت خواجہؒ سے رجوع کرتے تو آپ اپنے ذریعہ معلومات کا حوالہ دیتے۔ ایک مرتبہ جب امیر حسنؒ نے ایک حدیث کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ "مَیں نے کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں دیکھی البتہ مولانا علاءالدین اصولی سے کہ وہ بدایوں میں میرے استاد تھے، مَیں نے یہ حدیث سنی تھی اور وہ بڑے بزرگ اور کامل صاحب الحال تھے۔" ۳

فوائد الفواد پندرہ برس کی مدت میں مکمل ہوئی، جمع و تدوین کا آغاز بروز اتوار بتاریخ ۳، شعبان المبارک ۷۰۷ھ کو اور اختتام بتاریخ ۲۰ شعبان المبارک ۷۲۲ھ کو ہوا۔ اس مدت کی تفصیل حسب ذیل ہے: ۴

جلد اوّل شعبان ۷۰۷ھ تا ذی الحجہ ۷۰۸ھ
جلد دوم شوال ۷۰۹ھ تا شوال ۷۱۲ھ
جلد سوم ذی القعدہ ۷۱۲ھ تا ذی الحجہ ۷۱۳ھ
جلد چہارم محرم ۷۱۴ھ تا رجب ۷۱۹ھ
جلد پنجم شعبان ۷۱۹ھ تا شعبان ۷۲۲ھ

دین، اخلاق اور روحانیت، اس بیش بہا ذخیرہ کے خاص

---

۳. ملاحظہ ہو فوائد الفواد جلد اول صفحہ ۹۵ و ۳۲۳
۴. یہ تفصیل فوائد الفواد کی مختلف جلدوں کے آغاز اور اختتام پر مؤلف کے لکھے ہوئے دیباچوں سے جمع کی گئی ہے۔

موضوعات ہیں۔ طاعت و عبادت ، وعظ و نصیحت ، ترغیب و ترہیب ، حکایات و حالات مشائخ جیسے مضامین روح افزا ارشادات اور ایمان افروز افادات کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں جو قلب کو ضیاء اور نظر کو جلاء بخشتے ہیں۔

اس گراں بہا مجموعہ میں اس دَور کے بہت سے سماجی مسائل پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس زمانے کی معاشرتی زندگی سامنے آتی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کے مختلف طبقات بالخصوص اہل علم حضرات کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ حضرت خواجہؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا چاہا کہ وہ "جوامع الحکایات" کا نسخہ نقل کرائیں مگر آپ کا ہاتھ تنگ تھا اور کتابت کا سامان گراں اور نقل کرنے والے نساخ کی اجرت بہت زیادہ تھی۔ اگر کاغذ فراہم ہوتا تو کتابت کا سبب نہ بنتا۔ اگر کاتب کا انتظام ہو جاتا تو کاغذ اور دوسرا سامان مہیا نہ ہوتا۔ ۵

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فوائد الفواد میں عالمِ اسلام کے مختلف روحانی مراکز کا ذکر کثرت سے کیا ہے۔ ان مراکز میں لاہور کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ آپ نے اس شہر کے اولیاء اللہ کے ذکر میں ایک تاریخی واقعہ بیان کیا ہے ، فرماتے ہیں؛

شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ دونوں

۵۔ فوائد الفواد جلد اوّل چھبیسویں مجلس ص ۹۰ ، ۹۱

ایک ہی پیر کے مرید تھے۔ وہ پیر اس عہد کے قطب تھے۔ شیخ حسین زنجانیؒ کافی دیر سے لاہور میں سکونت پذیر تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویریؒ سے کہا کہ لاہور جاؤ اور وہاں سکونت اختیار کرو۔ خواجہ علی ہجویریؒ نے اپنے پیر سے عرض کیا کہ حسین زنجانی وہاں ہیں، پیر نے فرمایا کہ تم جاؤ۔ جب حضرت علی ہجویریؒ ان کے ارشاد کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ دوسری صبح کو لوگ شیخ حسین زنجانیؒ کے جنازے کو شہر سے باہر لے آئے۔ ۶

فوائد الفواد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہؒ خود لاہور شہر میں قیام فرما چکے ہیں۔ لاہور میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا:

"ایک دفعہ لاہور میں مجھے رمضان المبارک کی ستائیسویں یا اٹھائیسویں رات آئی۔ ہوا یوں کہ اس سال نئے چاند کے معاملے میں تین ماہ تک برابر گڑبڑ رہی نو دن تک برابر بادل اور غبار کی وجہ سے نکلا ہوا چاند نظر نہ آیا۔ چنانچہ شہر والے ہر ماہ کے تیس دن شمار کرتے رہے۔ جب تین ماہ گزر گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ غلطی پر تھے۔" ۷

اسی طرح حضرت خواجہؒ نے لاہور کے ایک کاروباری اور تجارتی مسئلے پر بھی روشنی ڈالی ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ بُرے اعمال کا نتیجہ تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو قومیں غیر منصفانہ روش اختیار کرتی ہیں انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے آپ نے مندرجہ بالا رویت ہلال کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ لاہور کی تباہی کی وجہ یہ منحوس بات تھی اور دوسری منحوس بات یہ تھی کہ لاہور کے تاجر گجرات کا ٹھیاواڑ کپڑا بیچنے گئے۔ انہوں نے گجرات کے ہندو تاجروں کو اصل قیمت سے دوگنی

۶۔ فوائد الفواد جلد اوّل اکتیسویں مجلس ص ۱۰۲۔
۷۔ فوائد الفواد جلد چہارم دوسری مجلس ص ۲۵۰

دگنی قیمت بتائی۔ بعدازاں ان کپڑوں کو ان کی اصل قیمت پر بیچ دیا۔ گجرات کے ہندوؤں کے ہاں یہ طریقہ رائج نہ تھا۔ وہ جس سامان کو بیچنا چاہتے تھے اسکی ٹھیک ٹھیک قیمت بتاتے تھے اور ایک ہی بات کرتے تھے۔ لاہور کے تاجروں کا نیا طریقہ دیکھ کر گجرات کے ہندوؤں نے پوچھا کہ تم کس شہر کے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم لاہور شہر کے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا تمہارے ہاں اسی طرح لین دین ہوتا ہے؟ لاہور کے سوداگران نے کہا ہاں۔ انہوں نے پوچھا کیا وہ شہر اب تک آباد ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں آباد ہے۔ وہ کہنے لگے کہ وہ شہر جہاں اس طرح کا کاروبار ہوتا ہے آباد نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ وہ سوداگر واپس ہوئے تو ابھی راستے ہی میں تھے کہ تاتاریوں نے لاہور پر حملہ کیا اور لاہور کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ فوائد الفواد اس قسم کے دیگر تاریخی واقعات عبر سے مملو ہے۔ یہ وعظ و نصیحت کا قیمتی سرمایہ ہے جو انسانوں کی اصلاح اور ان کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے لئے انتہائی مفید ہے۔

علماء اکیڈیمی محکمہ اوقاف حکومت پنجاب نے فوائد الفواد کے اردو ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۳ء میں شائع کیا تھا۔ جسے ملک کے دینی اور علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور وہ جلد ختم ہوگیا۔ اب ہم اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنیکی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اسے بھی پہلے کی طرح قبول عام حاصل ہوگا۔

محمد یوسف گورایہ
ڈائریکٹر علماء اکیڈیمی محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب
بادشاہی مسجد۔ لاہور
یکم مارچ ۱۹۸۰ء

پیش لفظ

سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کے کئی مریدان باکمال نے آپ کے ملفوظات کو جمع کیا۔ ان میں افضل الفوائد مرتبہ امیر خسرو دہلوی۔ مجموعۂ نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار، انوار المجالس، مرتبہ خواجہ محمد، تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار، مرتبہ خواجہ عزیزالدین صوفی اور فوائدالفواد، مرتبہ امیر حسن علاء سجزی معروف بہ خواجہ حسن دہلوی بہت مشہور ہیں لیکن سب سے زیادہ قبول عام اور درجہ استناد حضرت امیر حسن سجزی کے مجموعہ ملفوظات فوائدالفواد کو حاصل ہوا۔

فوائدالفواد، تصوف و معرفت، حقائق معارف، تفسیر و حدیث، سیرت و تاریخ، لغت و احوال مشائخ کے متنوع موضوعات کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے۔ جامع ملفوظات حضرت امیر حسن علاء سجزیؒ اپنے دور کے معروف ادیب و شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فوائدالفواد کو ادبی حسن و شگفتہ طرزِ نگارش اور عارفانہ مندرجات کی بنا پر برصغیر پاک و ہند کے متصوفانہ ادب میں نہایت ممتاز و منفرد مقام حاصل ہے۔

فوائد الفواد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف حضرت امیر حسن علاء سجزی کو حضرت سلطان المشائخ کی آخری عمر میں آپ کا قرب خاص نصیب ہوا۔ اور جلوت و خلوت کی خصوصی نشستوں کے دوران آپ نے پوری دلجمی کے ساتھ سلطان المشائخ کے حقائق و معارف، نکات و لطائف، سوز و گداز، اشعار و تمثیلات کے موتی الفاظ و محاورات میں پرو دیئے۔ استفاد و قبولیت کی دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ **فوائد الفواد** کے اجزاء جیسے جیسے تیار ہوتے جاتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ انھیں خود ملاحظہ فرما کر اسقام و نقائص کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

محدثین کرام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور اعمال کی جمع و تدوین میں سعی بلیغ سے کام لیا۔ اور احادیث نبویؐ کی صیانت و حفاظت کے لئے فن اسماء الرّجال اور سلسلہ ہائے رواۃ معرض وجود میں آئے۔ اولیاء کرام نے آنحضرت صلعم کے طریق تزکیہ نفس کے تحفظ و ابلاغ میں مساعی جمیلہ فرمائیں اور مختلف سلسلہ ہائے تصوّف قائم ہوئے۔ فوائد الفواد تصوّف کے سلسلۂ چشتیہ کے طریق تزکیہ نفس کے حقائق و معارف کا نادر مجموعہ ہے۔

بزرگان دین اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے سوانح حیات اور تصوّف اسلام کی اہم کتب کی اشاعت کو محکمہ اوقاف کی مطبوعات میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس سے قبل محکمہ اوقاف کے تعاون سے تصوف کی درج ذیل بنیادی کتب شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ مکتوبات امام ربانی۔ ۲۔ مکتوبات سعیدیہ۔ ۳۔ رسائل مجدّدیہ۔ ۴۔ اذکار معصومیہ۔ ۵۔ کلیات باقی باللہ وغیرہ وغیرہ۔

فوائد الفواد کا اصل فارسی متن ۱۹۶۶ء میں محکمہ اوقاف کے تعاون سے شائع ہوا۔ اس کی علمی و دینی اور تبلیغی افادیت و اہمیت کے پیش نظر اب محکمہ اوقاف اس کا اُردو ترجمہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے گوہر درخشاں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ مسلمانان عالم کو عموماً اور اسلامیان پاک و ہند کو خصوصاً جو عقیدت و ارادت ہے اس کا تقاضا تھا کہ محکمہ اوقاف آپ کی تعلیمات و ارشادات کو سہل، عام فہم اور سلیس اُردو زبان میں پیش کرے تاکہ خواص کے علاوہ عوام بھی حضرت خواجہ کے علوم و معارف سے پوری طرح استفادہ کر سکیں۔

فوائد الفواد کے اُردو ترجمے کی اشاعت سے بجا طور پر یہ تقاضا پورا ہوتا ہے۔

محمدؐ یوسف گورایہ
ڈائریکٹر علما اکیڈیمی محکمہ اوقاف، پنجاب لاہور

فہرست

مجالس

جلد اوّل

کے لیے دعا کی۔ مریدوں کی ایک جماعت کے ساز و مزامیر کے ساتھ سماع سننے پر آپ کا اظہار ناپسندیدگی۔ مشائخ کبار نے سماع سُنا ہے۔ شیخ الاسلام فرید الدین کے سماع سننے پر اجودھن کے قاضی کی برہمی۔ معجزات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حیوانات و جمادات بھی آپ کی فرمانبرداری کرتے تھے۔ اسم اعظم کے بارے میں ابراہیم ادہم نے ایک سوال کے جواب میں کہا: "معدے کو لقمۂ حرام سے پاک رکھو اور دل کو محبت دنیا سے خالی کردو اس کے بعد خدا تعالیٰ کا جو بھی اسم پڑھو گے۔ وہ اسم اعظم ہے۔

چھٹی مجلس:۔ حضرت خواجہ کا ارشاد میرے ہاں جس وقت بھی کوئی چاہے آسکتا ہے۔ خدمت کرنے والا مخدوم ہوتا ہے۔ ۲۱۷

ساتویں مجلس:۔ حضرت خواجہ کو دو باغوں اور بہت سی زمین کی مع اسباب و آلات کے پیش کش کی گئی۔ آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا شیخ الاسلام حضرت شیخ فریدالدین کو چار دیہات کی معافی کا شاہی فرمان پیش کیا گیا۔ آپ نے اُسے مسترد کر دیا۔ جس نے زمینداری سے دل لگایا، دنیا کا غلام ہوگیا۔ حدیث "درد کرنے والا بھی ملعون ہے اور درد ترک کرنے والا بھی ملعون ہے" کی تشریح۔ ۲۱۸

آٹھویں مجلس:۔ اشعار میں اشارات و کنایات۔ توکل کا ذکر، اس سلسلے میں بغیر زادِ راہ کے ایک لڑکے کے عزم حج کی حکایت۔ خواجہ بایزید بسطامی کے ایک کفن چور سے سوال و جواب۔ رزق کی چار قسمیں:۔ رزقِ مضمون۔ رزقِ مقسوم۔ رزقِ مملوک اور رزقِ موعود ان کی تشریح۔ ۲۲۱

جلد چہارم

جلد پنجم ۴۰۹

جلد اوّل

مصحفی کہ جمع کردہ تخفیست پیش یاران
حَسَن علاءِ سجزی از امید واران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ غیبی جواہر اور شک و شبہ سے بالا پھول خواجہ راستباز ملقب بہ "وَمَا اَرسلنٰکَ الا رحمۃ للعالمین"[1] فقراء و مساکین کے بادشاہ شیخ نظام الحق والشرع والھدیٰ والدین کے۔ اللہ ان کے طولِ بقا سے مسلمانوں کو مستفید کرے، آمین ـــــ ارشاد و تلقین کے خزانے اور ان کے ایقان و یقین کے نہاں خانہ سے جمع کئے گئے ہیں۔ جو کچھ اس شمعِ[2] جمعِ ملکوت سے کانوں میں پہنچا۔ خواہ وہ آپ کے اپنے الفاظ مبارک ہوں، خواہ میں نے اپنے محدود فہم کے مطابق ان کے معنی اخذ کئے ہوں، وہ لکھے گئے ہیں۔ اس مجموعہ سے، چونکہ درد مندوں کے دل فائدے اٹھائیں گے۔ اس لیے اس کا نام فوائد الفواد رکھا گیا۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اللہ ہی سے مدد کی بھیک ہے اور اُسی پر تکیہ اور بھروسا ہے۔

---

[1] سورۃ الانبیاء ۱۰۷۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کے جہان کے لوگوں پر۔ قرآن کریم میں ان الفاظ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے۔

[2] تصوف کی اصطلاحات میں "شمع" سے مراد وہ نورِ عرفان ہے جس سے سالک کا دل منور ہوتا ہے۔ "جمع" سے مراد ہے مشاہدہ حق بے خلق۔ حق تعالیٰ میں اس طرح محو ہو جانا کہ کسی اور کی خبر نہ رہے۔ "ملکوت" وہ عالم جو مختص ہے ملائکہ اور ارواح کے لیے۔

پہلی مجلس

اتوار، تین شعبان مبارک، اللہ اس مہینے کی برکتوں کو عام کرے اور ۷۰۷ھ ہجری رحمت پروردگار کے امیدوار اس بندۂ گنہگار حسن علاء سجزی کو کہ مرتب ہے ان مضامین کا اور جامع ہے ان معانی کا، اس آسمان جیسے مرتبے اور فرشتوں کی سی بارگاہ والے بادشاہ کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی. اسی وقت اس قطب کی بے نظیر نظر کے جلال سے جس کے سرِ منیر کے لیے آفتاب ضمیر ہے، اس بندۂ گنہگار کے باطن نے چاروں طبائع[۱] کی آلائش سے علیحدگی اختیار کی اور اس کے سر نے اس سرآمد اہل صفا کی عطا کردہ کلاہ چہار ترکی[۲] سے زینت پائی۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

اس روز آپ نے فرض نمازیں، نماز چاشت[۳] اور مغرب کی نماز کے بعد چھ[۴] رکعتیں پڑھنے اور ایامِ بیض[۵] کے روزے کے لزوم کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ توبہ کرنے والا اور متقی برابر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ متقی وہ ہے مثلاً جس نے اپنی تمام عمر شراب نہ پی ہو یا اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو اور توبہ

۱۔ اطباء کے ہاں انسان کی یہ چار طبائع ہیں، سرد۔ سرد و خشک۔ گرم تر۔ گرم و خشک۔

۲۔ کلاہ چار ترکی سے مراد چار ترک کی کلاہ ہے اور یہ چار ترک یہ ہیں۔ اوّل ترک دنیا۔ دوم ترک عقبیٰ یعنی سوائے ذاتِ حق کے اور کوئی مقصود نہ رہے۔ سوم کھانا اور سونا ترک کرنا مگر اس قدر جو ضرورت کے لیے کافی ہو۔ چہارم خواہش نفس کو ترک کرنا یعنی جو نفس کہے اسکی مخالفت کی جائے جو شخص ان چار چیزوں کو ترک کرتا ہے، وہ کلاہ چہار ترکی کو پہننے کا حقدار ہوتا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء مرتبہ حافظ غلام سرور)

۳۔ اسے صلوٰۃ الضحیٰ بھی کہتے ہیں، اس کے تین درجے ہیں اول کم سے کم دو رکعتیں پڑھی جائیں، دوم چار رکعتیں پڑھی جائیں۔ سوم آٹھ یا بارہ رکعتیں پڑھی جائیں۔ اسکا وقت ہے جب سورج چند مرحلے طے کرلے اور زمین گرم ہو جائے۔

(ماخوذ حجۃ اللہ البالغہ۔ حضرت شاہ ولی اللہ)

۴۔ اس کو نماز اوابین بھی کہتے ہیں۔ ۵۔ ہر مہینے کے چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں۔

کرنے والا وہ ہے جس نے گناہ کیا۔ پھر توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہوگئی۔ بعدازاں آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں اس حدیث کے مطابق برابر ہوں گے۔

"التائب من الذنب کمن لا ذنب له"

(گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے، جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔)

اسی موقعہ پر یہ بھی فرمایا کہ وہ شخص جس نے گناہ کیا اور اس گناہ سے لذت حاصل کی۔ جب تائب ہوگا اور طاعت کرے گا تو لازماً اس طاعت میں بھی اُسے لذت ملے گی۔ ممکن ہے اس طاعت میں اُسے جو راحت ملے، اس کا ایک ذرہ گناہوں کے خرمنوں کو جلا کر رکھدے۔

چند لمحے اس امر پر بھی گفتگو فرمائی کہ مردانِ[1] خدا اپنے آپ کو چھپاتے رہے ہیں اور حق تعالیٰ ان کو ظاہر کرتا رہا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ خواجہ ابوالحسن نوری نور اللہ مضجعہ واللہ انکی قبر کو منور کرے، دعاو مناجات کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے اپنے شہروں میں اپنے بندوں کے اندر پوشیدہ رکھ"۔ آپ نے کسی ہاتف غیبی کی یہ آواز سنی۔ یَا اَبَا الحسن اَلْحَقُّ لَا یَسْتُرُہٗ شَیْءٌ یعنی حق پر کوئی چیز پردہ نہیں ڈال سکتی۔ اور حق کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اسی موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی ______

---

[1] مردانِ خدا۔ رِجَالُ اللّٰہِ ــــ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ۔

سورۃ النور ۳۷ (وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں) یہی اولیاء اللہ ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ اولیائے ظاہرین اور اولیائے مستورین۔ اولیائے ظاہرین کے سپرد ہدایت خلق کی خدمت ہوتی ہے اولیائے مستورین کے سپرد امورِ تکوین کا انصرام ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہ سے مستور ہوتے ہیں۔

ناگور کے خطے میں ایک بزرگ حمیدالدین سوالیؒ علیہ الرحمۃ والغفران تھے (ان پر رحمت ومغفرت ہو)۔ ان سے پوچھا گیا کہ بعض مشائخ وفات پا جاتے ہیں اور ان کی وفات کے بعد کوئی بھی شخص ان کا نام نہیں لیتا۔ اور بعض جب وفات پا جاتے ہیں تو ان کا نام اور ان کی شہرت دنیا کے دور دراز حصوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس تفاوت احوال کا سبب کیا ہے! اس بزرگ نے فرمایا کہ مشائخ میں سے جو شخص زندگی میں خود اپنی تشہیر کرنے میں کوشاں رہتا ہے، اس کی وفات کے بعد اس کا نام مٹ جاتا ہے اور اس کی شہرت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ شخص جو زندگی میں اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتا ہے، وفات کے بعد اس کا نام اور اس کی شہرت تمام جہان میں پھیل جاتی ہے۔ کچھ دیر مشائخ کبار اور ابدالؒ کے مقابلے میں ان کی ترقیٔ درجات کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک

---

۱ ناگور راجستھان کا ایک علاقہ ہے۔ سوال ناگور میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس کی طرف شیخ حمیدالدین منسوب ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی فتح کے بعد دہلی میں وہ پہلے بچے تھے جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ شیخ حمیدالدین سوالی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ معین الدین چشتیؒ کے مرید تھے۔ شیخ حمیدالدین سوالی تمام عمر گاؤں میں رہے۔ ان کے پاس صرف ایک بیگھہ زمین تھی، جس میں کاشت کر کے وہ گزارہ کرتے تھے۔ انکی زندگی بے حد سادہ تھی۔ وہ ایک عام دیہاتی کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ انہوں نے تصوف پر "اصول الطریقت" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو اب ناپید ہے۔ شیخ حمیدالدین سوالی کے پوتے نے سرور الصدور کے نام سے آپ کے ملفوظات جمع کئے تھے۔ سن وفات ۶۳۷ھ، ۱۲۳۹ء ہے۔ انکے مرشد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے انہیں سلطان التارکین کا لقب دیا تھا۔ ماخوذ از تیرھویں صدی میں ہندوستان میں مذہب اور سیاست کے بعض پہلو (انگریزی)، مصنف پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

۲ صوفیہ کے ہاں ایک تو اولیائے ظاہر ہیں اور دوسرے اولیائے مستور۔ ان ہر دو اولیاء کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے چند ایک قسمیں درجہ وار یہ ہیں: اقطاب، غوث، امامان، اوتاد اور ابدال۔ سات ابدال تو بڑے ہوتے ہیں، باقی ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ابدال ہیں۔ ہر زمانے میں تمام دنیا میں سب سے بڑا قطب ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک قطب اور غوث ایک ہی چیز ہے۔ قطب کے دو وزیر امامان کہلاتے ہیں۔ اوتاد چار ہوتے ہیں جو دنیا کے چاروں کونوں پر متعین ہوتے ہیں۔ انکے بعد ابدال کا درجہ ہے۔

شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس اللہ سرہ العزیز[1] کی خانقاہ میں آیا۔ اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے اور خراب حالت میں ہیں۔ آنے والا شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی کی خدمت میں پہنچا اور اس نے دروازے پر پڑے ہوئے اس آدمی کا ذکر کیا۔ اور حضرت شیخ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ خاموش رہو اس نے بے ادبی کی ہے۔ آنے والے شخص نے پوچھا کہ حضرت! اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا، کہ وہ ابدال میں سے ہے۔ کل اس قوتِ پرواز کے مطابق کہ ابدال کو بخشی گئی ہے، وہ اپنے دو ساتھیوں کی معیت میں ہوا میں اڑ رہا تھا۔ جب وہ تینوں اس خانقاہ کے اوپر پہنچے تو اس کا ایک ساتھی اڑتے ہوئے خانقاہ سے ایک طرف ہٹ گیا اور ادب کے طور پر خانقاہ کی دائیں جانب سے نکل گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اُڑتا ہوا خانقاہ کی بائیں جانب سے نکل گیا۔ اس نے بے ادبی سے خانقاہ کے اوپر سے گزرنا چاہا۔ لہٰذا نیچے گر گیا۔

اس موقعہ پر پیر و مرشد کا ادب کرنے اور پیر و مرشد کے حضور حُسن جواب کے بارے میں ارشاد ہوا کہ عید کی رات کو خواجہ جنید بغدادی[2] قدس اللہ سرہ العزیز اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ اور مردانِ غیب[3] میں سے چار افراد آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت جنید ان میں سے ایک کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا، تم کل صبح نمازِ عید کہاں پڑھو گے؟ اس نے کہا مکہ معظمہ میں۔ بعد ازاں دوسرے سے پوچھا کہ تم کہاں پڑھو گے؟ اس نے کہا مدینہ منورہ میں۔ پھر تیسرے سے پوچھا کہ تم کہاں پڑھو گے۔ اس نے کہا بیت المقدس میں۔ بعد ازاں چوتھے سے پوچھا کہ تم کہاں پڑھو گے۔ وہ

---

[1] قدس اللہ سرہ العزیز، خدائے بزرگ و برتر اس کی روح (سِرّ) کو پاکیزہ کرے۔ "سِرّ" روحِ انسانی کا وہ اعلیٰ مقام ہے، جب اس کا نور صرف صاحبِ دل اور راسخین فی العلم ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ (پیدائش ۱۰۷۷ء وفات ۱۱۶۶ء)

[2] ابو القاسم جنید بغدادی۔ وفات ۹۱۰ء۔

[3] جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہلِ تصوف کے ہاں اولیاء کی دو اقسام ہیں۔ اولیائے ظاہرین اور اولیائے مستورین۔ اولیائے مستورین کو جو اغیار کی نظروں سے مستور رہتے ہیں، رجال الغیب اور مردانِ غیب کہلاتے ہیں۔

آداب بجالایا اور بولا یہیں بغداد میں حضرت خواجہ کی خدمت میں۔ آپ نے اُس کے بارے میں فرمایا کہ تم ان سب سے زاہد تر، عالم تر اور فاضل تر ہو۔

چند لمحے تزکیہ نفس[1] کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا آدمی میں ان چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم ملنا۔

کچھ دیر سعی و کوشش اور جد و جہد کرنے کے بارے میں گفتگو رہی۔ اس ضمن میں آپ کی زبانِ گوہر افشاں سے بندہ نے یہ دوبیت سُنے ؂

اگرچہ ایزد دہد ہدایت دین
بندہ را اجتہاد باید کرد
نامۂ کان بحشر خواہی خواند
ہم ازیں جا سواد باید کرد

(اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی دین کی ہدایت دیتا ہے لیکن بندے کو اپنی طرف سے کوشش اور جد و جہد ضرور کرنی چاہیئے۔ وہ نامۂ اعمال جسے تو حشر کے روز پڑھے گا اُس پر اس جگہ یعنی اس دنیا میں کچھ لکھ لینا چاہیئے!

دوسری مجلس

جمعہ، سال مذکور کے ماہ شعبان مبارک کی آٹھویں تاریخ نماز کے بعد قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ بندے کا ایک غلام "ملیح" نام کا تھا۔ اُسے بھی آپ سے اپنی ارادت و عقیدت کے

---

[1] نفس کو ذمائم سے پاک کرنا۔

تشکر کے طور پر ہمراہ لے گیا اور آپ کے حضور میں ذکر اللہ بالخیر (اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے) اُسے آزاد کر دیا۔ آپ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ اُسی دم غلام مذکور نے مخدوم خلق یعنی آپ کے قدموں میں سر رکھا اور شرفِ بیعت سے مشرف ہوا۔ (والحمد للہ علی ذالک)۔

اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے ۔ادام اللہ برکاتہ (اللہ آپ کی برکتوں کو دوام بخشے) ارشاد فرمایا۔ اس راہ میں آقائی اور غلامی حائل نہیں ہوتی۔ جو بھی عالم محبت میں کمال کو پہنچا، اُس کا کام بن گیا۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ غزنی میں ایک پیر تھے۔ ان کا ایک غلام زیرک نام کا تھا۔ اور وہ صدق وصلاحیت کے بلند ترین درجے پر فائز تھا۔ جب ان پیر بزرگوار کے انتقال کا وقت آیا تو مریدوں نے پوچھا کہ آپ کی جگہ پر کون بیٹھے ۔ انہوں نے کہا زیرک۔ پیر صاحب کے چار بیٹے تھے۔ سب کے سب صاحبِ اختیار اور مستعد وتیز۔ زیرک نے کہا، حضرت! آپ کے بیٹے مجھے آپ کی جگہ بیٹھنے نہیں دیں گے۔ یقیناً وہ مجھ سے جھگڑا کریں گے۔ پیر صاحب نے کہا کہ تم اطمینان قلب سے بیٹھنا۔ اگر وہ تم سے جھگڑا کریں گے تو میں ان کے شر کو تم سے دفع کر دونگا۔ الغرض جب وہ پیر صاحب اللہ کے جوارِ رحمت میں داخل ہو گئے تو زیرک اپنے پیر کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس پر پیر کے بیٹوں نے جھگڑنا شروع کر دیا کہ تم تو ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہو، تمہیں یہ کیسے جرأت ہوئی کہ ہمارے باپ کی جگہ پر بیٹھ گئے۔ جب ان کی دشمنی بہت بڑھ گئی تو زیرک پیر کے مزار پر گیا اور عرض کی اے آقا! آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے بیٹے تیری مزاحمت کریں گے تو میں اُنکے شر کو تم سے دفع کروں گا۔ اب وہ لوگ میرے درپے ایذا ہیں۔ آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر زیرک اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ چند ہی دنوں میں کافروں نے غزنی پر حملہ کر دیا۔ لوگ ان سے لڑنے کے لیے شہر سے باہر نکلے۔ ان پیر کے چاروں بیٹے بھی ان کے ساتھ نکلے، جنگ میں شریک ہوئے اور چاروں نے شہادت پائی۔ چنانچہ وہ جگہ بے روک ٹوک زیرک کے قبضے میں رہی۔

ملیح مذکور کے مرید ہو جانے کے بعد آپ نے اس سے فرمایا کہ دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس دو رکعت نماز کی کیا نیت ہونی چاہیئے۔ اس نے کہا نفئ ما سوی اللہ کی خاطر۔ (اللہ کے سوا جو کچھ ہے عارضی ہے اس کی نفی کرنا یا بالفاظ دگر اقرار کرنا کہ اس کائنات میں موجود فقط اللہ کی ذات ہے)

تیسری مجلس

جمعہ سنہ مذکورہ شعبان مبارک کی پندرہ تاریخ

نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ ایک ملنگ آیا، گھڑی بھر بیٹھا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر خیر اور بھلائی سے کرے، فرمایا۔ اس طرح کے لوگ شیخ بہاء الدین زکریا[1] رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کم ہی پہنچ پاتے تھے۔ البتہ شیخ الاسلام فریدالدین[2] رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ (ان پر اللہ کی وسیع رحمت ہو) کی خدمت میں ہر طرح کے درویش اور غیر درویش پہنچ جاتے تھے۔

بعدازاں فرمایا کہ عامیوں کے ہر مجمع میں کوئی نہ کوئی خاص موجود ہوتا ہے اس سلسلہ میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے بہت سیر و سیاحت کی تھی۔ ایک دفعہ وہ ملنگوں کی ایک جماعت میں پہنچے اور بیٹھ گئے۔ اس جماعت میں روشنی جلوہ گر ہوئی۔ اچھی طرح نظر ڈالی تو انہی میں سے ایک شخص نظر آیا، جس کے یہاں سے وہ روشنی پھوٹ رہی تھی۔ آپ آہستہ سے اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ان لوگوں کے درمیان تمہارا کیا کام؟ اس نے جواب دیا۔ اے زکریا! میں اس لیے ان میں شامل ہوں کہ تم جان لو کہ عامیوں کے ہر مجمع میں کوئی نہ کوئی خاص موجود ہوتا ہے۔

اس باب میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ ایک بزرگ ایسے ہی ملنگوں

---

[1] ولادت ۵۷۸ھ / ۱۱۸۲ء / ۱۱۸۳ء۔ وفات ۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء
آپ نے سلطان التمش اور بلبن کا زمانہ پایا تھا۔

[2] ولادت ۱۱۷۵ء۔ وفات ۱۲۶۵ء

کی جماعت میں پہنچ گئے۔ انہوں نے ان میں سے ایک کو دیکھا کہ اس نے نماز کی ایک رکعت میں سارا قرآن پاک ختم کر دیا۔ وہ بزرگ حیران رہ گئے۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ جس سلسلہ سے اس آدمی کا تعلق ہے، اُس سے اِس طرح کی طاقت کچھ عجیب سی بات ہے تاہم اس ضمن میں استقامت پر قادر نہ ہوگا۔ الغرض وہ بزرگ اس جماعت سے الگ ہو گئے۔ دس سال بعد وہ پھر اس جماعت میں پہنچے اور دیکھا کہ وہ درویش اسی عمل پر قائم ہے۔ اس وقت اس بزرگ نے کہا، مجھے یہ حقیقت معلوم ہو گئی ہے کہ عامیوں کے ہر مجمع میں کوئی نہ کوئی خاص موجود ہوتا ہے۔

چوتھی مجلس

جمعہ سنۂ مذکور، شعبان مبارک کی بائیس تاریخ

اس مہینے کی حرمت کو دوام نصیب ہو۔ نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ حضرت نے فرمایا میں نے تمہیں مغرب اور عشا کی نمازوں کے درمیان نماز اوابین[1] کی چھ رکعتیں پڑھنے کو کہا تھا وہ تم پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ بعد ازاں ایام بیض[2] کے روزوں کے بارے میں پوچھا کہ روزے رکھتے ہو۔ عرض کیا، رکھتا ہوں۔ پھر نماز چاشت کے متعلق پوچھا کہ وہ نماز ادا کرتے ہو! عرض کیا ادا کرتا ہوں۔ بعد ازاں چار رکعت نمازِ سعادت پڑھنے کا ارشاد ہوا۔ اس دن اس سعادت کا دوسری سعادتوں پر اضافہ ہوا والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

---

[1] دیکھئے پہلی مجلس۔
[2] دیکھئے پہلی مجلس۔

پانچویں مجلس

جمعہ سنۂ مذکور ماہِ رمضان کی تیرہ تاریخ

مجھے نماز سے قبل قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ معمول کے خلاف نماز سے قبل آنے کا کیا سبب ہوا؟ عرض کیا کہ تراویح کی نماز مولانا ظہیر الدین حافظ سلمہ اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے) کے پیچھے ادا کی جاتی ہے۔ وہ ہر رات قرآن کے تین پارے پڑھتے ہیں۔ بندہ چاہتا ہے کہ دس رات متواتر بغیر کسی ناغہ کے ان کے پیچھے تراویح پڑھے تاکہ پورے قرآن کو ختم کرنے کا ثواب حاصل ہو۔ اگر حضرت اجازت دیں تو میں نمازِ جمعہ کے بعد چلا جاؤں تاکہ نمازِ تراویح ادا کر سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بہت اچھا ہے۔

بعد ازاں اسی مضمون کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک رات شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو آج رات دو رکعت نماز پڑھے اور ایک رکعت میں قرآن ختم کرے۔ حاضرین میں سے کوئی اس کے لیے تیار نہ ہوا۔ شیخ بہاء الدین خود آگے بڑھے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا اور اس کے علاوہ چار پارے اور پڑھے۔ دوسری رکعت میں آپ نے سورۂ اخلاص پڑھی اور نماز کو مکمل کیا۔

اسی مفہوم کے موافق آپ نے ایک اور حکایت بیان فرمائی۔ فرمایا۔ شیخ بہاء الدین علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ جو کچھ مجھ تک پہنچا نماز کی بدولت پہنچا۔ میں نے مشائخ اور زاہدوں کے اوراد و وظائف بھی کیے مگر ایک چیز مجھ سے نہیں ہو سکی۔ وہ چیز یہ تھی کہ مجھ تک یہ بات پہنچائی گئی کہ فلاں بزرگ آغازِ صبح سے سورج کے طلوع ہونے تک دو رکعت کے درمیانی وقفے میں، پورا قرآن ختم کر لیتے ہیں۔ ہر چند (ایسا ہی کرنے کا) خواہاں رہا۔ مجھ سے

ہو نہ سکا۔

اس موقعہ پر آپ نے ایک اور حکایت بیان کی، فرمایا۔ ایک دفعہ قاضی حمید الدین[1] ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کعبۂ مبارک کا طواف کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک بزرگ کو طواف کرتے دیکھا۔ آپ نے ان بزرگ کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کیا۔ جہاں وہ بزرگ قدم رکھتے، قاضی حمید الدین بھی اسی جگہ قدم رکھتے۔ وہ روشن ضمیر پیر اس صورتِ حال سے مطلع ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم میرا ظاہری اتباع کیوں کرتے ہو! بات تو جب ہے کہ جو میں کرتا ہوں، اس کا اتباع کرو۔ قاضی حمید الدین علیہ الرحمۃ نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں! اس بزرگ نے کہا کہ میں ایک دن میں سات سو بار قرآن ختم کرتا ہوں۔ قاضی حمید الدین بہت متعجب ہوئے اور دل میں سوچا کہ یہ قرآن کے معانی کو خیال کے ذریعہ دل سے ادا کرتے ہوں گے اور خیال ہی خیال میں پڑھ جاتے ہوں گے۔ وہ بزرگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ لفظاً پڑھتا ہوں۔ خیال یا قوتِ وہمیہ کی رو سے نہیں پڑھتا۔

جب حضرت خواجہ نے۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، یہ حکایت تمام کی تو اعزّ الدین علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے، سوال کیا کہ آیا اس امر کو کرامت قرار دیا جا سکتا ہے! حضرت خواجہ نے فرمایا۔ ہاں اسے کرامت قرار

---

[1] سلطان التمش کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان آنے سے قبل بغداد میں وہ شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ معین الدین چشتی، شیخ اوحد الدین کرمانی، قاضی حمید الدین ناگوری اور دوسرے صوفیہ کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ جب وہ بادشاہ بنا اور قاضی حمید الدین ناگوری دہلی آئے تو التمش نے ان کا بہت احترام کیا۔ قاضی حمید الدین ناگوری سماع سننے کا بڑا شوق رکھتے تھے۔ اسلامی ہند کی تاریخ کے ابتدائی دور میں ان کی تصنیفات صوفیہ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ ان کی دو کتابیں لوائح اور طوالع الشموس اب ناپید ہیں ایک رسالہ عشقیہ موجود ہے۔

(ماخوذ از پروفیسر خلیق احمد نظامی)

دیا جا سکتا ہے۔ ہر وہ امر جو عقل کا دلعقل باز خواند) ہنوا ہو اور ہے اور ہر وہ امر جس میں عقل کی گنجائش اور سمائی نہ ہو' اسے کرامت کہا جائے گا۔ چند لمحے مشائخ کی طاعت و عبادت کا ذکر ہوا۔ فرمایا شیخ ابوسعید ابوالخیر[1] رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ بھی حاصل ہوا حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی اتباع میں نمازیں پڑھنے سے ہوا۔ میں نے وہ سب نمازیں پڑھیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ نماز معکوس ادا کی تھی تو میں نے اپنے پاؤں رسّی سے باندھے اور اپنے آپ کو ایک کنوئیں میں الٹا لٹکا کر اس طرح نماز معکوس ادا کی۔

حضرت خواجہ یہ حکایت تمام کر کے اس بندۂ ناچیز کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہر شخص اچھے اعمال کے باعث کسی مقام پر پہنچا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فیض کا بھی نزول ہوتا ہے لیکن جدوجہد خود کرنی ضروری ہے۔

چھٹی مجلس

جمعہ، سال مذکور کے ماہ شعبان کی پانچ تاریخ

نماز کے بعد مجھے قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ ترک و تجرید[2] کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا۔ ایک درویش انتہائی فقر و مسکنت کی حالت میں تھا۔ اس کا پیٹ بھوک کی شدّت سے کمر سے جا لگا تھا۔ وہ ایک راہ پر چلا جا رہا تھا کہ خواجہ محمود ٹوہ

---

[1] آپ خراسان کے شہر میہنہ میں ۹۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عطار تھے۔ متصوفانہ فارسی شاعری کے وہ امام تھے۔ سنۂ وفات ۱۰۴۹ء

[2] ترک سے مراد ہے ترکِ دنیا۔ تجرید ہے دل سے ماسوی اللہ کو زائل کر دینا۔

نے کہا کہ ہمارے دوست نے اُسے ایک دانگ (ایک معمولی سکہ) دیا۔ اس نے کہا کہ آج میں نے تیل کی کھلی سیر ہو کر کھائی ہے اور میں غذا کے معاملہ میں پوری طرح مستغنی ہوں۔ مجھے آج اس دانگ کی ضرورت نہیں۔ بعدازاں حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس کے اس انتہائی درجۂ صدق ویقین پر اظہار تعجب کرنے لگے اور فرمایا۔ آفرین ہے اس قناعت پر اور صبر کی اس قوت پر۔

اس موقع پر قناعت کے باب میں اور اللہ کے سوا دوسروں سے کسی قسم کی طمع نہ رکھنے کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک بزرگ تھے جنہیں شیخ علی کہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنا خرقہ سی رہے تھے۔ انہوں نے اپنے پاؤں پھیلا رکھے تھے۔ خرقہ کا ایک پلّہ اپنی ران پر ڈالے اس میں پیوند لگا رہے تھے۔ اس دوران میں لوگوں نے اُن سے کہا کہ خلیفہ آ رہا ہے۔ انہوں نے اپنا انداز نہ بدلا، اُسی طرح رہے، جیسے کہ تھے اور کہا آتا رہے۔ خلیفہ آیا، سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا۔ خلیفہ کے حاجب (چوبدار) نے جو اس کے ساتھ آیا تھا کہا۔ شیخ اپنے پاؤں سمیٹ لیجئے۔ شیخ نے اس کی بات کی طرف بالکل دھیان نہ دیا یہاں تک کہ حاجب نے یہی بات ایک دو بار دہرائی۔ الغرض جب خلیفہ واپس جانے لگا تو شیخ نے اپنے ایک ہاتھ میں حاجب کا ہاتھ اور دوسرے ہاتھ میں خلیفہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ میں نے اپنے ہاتھ سمیٹ لیے ہیں۔ اس لیے میرے لیے روا ہے کہ اپنے پاؤں نہ سمیٹوں۔ یعنی مجھے تم سے نہ پہلے کوئی طمع تھی نہ اب کوئی طمع رکھتا ہوں اور نہ تم سے کچھ لیتا ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھ سمیٹ لیے ہیں۔ اگر پاؤں نہ سمیٹوں تو اختیار رکھتا ہوں۔

کچھ دیر سلوک کے اصلِ اصول اور اس کے لب لباب کے بارے میں گفتگو رہی۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص خواجہ اجلؔ شیرازی (ان پر اللہ کی رحمت اور مغفرت ہو) کی خدمت میں حاضر ہوا اور مرید ہو کر خواجہ اجل شیرازی کے فرمان کا انتظار کرنے لگا کہ بھلا آپ اُسے نماز، روزہ اور اوراد و وظائف کے متعلق کیا ارشاد کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے صرف یہی فرمایا کہ جو تم اپنے لیے روا نہیں رکھتے کسی دوسرے کے لیے بھی روا نہ رکھو اور اپنے لیے وہی چاہو جو کسی دوسرے کے لیے چاہتے ہو۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر آیا

اور خواجہ اجلّ شیرازی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اس نے عرضداشت کی کہ میں اس روز خدمت میں حاضر ہوا اور اس امر کا منتظر رہا کہ پیر و مرشد مجھے نماز اور اوراد و وظائف کی تلقین فرمائیں لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ آج میں پھر اسی بات کا منتظر ہوں۔ خواجہ شیرازی نے کہا کہ اس روز تمہارا کیا سبق تھا! مرید حیران رہ گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ خواجہ شیرازی مسکرائے اور فرمایا۔ اس دن میں نے تم سے کہا تھا کہ جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے، کسی دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ اور اپنے لیے وہی چاہو جو تم کسی دوسرے کے لیے چاہتے ہو۔ تم نے وہ بات یاد نہیں رکھی اور چونکہ تم نے پہلا سبق درست نہیں کیا۔ لہذا دوسرا سبق کیسے دوں۔

اس حکایت کے تمام کرنے کے بعد فرمایا۔ ایک پارسا بزرگ تھے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ نماز، روزہ، تسبیح اور اوراد و وظائف دیگ کی جملہ ضروریات و لوازم ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ دیگ میں گوشت ہو۔ جب دیگ میں گوشت ہی نہیں تو ان لوازم سے کچھ نہیں ہو سکے گا۔ لوگوں نے اس بزرگ سے کہا کہ آپ نے بارہا یہ مثال دی ہے۔ ذرا اس کی شرح بھی کر دیجئے۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ گوشت ترک دنیا ہے۔ اور نماز، روزہ اوراد اور تسبیح اس کی ضروریات و لوازم۔ آدمی کو سب سے پہلے تو یہ چاہئیے کہ دنیا کو ترک کرے۔ اور اس کا کسی چیز سے تعلق نہ رہے۔ پھر خواہ نماز، روزہ، اوراد اور دوسری چیزیں ہوں خواہ نہ ہوں کوئی پروا نہیں۔ لیکن اگر اس کے دل میں دنیا کی دوستی اور محبت ہے۔ تو دعاؤں، اوراد اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں سے اُسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اگر گھی، سیاہ مرچ، لہسن اور پیاز دیگ میں ڈال کر بگھاریں اور اس میں پانی ڈال کر شوربا بنا لیں تو اس شوربا کو لوگ جھوٹا اور جعلی شوربا کہتے ہیں۔ پس اصلی شوربا وہ ہوگا جو گوشت سے بنے۔ خواہ اس میں دوسرے لوازم ہوں یا نہ ہوں۔

پھر ترک دنیا کی حقیقت کے بارے میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ صادر ہوئے

ترکِ دنیا یہ نہیں کہ کوئی شخص کپڑے اتار کر برہنہ ہو جائے مثلاً لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترکِ دنیا یہ ہے کہ وہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے، البتہ جو کچھ اس کے پاس آئے اُسے خرچ کرتا رہے۔ جمع نہ کرے۔ اس کی طرف راغب نہ ہو۔ اور دل کو کسی چیز سے وابستہ نہ کرے۔

ساتویں مجلس

جمعہ سنۂ مذکورہ ماہِ شوال کی اُنیس تاریخ

نماز کے بعد قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ تصوف کے آداب، مشائخ کے اشارات اور کنایات اور ان کی اصطلاحات کا ذکر چلا۔ فرمایا، دہلی کے شیخ الاسلام شیخ جمال الدین بسطامی[1] علیہ رحمۃ (صوفیائے) صفہ کے مراسم اور ان کے آداب سے بخوبی آگاہ تھے۔ ایک دفعہ ان کے سامنے پانی کا کوزہ لایا گیا۔ جس میں پکڑنے کے چار کُنڈے تھے۔ وہاں ایک بزرگ موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس کوزے کو کوزۂ لقمانی کہتے ہیں۔ شیخ جمال الدین بسطامی نے پوچھا کہ اسے کوزۂ لقمانی کیوں کہتے ہیں! وہ بزرگ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد شیخ جمال الدین نے یہ

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے "مولانا جمال الدین محمد بسطامی کے انتقال پر التتمش نے شیخ الاسلام کا عہدہ قطب صاحب (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی) کو پیش کیا۔ قطب صاحبؒ نے معذوری ظاہر کی تو یہ خدمت مولانا نجم الدین صغری کے سپرد کی گئی ...... قطب صاحبؒ کی مقبولیت انکے لیے ذہنی اذیت اور قلبی بے چینی کا سبب بن گئی۔ (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات)۔ مولانا نجم الدین صغری نے شیخ جلال الدین تبریزی کے خلاف بھی شرانگیز منصوبہ بنایا اور ان پر بہتان لگایا۔ جس کی وجہ سے وہ دہلی چھوڑ کر بدایوں چلے گئے۔ دیکھئے (جلد ۴ مجلس ۲۰)

حکایت بیان کی۔ ایک بزرگ تھے جنہیں شیخ لقمان سرخسی کہتے تھے اُن کے اوصاف حمیدہ بہت ہیں۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ ان سے نماز جمعہ یا ظواہر شروع میں سے کوئی شعار فوت ہوگیا اللہ بہتر جانتا ہے اس شہر کے ائمہ ان کا احتساب کرنے کو باہر نکل آئے۔ شیخ سے کہا گیا کہ شہر کے ائمہ آپ سے بحث کرنے کی نیت سے آرہے ہیں۔ شیخ نے پوچھا کہ وہ سوار ہیں یا پیدل۔ بتایا گیا کہ وہ سوار ہو کر آرہے ہیں۔ اس وقت شیخ ایک دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے آپ نے دیوار سے کہا کہ خدائے عزو جل کے حکم سے چل کھڑی ہو۔ دیوار اُسی وقت چلنے لگی۔

مقصود یہ ہے کہ ان شیخ لقمان نے ایک دفعہ اپنے ایک مرید سے پانی کا کوزہ طلب کیا۔ مرید ایک کوزہ لایا جس میں پکڑنے کے لیے کوئی کنڈا نہ تھا۔ شیخ نے فرمایا کہ ایسا کوزہ لاؤ۔ جس میں پکڑنے کی جگہ ہو۔ مرید گیا اس نے کوزے میں ایک کنڈا لگایا اور اس کنڈے کو پکڑے ہوئے کوزے کو شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شیخ مسکرائے اور فرمایا۔ اس کنڈے کو تو تم نے پکڑ رکھا ہے، میں کوزے کو کہاں سے پکڑوں — جاؤ، کوزے میں دو کنڈے لگاؤ اور پھر میرے پاس آؤ۔ مرید گیا اُس نے کوزے میں دو کنڈے لگائے اور ایک کنڈا ایک ہاتھ میں اور دوسرا کنڈا دوسرے ہاتھ میں پکڑے وہ کوزے کو شیخ کے پاس لایا۔ شیخ نے فرمایا کہ کوزے کو دونوں طرف سے تم نے پکڑ رکھا ہے میں اسے کہاں سے پکڑوں۔ جاؤ تین کنڈوں کا کوزہ بناؤ۔ مرید گیا اور اس نے تین کنڈوں کا کوزہ بنایا۔ اس کے دو کنڈے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھے۔ اور کوزے کی تیسری طرف اُس نے اپنے سینے کی جانب کر رکھی تھی۔ شیخ مسکرائے اور کہا جاؤ چار کنڈوں والا کوزہ بنا کر لاؤ۔ بعد ازاں مرید نے اسی طرح کا چار کنڈوں والا کوزہ بنایا اور لے آیا۔ اور اُسے شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ غرض اس کوزے کو کوزۂ لقمان کہنے کا یہ سبب ہے۔

آٹھویں مجلس

جمعہ، سال مذکور ماہ شوال کی چھبیس تاریخ

نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ نماز امام اور مقتدیوں کی دورانِ نماز میں حضورِ قلب[1] کے بارے میں بات چلی۔ فرمایا کہ حضور قلب کی ابتدا یہ ہے کہ نمازی جو کچھ پڑھے اس کے معنی دل میں اترتے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک صاحب تھے جنہیں حسن افغانی کہتے تھے۔ وہ صاحب ولایت اور پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ چنانچہ شیخ بہاءالدین زکریا فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن اللہ مجھ سے سوال کرے گا کہ تم ہماری بارگاہ میں کیا لے کر آئے ہو تو میرا جواب ہو گا کہ میں حسن افغانی کو لایا ہوں۔

ایک دفعہ یہی حسن ایک گلی میں جا رہے تھے ایک مسجد کے پاس پہنچے، موذن نے تکبیر کہی، امام آگے بڑھا اور لوگ اس کے پیچھے جماعت میں کھڑے ہو گئے۔ خواجہ حسن بھی مسجد میں داخل ہوئے۔ اور امام کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ جب نماز ہو گئی اور لوگ فارغ ہو کر چلے گئے تو خواجہ حسن امام کے قریب گئے اور اس سے کہا۔ اے خواجہ! جب تم نے نماز شروع کی تو میں تمہارے پیچھے صف میں تھا۔ تم نماز کے دوران میں یہاں سے دہلی گئے، وہاں لونڈی غلام خریدے، وہاں سے واپس آئے اور ان لونڈی غلاموں کو خراسان لے گئے۔ وہاں سے تم ملتان لوٹے اور پھر اس مسجد میں آ گئے۔ میں تمہارے پیچھے مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر یہ کیا نماز ہے؟۔

---

[1] قلب کا خلق سے بے تعلق ہو کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا۔

بعد ازاں حضرت خواجہ ان کی بزرگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ایک دفعہ لوگوں نے ایک جگہ مسجد بنائی۔ خواجہ حسن افغانی وہاں پہنچے۔ انہوں نے عمارت بنانے والوں سے کہا کہ محراب کا رخ یوں ہو، قبلہ اس طرف ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک دانش مند[1] وہاں موجود تھا۔ اس نے بحث شروع کر دی اور کہا کہ نہیں سمتِ کعبہ دوسری طرف ہے۔ الغرض ان کے مابین بہت سی باتیں ہوئیں آخر خواجہ حسن افغانی نے اس دانشمند سے کہا کہ جس سمت کو میں کہہ رہا ہوں، تم منہ ادھر کرو اور اچھی طرح سے دیکھو۔ دانش مند نے منہ اس طرف کیا اور کعبہ کو اسی سمت میں روبرو پایا۔ جس سمت میں خواجہ حسن نے کہا تھا۔

بعد ازاں آپ نے خواجہ حسن افغانی کے احوال شرح وبسط سے بیان کئے۔ فرمایا وہ امّی تھے۔ کچھ پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ لوگ ان کے پاس آتے اور ان کے سامنے کاغذ اور تختی رکھ دیتے جن پر چند سطریں لکھی ہوتیں۔ بعض سطریں نظم ونثر کی اور بعض عربی و فارسی کی۔ ان میں سے ہر ایک کی چند سطریں ہوتیں اور ان سطروں کے درمیان ایک سطر قرآنی آیت کی بھی لکھی ہوتی۔ پھر ان سے پوچھا جاتا کہ ان سطروں کے درمیان آیت قرآنی کی سطریں کون سی ہیں! وہ قرآن کی آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے کہ یہ ہیں۔ لوگ ان سے کہتے کہ آپ نے قرآن تو پڑھا نہیں، آپ کیسے جان لیتے ہیں کہ یہ قرآن کی آیت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سطر میں جو نور دیکھتا ہوں وہ دوسری سطروں میں نہیں۔

انہی بزرگ کے احوال کی مناسبت سے ذوقِ نماز کے عالم محویت کا ذکر چل پڑا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک شخص تھے جنہیں خواجہ کریم کہتے تھے۔ وہ شروع میں دہلی میں کتابت کرتے تھے۔ آخر میں انہوں نے دنیا کے مشاغل سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور واصلانِ حق میں شامل ہو گئے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب تک دہلی میں میری قبر ہے کوئی کافر اس پر قابض نہیں ہو سکے گا۔

آپ نے خواجہ کریم کی نماز کے دوران میں حضورِ قلب کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

---

[1] ظاہری عالم کو دانش مند کہتے تھے۔

کہ ایک دفعہ وہ دروازہ کمال کے باہر مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے ان دنوں میواتیوں نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ اور کوئی شخص شام کے وقت اس دروازے کے آس پاس اور اس طرف نہیں جاسکتا تھا۔ خواجہ کریم نماز میں مصروف تھے! ور ان کے دوست دروازے میں کھڑے انہیں آوازیں دے رہے تھے کہ جلدی سے شہر کے اندر آجاؤ۔ دروازے کا دربان بھی شور مچارہا تھا۔ خواجہ کریم نے اپنی نماز پورے حضور قلب سے تمام کی اور پھر اندر آگئے۔ لوگوں نے ان سے کہا کیا آپ نے ہماری آوازیں نہیں سنی تھیں! کہنے لگے نہیں۔ لوگوں نے کہا، عجیب بات ہے ہم نے اتنا شور مچایا اور آپ نے ہماری آواز ہی نہیں سنی۔ وہ کہنے لگے کہ عجیب بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص نماز میں مشغول ہو اور پھر وہ کسی کا شور بھی سن لے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ جب خواجہ کریم نے اپنا منہ خدائے عزوجل کی طرف موڑا تو پھر عمر بھر کبھی درہم و دینار کو ہاتھ میں نہیں لیا۔

اس کے بعد آپ نے، اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، دنیا اور اس کی لذتوں کو ترک کرنے کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمت بلند رکھنی چاہیئے دنیا کی آلائش میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے۔ اور خواہشات نفسانی سے دست کش رہنا چاہیئے اسی وقت زبانِ مبارک سے دو مصرعے ادا ہوئے ؎

یک لحظہ ز شہوتی کہ داری برخیز تا بنشیند ہزار شاہد پیشت

(اس ہوس سے جو تمہارے اندر پیدا ہوگئی ہے ایک لحظے کے لیے دست کش ہو کر اٹھ کھڑے ہو تاکہ ہزار معشوق تمہارے سامنے آبیٹھیں۔

نویں مجلس

جمعرات سنہ مذکور، ماہ ذیلقعدہ کی دس تاریخ

قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ فرمایا کیا بات ہے۔ کہ تم آج آگئے یعنی معمول تو جمعہ کو

آنے کا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ یہ سعادت آج ہی حاصل ہو گئی۔ جس وقت بھی اقبال یاوری کرے یقیناً قدم بوسی کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا جو کچھ بھی غیب سے رونما ہو اچھا ہوتا ہے۔

بعد ازاں بزرگوں کی صحبت کی تاثیر کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ صحبت کا اثر قوی ہوتا ہے۔ پھر آپ نے دنیا کو ترک کرنے پر بے حد زور دیا۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ کون ہے جس نے کسی گھٹیا شے سے پنڈ نہ چھڑایا ہو۔ پھر کسی اعلیٰ شے نے اس کی جانب قدم کو نہ بڑھایا ہو۔؟

دسویں مجلس

منگل وار ماہ مذکور کی پندرہ تاریخ

قدم بوس ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بزرگوں کی ایک جماعت۔ جیسے مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا حسام الدین جامی اور ان کے دوست تاج الدین، مولانا جمال الدین اور دوسرے احباب موجود تھے۔ کھانا لایا گیا۔ آپ نے فرمایا جو روزے سے نہیں وہ کھالے۔ چونکہ ایام بیض[1] تھے۔ اس لیے اس جماعت میں سے اکثر لوگ روزے سے تھے۔ بعد ازاں دو تین اشخاص کے سامنے جو روزے سے نہیں تھے۔ کھانا رکھا گیا اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب احباب آئیں تو چاہیئے کہ ان کے سامنے کھانا لایا جائے اور کسی سے نہ پوچھا جائے کہ کیا تم روزے سے ہو؟ اس لیے کہ جو روزے سے نہیں ہو گا خود کھالے گا۔ اور یہ نہ پوچھنے میں کہ آیا تم روزے سے ہو حکمت یہ ہے کہ اگر وہ کہے کہ میں روزے سے ہوں

---

[1] چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں ایام بیض کہلاتی ہیں۔

تو اس میں ریاکاری کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں روزے سے ہوں تو اس کی اس باطنی طاعت و عبادت کو اس کے نامۂ اعمال میں ظاہری کہا جائے گا۔ اگر کہے کہ میں روزے سے نہیں ہوں تو اس نے جھوٹ بولا اور اگر وہ چپ رہے تو گویا اس نے پوچھنے والے کی تحقیر کی۔

گیارھویں مجلس

سوموار، ماہ مذکور کی بیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ نیک مردوں کے قدم کی برکت کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ جگہ راحت بخش ہے انہی کے قدموں کی برکت سے ہے۔ جیسے جامع مسجد دہلی۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ معلوم نہیں کتنے ولیوں اور بزرگوں کے قدم اس جگہ پہنچے کہ اسے انکی برکت سے اس قدر راحت حاصل ہو گئی۔

اس سلسلے میں آپ نے فرمایا۔ میں نے محمود کبیر سے سُنا ہے، وہ کہتے تھے کہ میں نے صبح کے وقت ایک بزرگ کو دیکھا۔ کہ جامع مسجد کے سنہری کنگروں کے اوپر جنکے طاقوں پر محراب ہے۔ ایک پرندے کی طرح انتہائی تیزی سے بغیر کسی تشویش کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آ جا رہے ہیں۔ میں دور سے نظارہ کرتا رہا۔ جب پو پھٹنے کا وقت قریب آیا تو وہ بزرگ ان کنگروں سے نیچے اُترے۔ میں ان کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا کہنے لگے دیکھ لیا۔ میں نے کہا دیکھ لیا۔ پھر کہا اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

اسی دوران میں کاتب الحروف نے عرض کیا کہ اکثر بزرگ اپنے احوال کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا کہ اگر راز فاش کرتے ہیں تو دوسرے کے راز کی محرمی کے لائق نہیں رہتے۔ جیسا کہ ایک آدمی دوسرے سے راز کی بات کہتا ہے اور دوسرا راز سننے

والا اُسے ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس راز کو ظاہر کرنے والے سے پہلا شخص کبھی کوئی راز نہیں کہے گا۔ میں نے عرض کیا یہ کیا بات ہے کہ خواجہ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ بارہا غیب کی باتیں زبان پر لے آتے تھے؟ آپ نے فرمایا جس دور میں اولیا پر اشتیاق غالب ہو۔ وہ حالتِ سکر[1] میں راز کی کوئی بات کہہ دیتے ہیں۔ لیکن جو کامل ہوتا ہے وہ کسی قسم کے راز کو بھی فاش نہیں کرتا۔ بعد ازاں آپ نے دوبار یہ مصرع سنایا۔

مردان ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند!

(مردوں نے ہزار دریا پی لیے پھر بھی پیاسے ہی رخصت ہوئے۔)

بعد ازاں فرمایا کہ وسیع حوصلہ درکار ہے جو اسرار کے شایاں ہو۔ ایسی استعداد والے لوگ پوری طرح اصحاب صحو[2] ہوتے ہیں۔ بندہ نے پوچھا کہ اصحاب سکر کا مرتبہ بالا تر ہے یا اصحاب صحو کا۔ فرمایا۔ اصحاب صحو کا مرتبہ بالا تر ہے باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

بارھویں مجلس

بدھ وار، سنۂ مذکور ماہ ذی الحجہ کی چودہ تاریخ

قدم بوسی کی سعادت پائی۔ نفس[3] کی قبولیت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ کسی صاحب نعمت کے نفس کی بدولت حاصل ہونے والی عبادت اور ورد و وظائف

---

[1] حیرت و دہشت اور بیخودی و مدہوشی کا عالم۔ یہ وہ کیفیت ہوتی ہے۔ جب جمال معشوق کے مشاہدہ سے عقل معطل ہو جاتی ہے۔

[2] عارف کا غیب سے احساس کی جانب واپس آنا صحو ہے

[3] بدن کی تدبیر کرنے والا نفس ہے۔ نفس حیوانی ترقی کر کے نفس انسانی بن جاتا ہے اسے نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

کوادا کرنے کی راحت ہی کچھ اور ہے[1]۔ بعد ازاں فرمایا کہ بعض ورد ہیں۔ جنہیں میں نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہے اور بعض ورد ہیں۔ جنہیں میں نے اپنے پیر حضرت شیخ فریدالحق والدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا ہے۔ ان دنوں وردِ دل کے ادا کرتے وقت جو راحتیں حاصل ہوتی ہیں ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

پھر ترکِ اختیار[2] پر گفتگو رہی۔ ترکِ اختیار سے مراد یہ ہے کہ خود اپنے اختیار سے کوئی کام نہ کرنا چاہیئے۔ فرمایا کہ وہ شخص جو کسی دوسرے کا محکوم ہے اس سے بہتر ہے، جو خود حاکم ہے۔

بعد ازاں فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ بروز جمعہ نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ انہوں نے مریدوں سے پوچھا کہ جامع مسجد کا راستہ کون سا ہے۔ اور مجھے کس طرح جانا چاہیئے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ راستہ یہ ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کئی بار نماز جمعہ کے لیے جا چکے ہیں۔ کیا آپ راستہ نہیں جانتے! فرمایا جانتا ہوں لیکن اس لیے پوچھا کہ بس لمحہ بھر کے لیے کسی دوسرے کا محکوم ہو جاؤں۔

اس کے بعد آپ نے وطن، گھر بار اور اسی طرح دوسری چیزوں کی محبت ترک کرنے کے بارے میں نصیحت فرمائی اور زبان مبارک سے یہ اشعار ارشاد کئے۔ ؎

دشت و کہسار گیر ہمچو وحوش — خانماں را بماں بگرُبہ و موش
قوتِ عیسیٰؑ چوز آسماں سازند — ہم بداں جاش خانہ پردازند
خانہ را گر برائے قوت کنند — مور و زنبور و عنکبوت کنند

(۱) جنگلی جانوروں کی طرح بیابانوں اور پہاڑوں میں رہے۔ گھر اور مکان بلیوں اور چوہوں کے لیے چھوڑ دو۔

۱؎ یعنی وہ عبادات اور اوراد جن کی مزاولت کی ترغیب و تلقین کسی صاحب نعمت کے فیض روحانی سے حاصل ہوئی۔ ایک انوکھی ہی راحت کے مالک ہیں۔

۲؎ اپنی مرضی سے دستگیر ہو کر دوسروں کی مرضی کے تابع ہو جانا۔

(۲) چونکہ حضرت عیسیٰ کی خوراک آسمان میں تیار کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان کے لیے گھر بھی وہیں بنا دیا جاتا ہے (جن کا رزق آسمان سے آئے وہ گھر زمین پر کیوں بنائیں)
(۳) اگر خوراک (ر کھنے) کی خاطر گھر بنائے جائیں تو ایسے گھر بنانے والے چیونٹی اور بھڑ اور مکڑا ہیں (نہ کہ آدمی)

تیرھویں مجلس

اتوار، ماہ محرم کی تین تاریخ، ۷۰۸ھ

قدم بوسی کی دولت میسّر ہوئی۔ طاعتِ الٰہی کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک طاعت لازمی ہے اور ایک متعدی، لازمی طاعت وہ ہے جس کا فائدہ صرف طاعت کرنے والے ہی کے نفس تک رہے اور یہ طاعت ہے۔ نماز، حج، اوراد و وظائف تسبیحات اور انہی کے مانند دوسری چیزیں۔ متعدی طاعت وہ ہے کہ اس سے دوسرے کو منفعت اور راحت پہنچے۔ اتفاقاً خواہ از راہ شفقت پھر جسے یہ راحت پہنچے وہ دوسرے پر لطف و کرم کرے۔ اسے متعدی طاعت کہتے ہیں۔ اس کا ثواب بے حد حساب ہے۔ لازمی طاعت میں اخلاص

ؕ اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

(۵ - ۱۱۴)

(عیسیٰ بن مریم نے کہا۔ اے اللہ ہمارے رب! ہم پر بھرا ہوا خوان آسمان سے اتار اور وہ عید کا دن رہے پہلوں اور پچھلوں کے۔ لیے اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں روزی دے۔ اور تو بہتر رزق دینے والا ہے)

چاہیئے تاکہ وہ قبول ہو۔ البتہ متعدی طاعت جس صورت میں بھی کی جائے۔ اس کا ثواب ملے گا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

چودھویں مجلس

جمعرات، ماہ مذکور کی سات تاریخ۔

قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ وَلایت اور وِلایت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ کے لیے وَلایت اور وِلایت دونوں چاہئیں۔ ولایت یہ ہے کہ جب وہ تائب ہو اور طاعت کرے تو اُسے طاعتوں سے تمام لذت ملے۔ اس حالت میں ممکن ہے کہ شیخ مریدوں کو خدا تک پہنچائے اور انہیں آدابِ طریقت کی تعلیم دے۔ جو معاملہ شیخ اور خلق کے درمیان ہوتا ہے اُسے وَلایت کہتے ہیں۔ البتہ جو معاملہ اس کے اور حق کے درمیان ہوتا ہے وہ وِلایت ہے اور یہ خاص محبت ہے۔ جب شیخ اس دنیا سے رحلت کرتا ہے تو وہ اپنی ولایت اپنے ساتھ لے جاتا ہے لیکن جہاں تک اُس کی وَلایت کا تعلق ہے۔ وہ جسے چاہے اُسے دے دے۔ اور اگر وہ نہ بھی دے تو روا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ خدائے عزوجل (خود) وہ ولایت دوسرے کو دے دیتا ہے۔ البتہ وہ وِلایت جو اس کے پاس ہوتی ہے۔ اُسے وہ وفات پر اپنے ساتھ ہی لے جاتا ہے۔

اس بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ نے ایک مرید کو ایک اور بزرگ کی خدمت میں بھیجا۔ اور ان سے پوچھوایا کہ رات کو سطحِ زمین پر کیا گزری۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ رات کو شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ العزیز مسجد مہنہ میں انتقال فرما گئے۔ پھر بزرگ نے ان کی خدمت میں کسی اور کو بھیجا اور پوچھوایا کہ انہوں نے اپنی ولایت کس کو دی! بزرگ نے جواب میں کہا کہ مجھے اس کی خبر نہیں۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا۔ اس کی

اطلاع میں نے دے دی۔ بعد ازاں ان بزرگ کو معلوم ہوا کہ شیخ ابو سعید ابو الخیر نے اپنی ولایت شمس العارفین[1] علیہ الرحمت والغفران کو دی ہے۔ وہ اسی شب شمس العارفین کے دروازے پر آئے شمس العارفین نے قبل اس کے کہ وہ بزرگ کوئی بات کرتے ان سے کہا کہ خدا تعالیٰ کے کئی شمس العارفین ہیں۔ معلوم نہیں وہ (شیخ ابوسعید ابو الخیر) کس شمس العارفین کو ولایت دے گئے ہیں۔

بعد ازاں آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کا جو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے بھائی تھے۔ ذکر کیا اور فرمایا کہ جب وہ تعلیم و تحصیل کے لیے درس میں گئے تو مدرس نے پوچھا کہ نجیب الدین متوکل تم ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو نجیب الدین متاکل (کھانے والا) ہوں۔ متوکل ہونا کس کے بس میں ہے! پھر مدرس نے پوچھا کہ شیخ الاسلام فرید الدین کے بھائی تم ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں تو برادر صوری ہوں۔ برادر معنوی جانے کون ہوگا۔

پھر اصحاب نعمت کی عطا و بخشش کا جواز اصحاب خدمت[2] کے حق میں کرتے ہیں۔ ذکر چلا۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص صاحب نعمت و فتوت (مروت) تھا۔ وہ کبھی کبھی قاضی عین القضاۃ[3] علیہ الرحمۃ والغفران کی خدمت میں خرچ بھجواتا تھا۔ ایک دفعہ قاضی عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی دوسرے سے کوئی چیز طلب کی اور اس طرح اپنی ضرورت پوری کرلی۔ جب اس شخص نے یہ بات سُنی تو اُسے رنج ہوا، اور قاضی عین القضاۃ کی خدمت میں شکایتاً یہ کہلوا بھیجا کہ کسی دوسرے سے کوئی چیز کیوں لی گئی۔ اور یہ

۱۔ شمس العارفین عبدالواحد غزنی کے ایک ممتاز بزرگ تھے۔ نظام الدین ابو المؤید ان کے مرید تھے۔

۲۔ اولیاء کی دو قسمیں ہیں اولیائے ظاہرین اور اولیائے مستورین۔ اولیائے ظاہرین کے سپرد ہدایت خلق کی خدمت ہوتی ہے یہ ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ خدمت ہدایت ان کو اپنے اظہار پر مجبور کرتی ہے۔
اولیائے مستورین "اصحاب خدمت" ہوتے ہیں۔ ان کے ذمے امورِ تکوین کا انتظام و انصرام ہوتا ہے انہیں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کو رجال الغیب اور مردانِ خدا کہتے ہیں۔

۳۔ وفات ۵۲۵ھ/۱۱۳۰ء مفصل حالات (جلد ۲ مجلس ۳۳)

دولت (سعادت و خدمت) ابھی مجھی کو کیوں نہ بخش گئی ! عین القضاۃ علیہ الرحمۃ نے اُسے لکھا کہ اس ضمن میں رنجیدہ نہ ہوں۔ کسی دوسرے کو بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہو لینے دیں۔ اور ان لوگوں میں سے نہ بنیں جن میں سے ایک نے کہا تھا۔

اللّٰھم ارحمنی و محمداً ولا ترحم معنا احداً[1]

(اے اللہ! مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت فرما۔ اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحمت نہ فرما)

اور نہ ان میں سے بنیں جن میں سے ایک نے یہ کہا تھا۔

اے باغبان بیاد درِ باغ باز کن
چوں من در آیم و بُت من در فراز کن

(اے باغبان آؤ اور باغ کا دروازہ کھولو۔ پھر جب میں اور میرا معشوق اندر آ جائیں، تو دروازہ بند کر دو۔)

اسی دن کاتب الحروف کا بھتیجا میر چھجو مرید ہوا اور بیعت کی اور اس کے بھائی شمس الدین کے سر کے بال منڈوا دیئے گئے۔ اسی روز شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ کے نواسے بھی بیعت ہوئے۔ مولانا برہان الدین غریب[2] سلمہ اللہ تعالیٰ نے تجدید بیعت کی۔ شیخ عثمان سیوستانی نے کلاہ کی درخواست کی اور وہ انہیں مل گئی۔ شمس الدین کو خرقہ عطا ہوا۔ بس یہ دن بڑا باراحت تھا۔ اس موقع پر آپ نے شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، کہ جب وہ شیخ الاسلام قطب الدین روشی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے سر کے بال منڈوائے تو شیخ نے فرمایا۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک بدو نے یہ دعا مانگی تھی۔

[2] آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مریدین کبار میں سے تھے ۶۵۴ھ میں ہانسی میں پیدا ہوئے حضرت خواجہ سے بیعت کرنے کے بعد اس بارگاہ سے متعلق ہو گئے انکے ذمے لنگر خانے کا انتظام و انصرام تھا۔ مرشد کے انتقال کے بعد دکن تشریف لے گئے۔ اور وہاں اٹھائیس انیس سال دولت آباد میں گزار کر ۷۳۸ھ میں وفات پائی۔ مزار خلد آباد میں ہے۔

بحقیقت چراغ کشتہ شود
چوں بروں رفت از سرش روغن
(در حقیقت جب چراغ کے سر سے تیل نکل جائے تو وہ بجھ کر رہ جاتا ہے)

پندرھویں مجلس

بدھ وار، ماہ جمادی الاول کی چھ تاریخ، سنۂ مذکور

میں خضر آباد کی چھاؤنی سے آکے حاضر ہوا اور قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ مردانِ غیب کے بارے میں سلسلہ گفتگو چلا کہ وہ جسے قابل دیکھتے اور طاعت و مجاہدہ میں عالی ہمت پاتے ہیں، اُسے اُٹھائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ بدایوں (ہندوستان کے صوبہ یوپی کا مشہور شہر) میں نصیر نام کا ایک نوجوان تھا میں نے اس سے سُنا۔ وہ کہتا تھا کہ میرے والد واصلین حق میں سے تھے۔ ایک رات دروازے کے باہر سے انہیں آواز دی گئی۔ وہ باہر گئے۔ ہم نے اندر سے السلام علیکم و علیکم السلام سُنا۔ پھر ہم نے اس قدر سُنا کہ ہمارے والد کہہ رہے تھے کہ میں بچوں اور گھر والوں کو الوداع کہہ لوں۔ انہوں نے کہا اتنی فرصت نہیں اس کے بعد ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ وہ لوگ اور ہمارے والد کہاں ہیں۔

اس باب میں آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی[1] رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا، فرمایا انہوں نے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ہمارے عہد میں ایک نوجوان تھا۔ جسے قزوینی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] ولادت ۵۴۲ھ / وفات ۶۳۲ھ۔ مزار بغداد شریف میں ہے۔ آپ کی تصنیف "عوارف المعارف" بہت مشہور ہے۔

کہتے تھے۔ اس کے گھر میں مردان غیب جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ نماز کے وقت لوگ قطاروں میں کھڑے ہو جاتے اور مردان غیب میں سے کوئی ایک نماز کی امامت کرتا۔ لوگ بلند قرأت، تسبیحات اور دوسری باتیں جو شامل نماز ہیں سنتے لیکن امامت کرنے والے کو نہ دیکھتے۔ اُسے صرف وہ نوجوان قزوینی ہی دیکھتا۔ شیخ شہاب الدین فرماتے تھے کہ ان مردان غیب جن سے ایک نے اس قزوینی کے ہاتھ میرے لیے ایک مہرہ (منکا) بھیجا اور وہ مہرہ اب تک میرے پاس ہے۔

اسی ضمن میں حضرت خواجہ نے ایک حکایت بیان کی، فرمایا۔ ایک شخص تھے جن کا نام علی تھا۔ جب بھی مردانِ غیب ان کے حجرہ کے دروازے پر آتے "السلام علیکم" کہتے۔ خواجہ علی یہ آواز سنتے۔ پھر کئی بار ایسا ہوا۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ سب آتے اور کہا: سلام علیک اے خواجہ علی! خواجہ علی نے سلام کا جواب دیا اور کہا اے مردانِ غیب! اسی طرح سلام کہتے رہو گے، اسی طرح آواز دیتے رہو گے اور اپنے آپ کو کبھی ظاہر نہ کرو گے! خواجہ علی کے یہ کہنے کے بعد پھر انہوں نے جو یہ بات کہی تھی کیا اس میں گستاخی کا عمل دخل تھا؟ فرمایا بے شک وہ ذرا چوڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا اس دولت کو بھی کھو بیٹھے۔ (جو میسّر تھی)

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ مردان غیب پہلے آواز دیتے ہیں اور بات سنواتے ہیں اس کے بعد ملاقات کرتے ہیں۔ پھر اڑائے جاتے ہیں۔ یہ ذکر کرنے کے بعد آخر میں آپ نے فرمایا معلوم نہیں وہ کون سا باراحت مقام ہوگا جہاں وہ ایسے آدمی کو لے جاتے ہیں۔

سولہویں مجلس

سوموار، ماہ مذکور کی انیس تاریخ

قدم بوسی کی سعادت میسّر ہوئی۔ سلوک کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا اس راہ پر چلنے والے کا رُخ کمال کی طرف ہوتا ہے یعنی سالک جب تک راہ سلوک پر گامزن رہتا ہے، کمالیت کا امیدوار

رہتا ہے۔

بعد ازاں فرمایا۔ ایک ہوتا ہے سالک، ایک واقف، ایک راجع۔ سالک وہ ہے۔ جو راہ پر چلتا جائے، واقف وہ ہے جو کہیں ٹھہر جائے۔ بندہ نے عرض کیا کہ سالک بھی ٹھہر جاتا ہے ؟ فرمایا۔ ہاں یہ اس وقت ہوتا ہے جب سالک کی طاعت میں فتور واقع ہو۔ اس لئے کہ اگر سالک میں ذوق طاعت نہ رہے۔ تو اس کے یہاں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اگر وہ ذوق طاعت جلد پالے اور اس کی توبہ قبول ہو جائے تو پھر وہ راہ سلوک پر چل پڑتا ہے۔ لیکن اگر وہ عیاذًا باللہ اسی ٹھہراؤ اور وقفے کے مقام پر رہے تو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ راجع ہو جائے (یعنی انحطاط شروع ہو جائے اور وہ جس منزل سے چلا تھا اس کی جانب واپس ہونے لگے)۔

اس کے بعد آپ نے راہِ سلوک کی لغزشوں کی سات قسمیں بتائیں۔ اعراض، حجاب تفاصل، سلب مزید، سلب قدیم، تسلی، عداوت، آپ نے ان میں سے ہر قسم کو تمثیل و تفصیل سے واضح فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ دو دوست ہوتے ہیں، عاشق و معشوق ایک دوسرے کی محبت میں مستغرق، اس دوران میں اگر عاشق سے کوئی ایسی حرکت یا سکنت یا قول یا فعل سرزد ہوتا ہے جسے اس کا دوست پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا وہ دوست اس سے اعراض کر لیتا ہے یعنی اس سے منہ موڑ لیتا ہے اس وقت عاشق کے لیے لازم ہے کہ فوراً معافی مانگے اور معذرت کرے یقیناً اس کا دوست اس سے راضی ہو جائے گا۔ اور وہ تھوڑا سا اعراض جو پیدا ہو گیا تھا ختم ہو جائے گا۔

اگر عاشق اپنی اس خطا پر ضد کے ساتھ قائم رہتا ہے اور معذرت نہیں کرتا تو یہ اعراض حجاب کی صورت اختیار کرے گا! اور معشوق اپنے اور عاشق کے درمیان ایک حجاب یعنی پردہ کھڑا کرے گا۔ جب حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ حجاب کی تمثیل دیتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو آپ نے اپنا ہاتھ اونچا کیا اور اپنی آستین اپنے چہرۂ مبارک کے سامنے کر لی اور فرمایا کہ مثلاً محبّ و محبوب یعنی عاشق و معشوق کے درمیان اس طرح حجاب اور پردہ واقع ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں محب کے لیے ضروری ہے کہ وہ محبوب سے معذرت چاہے اور توبہ کرے۔ اس بارے میں اگر وہ سستی اور سہل انگاری کرتا ہے تو یہ حجاب تفاصل میں بدل جائے گا۔

یعنی یہ ہوگا کہ وہ دوست اس سے جدائی اختیار کرے گا۔ پس شروع میں اعراض سے زیادہ کچھ نہ تھا جب خطا پر معذرت نہ کی، اعراض نے حجاب کی شکل اختیار کر لی۔ اور جب وہ اس ناپسندیدہ حرکت پر اڑا رہا تو حجاب تغافل بن گیا۔ پھر اگر وہ دوست اس پر بھی معذرت نہیں کرتا تو سلب مزید ہوگا۔ یعنی وہ مزید لذت جو اُسے اوراد و وظائف، ذوقِ طاعت و عبادت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں میں ملتی ہے۔ اس سے چھین لی جائے گی۔

پھر اگر وہ اس پر بھی معذرت نہیں کرتا۔ اور اُسی شیخی پر مصر رہتا ہے تو سلب مزید، سلب قدیم میں بدل جائے گا۔ اور سلب مزید سے پہلے اُسے جو طاعت وراحت حاصل تھی۔ وہ بھی اس سے چھین لی جائے گی۔ پس اگر اس جگہ بھی توبہ میں تقصیر ہوئی تو اس کے بعد یہ صورت تسلی بن جائے گی۔ تسلی کیا ہے! یعنی اس کے دوست کا دل اسے اس کی جدائی پر مطمئن کرے گا۔ پھر اس مرحلے پر بھی معذرت میں سستی ہوگئی تو عداوت پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ محبت جو پہلے کبھی تھی عداوت میں بدل جائے گی۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

ستر ھویں مجلس

سوموار، ماہ مذکور کی پچیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ خلق کو کھانا کھلانا بڑی اچھی بات ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ خواجہ علی پسر خواجہ بزرگ شیخ رکن الدین چشتی — اللہ اُن سب کی عاقبت بخیر کرے۔ تاتاری کافروں کی چڑھائی کے موقع پر گرفتار ہو گئے۔ انہیں چنگیز خاں[1]

---

[1] پیدائش ۱۱۵۵ء۔ وفات ۱۲۲۷ء

کے سامنے لے جایا گیا۔ آپ کے خانوادۂ طریقت کے مریدوں میں سے ایک شخص وہاں موجود تھا۔ اور وہاں وہ اثر و رسوخ بھی رکھتا تھا جب اس نے خواجہ علی کو اسیر دیکھا تو حیران رہ گیا اس نے اپنے دل میں سوچا کہ ان کی رہائی کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ اور میں ان کا چنگیز خاں کے سامنے کس طرح ذکر کروں! اگر میں کہوں کہ یہ اصحاب کرامات اور اہل فضیلت کے خاندان سے ہیں۔ تو وہ کیا سمجھے گا۔ اور اگر میں ان کی اطاعت و عبادت الٰہی کا ذکر کروں تو یہ چیز بھی موثر نہیں ہوگی الغرض کافی سوچ بچار کے بعد وہ چنگیز خاں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس شخص کا باپ ایک بزرگ آدمی تھا۔ اور وہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اُسے رہا کر دینا چاہیئے۔ چنگیز خاں نے پوچھا کہ وہ اپنے لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا یا بیگانوں کو! اُس آدمی نے کہا بیگانوں کو۔ اپنے لوگوں کو تو ہر شخص کھانا کھلاتا ہے۔ اس شخص کا باپ بیگانوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ چنگیز خاں اس بات سے بہت خوش ہوا! ور کہا کہ وہ شخص کتنا اچھا تھا جو بیگانوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ پس اسی وقت حکم دیا کہ انہیں رہا کر دیا جائے۔ چنگیز خاں نے انہیں خلعت بھی دی اور اُن سے معذرت بھی کی۔

یہ ارشاد فرمانے کے بعد حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ کہا کہ کھانا کھلانا تمام مذاہب میں پسندیدہ فعل ہے۔

بعد ازاں "خطرہ" (خیال)، عزیمت اور فعل کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اوّل "خطرہ" ہے۔ یعنی پہلے کوئی خیال آدمی کے دل میں گزرتا ہے۔ پھر عزیمت ہے۔ یعنی وہ خیال دل کو بھا جاتا ہے۔ بعد ازاں فعل آتا ہے یعنی وہ عزیمت کو فعل سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ عوام سے جب تک کوئی فعل سرزد نہ ہو ان کی گرفت نہیں ہوتی۔ لیکن خواص تو "خطرے" پر بھی پکڑ لیے جاتے ہیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہیں کیونکہ "خطرہ" عزیمت اور فعل سب کے سب خدا کے پیدا کئے ہوتے ہیں۔ اور ہر حال میں خدا کی پناہ ڈھونڈنی چاہیئے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا: شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ کوئی "خطرہ" میرے دل میں ایسا نہیں گزرا کہ مجھ پر اس کے فعل کی تہمت نہ عاید کی گئی ہو۔ اگرچہ میں

نے ہرگز وہ فعل کیا ہو۔ ایک دفعہ ایک کامل اور صادق درویش ان کی خانقاہ میں آیا۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر نے علم و معرفت میں اس کا کمال دیکھا اور جان لیا کہ وہ کیسا مرد ہے۔ افطار کے وقت انہوں نے اپنی بیٹی سے فرمایا کہ وہ اس درویش کے پاس پانی کا کوزہ لے جائے بیٹی اگرچہ چھوٹی عمر کی تھی اس کے باوجود وہ پورے ادب اور احترام کے ساتھ درویش کے سامنے پانی لے گئی۔ شیخ کو اپنی بیٹی کا یہ مودبانہ طریقہ بہت پسند آیا اور ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کون سا وہ نیک بخت بندہ ہوگا۔ جس کے حبالۂ نکاح میں یہ لڑکی جائے گی۔ جس وقت شیخ کے دل میں یہ خیال گزرا تھا۔ اسی وقت انہوں نے مؤذن حسن کو کہ آپ کی خانقاہ کا خادم تھا، بازار بھیجا اور کہا کہ جاؤ خبر لاؤ شہر میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ مؤذن حسن بازار گیا اور واپس آکر شیخ سے کہا کہ میں نے آج بازار میں ایک بات سنی ہے کہ کسی کان کو اس کے سننے کی طاقت نہیں۔ شیخ نے فرمایا کہو مؤذن حسن کہنے لگا کہ وہ بات میری زبان پر نہیں آپاتی۔ شیخ نے حکم دیا کہ جو کچھ تم نے سنا ہے۔ اسے کہو۔ مؤذن حسن نے کہا کہ بازار میں ایک آدمی دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ شیخ ابو سعید چاہتے ہیں کہ اپنی بیٹی کو خود اپنے حبالۂ نکاح میں لے آئیں۔ شیخ مسکرائے اور کہا کہ میرے دل میں جو خیال گزرا تھا۔ اسی پر میرا مواخذہ ہو رہا ہے۔

جب حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت تمام کی، بندہ نے عرض کیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر اپنے عہد میں نیک بخت ترین بزرگ تھے، آپ نے فرمایا یقیناً خاکسار کی اس بات کو آپ نے پسند کیا۔

اس کے بعد توبہ پر قائم رہنے کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا اگر ایک شخص شراب پینے سے توبہ کرتا ہے۔ تو یقیناً اس کے پہلے دوست اور ساتھی اس ضمن میں اس کی مزاحمت کرتے ہیں اور ایسی جگہ پر جہاں ان سب کو شراب پینے میں لذت ملی تھی۔ اسے شراب پینے کے لیے بلاتے ہیں۔ اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ وہ پھر شراب پیئے۔ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب خود اس کے اپنے دل میں شراب کی جانب تھوڑا بہت میلان ابھی باقی ہو۔ اگر شراب سے توبہ کرنے والا اپنے دل کو اس طرح کے خیالات سے کلی طور پر

پاک کر لیتا ہے تو اس کا کوئی دوست اور ساتھی اس ضمن میں اس کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ اس کی توبہ کی سچائی کی دلیل اس کے سابق دوستوں اور ساتھیوں کا اس سے پوری طرح الگ ہو جانا ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا لوگ جس شخص کا ذکر اُسے عاصی و فاسق کہہ کے کریں تو یہ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے کہ اس کے دل میں کسی قدر اس فسق و معصیت کی طرف میلان موجود ہو، البتہ جب توبہ کرنے والا اپنے دل کو تمام ناشائستہ باتوں سے ہٹا لیتا ہے۔ تو پھر کوئی شخص بھی اس کو مجرم اور گنہگار کہہ کے یاد نہیں کرتا۔ یہ ہیں وہ معانی جو توبہ کی استقامت پر وال ہیں۔ یعنی جب تک تائب اپنی توبہ میں استقامت بحال رکھتا ہے۔ اس وقت تک نہ تو اُسے کوئی شخص معصیت سے منسوب کر کے یاد کرتا ہے۔ اور نہ فسق کے سلسلے میں اس کا نام زبانوں پر آتا ہے۔ البتہ اگر وہ خود اس گناہ اور اس معصیت کی طرف مائل ہے تو یقیناً لوگ اُسے اس طرف لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور زبانوں پر بھی اس کا ذکر فسق و فجور کے حوالے سے لاتے ہیں۔

پھر حیدر زادہ[1] علیہ الرحمۃ کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ ترک زادہ تھا اور صاحب حال درویش۔ جب چنگیز خاں فوجیں لے کر نکلا تو اس کی کافر افواج نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ اُن دنوں حیدر زادہ نے ایک دن اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مغلوں سے دور بھاگو کیونکہ وہ غالب آ کر رہیں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیوں! اس نے کہا کہ وہ اپنے ساتھ ایک درویش کو لا رہے ہیں۔ اور وہ اسی درویش کی پناہ میں آ رہے ہیں۔ میں نے خفیہ طور پر اس درویش سے کشتی لڑی ہے اور اس نے مجھے پچھاڑ دیا ہے۔

اب حقیقت یہ ہے کہ مغل غالب آ جائیں گے پس تم بھاگ جاؤ بعد ازاں وہ خود غار میں چلا گیا اور لاپتہ ہو گیا۔ مگر آخر کار ہوا وہی کچھ جو اس نے کہا تھا۔

جب یہ حکایت بیان ہو چکی تو بندہ نے عرض کیا کہ یہ گروہ جس کے افراد اپنی گردنوں اور ہاتھوں

---

[1] پورا نام شیخ قطب الدین حیدر تھا۔ وہ ایک ترک تھے۔ سن وفات ۵۹۷ھ / ۱۲۰۰ء ہے۔ ان کا مزار شرقی خراسان میں ہے۔

میں لوہے کا طوق اور کڑے پہنتے ہیں انہی حیدر زادہ کے متبع تو نہیں! آپ نے فرمایا ہاں بات یہ ہے کہ حیدر زادہ پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ وہ اس عالم میں تپے ہوئے لوہے کو پکڑتے اور خود اپنے ہاتھ سے کبھی اس سے گردن کے طوق اور کبھی ہاتھ کے کڑے بنا لیتے۔ لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ گروہ اپنی گردنوں اور ہاتھوں میں طوق اور کڑے تو ڈالتا ہے لیکن ان میں حیدر زادہ کی وہ حالت وکیفیت کہاں؟

پھر تھوڑی دیر یہ گفتگو رہی کہ درویش کی اصل زندگی یہ ہے کہ وہ ذکر حق میں مشغول رہے۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جنہیں خواجہ میر گرامی کہتے تھے ایک درویش کو یہ آرزو ہوئی کہ وہ ان کی زیارت کو جائے۔ اس درویش کی یہ کرامت تھی کہ جو بھی خواب وہ دیکھتا وہ صحیح ہوتا اور اس خواب کی تعبیر من وعن وہی ہوتی جو اس نے خواب میں دیکھا ہوتا۔ الغرض جب اس درویش پر ان بزرگ کی زیارت کا شوق غالب آیا تو وہ اس طرف چل پڑا جدھر خواجہ میر گرامی رہتے تھے راستے میں درویش نے ایک جگہ منزل کی اور وہاں سو گیا۔ سوتے میں اس نے سنا کہ خواجہ میر گرامی وفات پا گئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ درویش اٹھا اور کہنے لگا افسوس! ان کی ملاقات کی آرزو میں اتنا راستہ طے کیا اور ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب کیا کیا جائے۔ خیر اس جگہ چلتا ہوں جہاں وہ تھے اور ان کی قبر کی زیارت کرتا ہوں۔ جب وہ درویش اس جگہ پہنچا جہاں میر گرامی رہتے تھے تو اس نے لوگوں سے پوچھا ان کی قبر کہاں ہے! سب نے کہا وہ تو زندہ ہیں ان کی قبر کا کیا پوچھتے ہو یہ درویش حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ میرا خواب کیونکر جھوٹا ہو گیا۔ غرض وہ خواجہ میر گرامی کی خدمت میں پہنچا۔ اور انہیں سلام کیا۔ خواجہ میر گرامی نے سلام کا جواب دیا اور کہا، اے خواجہ! تمہارا خواب معناً صحیح تھا۔ میں برابر یاد خدا میں مشغول رہتا ہوں۔ اس رات میں غیر خدا میں مشغول ہو گیا تھا۔ اس لیے دنیا جہاں میں یہ صدا دے دی گئی کہ خواجہ میر گرامی کا انتقال ہو گیا ہے۔ واللہ اعلم

اٹھارہویں مجلس

جمعرات، سنہ مذکور ماہ جمادی الاُخریٰ کی تیرہ تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ روزوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی آپ نے فرمایا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے البتہ یہ معلوم نہیں کہ وہ تین دن کون سے ہیں! بعدازاں فرمایا کہ درویش کے آداب یہ ہیں کہ سال کی ایک تہائی کا عرصہ روزے رکھے جائیں۔ یعنی سال میں چار ماہ روزے رکھے جائیں۔ اس کے بعد فرمایا ان کی تقسیم یوں کی گئی ہے تین ماہ مسلسل روزے رکھے جائیں، پھر محرم کے دس، ذی الحجہ کے دس اور دوسرے متبرک دنوں میں سے دس دن روزے رکھیں۔ اس طرح سال کی ایک تہائی یعنی چار مہینے کے روزے ہو جاتے ہیں۔ بعدازاں فرمایا کہ ان روزوں کو ایک اور طرح بھی تقسیم کیا گیا ہے اور وہ یوں کہ ہر ہفتے میں دو دن روزہ رکھا جائے یعنی پیر اور جمعرات کو اس طرح بھی تہائی سال بن جاتا ہے۔

پھر صائم الدھر[۱] کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

مَنْ صَامَ الدھر لا صَام ولا افطر۔

(جس نے ہمیشہ اور لگاتار روزہ رکھا اس نے گویا نہ کبھی روزہ رکھا اور نہ کبھی افطار کیا۔)

اور آپؐ کی ایک حدیث میں آتا ہے:۔

مَنْ صَامَ الدَّھْرَ ضُیِّقَتْ عَلَیْہِ جَھَنَّمُ وعقد تسعین۔

(جس نے ہمیشہ اور لگاتار روزہ رکھا۔ اس پر دوزخ تنگ ہوگا (یہ فرما کر) آپؐ نے انگلیوں سے ۹۰ کا عدد بنایا)

---

[۱] وہ شخص جو ہمیشہ روزے رکھے۔

اب ان دو حدیثوں میں تطبیق کیسے ہو گی ! جس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ "جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے گویا نہ تو کبھی روزہ رکھا اور نہ کبھی افطار کیا"۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے برابر روزے رکھے اور دو عیدوں ، عیدالضحیٰ کے بعد کے تین دنوں (ایام تشریق) میں بھی روزے رکھے تو وہ اس شخص کی طرح ہے ۔ جس نے نہ کبھی روزہ رکھا اور نہ افطار کیا ۔ اور جس نے ہمیشہ روزہ رکھا لیکن ان پانچ دنوں میں روزہ نہیں رکھا اس پر دوزخ تنگ ہو گا ۔ آپؐ نے اپنی انگلیوں سے نوے کا عدد بنایا یعنی دوزخ میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو گی ۔ جیسے نوے کے عدد کی شکل کے درمیان کوئی جگہ نہیں ہوتی ۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرمایا : جو شخص برابر روزے رکھتا ہے ، روزہ رکھنا اس کی عادت بن جاتا ہے اور روزے کی تکلیف اس پر آسان بن جاتی ہے ۔ اس روزے کے مقابلے میں اس روزے کا ثواب زیادہ ہو گا ۔ جس کا رکھنا روزے دار کے نفس کے لیے زیادہ مشکل ہو ۔ اس روزے کو روزۂ داؤدی کہتے ہیں کہ روزہ دار ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن ناغہ کرے ۔

انیسویں مجلس

بدھ وار ، ماہ مذکور کی اُنیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی ۔ جیسے ہی بندہ نے زمین بوسی کی ، فرمایا : ظہر کی نماز کے بعد دس رکعتیں نماز پڑھو اور ان میں پانچ بار سلام کہو ان دس رکعتوں میں آخرِ قرآن کی دس سورتیں پڑھو ۔ اس کے بعد فرمایا اس نماز کو نمازِ خضر کہتے ہیں ۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ نماز حضرت بزرگ خضر علیہ السلام کی ہے ۔ جو شخص اس نماز کو برابر پڑھے گا اس کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گی ۔

بعدازاں آپ نے مسنون نمازوں میں جو سورتیں پڑھی جائیں ان کا تعین فرمایا۔ صبح کی نماز کی سنتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ الم نشرح اور سورۂ الم ترکیف۔ نماز ظہر کی چار سنتوں میں سورۂ قل یاایھا الکافرون سے قل ہو اللہ احد تک، نماز ظہر کی دو رکعت سنتوں میں آیت الکرسی اور اٰمن الرسول، عصر کی نماز کی سنتوں میں اذا زلزلت الارض سے اَلھٰکم التکاثر تک۔ نماز مغرب کی سنتوں میں سورۂ الکافرون، سورۂ الاخلاص۔ عشا کی نماز کی سنتوں میں اٰیۃ الکرسی، اٰمن الرسول، شَھِدَاللّٰہُ اور قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ۔ نماز عشا کی دو رکعت سنتوں میں قُلْ یٰاَیُّھَا الکافرون، سورۂ الاخلاص اور نماز وتر میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ، سورۂ الکافرون اور سورۂ الاخلاص۔

بیسویں مجلس

جمعرات — ماہ مذکور کی ستائیس تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ صبر جمیل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اور یہ کہ جو لوگ اپنے عزیزوں کی وفات پر صبر کرتے ہیں وہ بہت اچھا کام کرتے ہیں بخلاف اس کے کہ مرنے والوں پہ جزع و فزع کریں اور ان کا نام لے کر بین کریں یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی۔

اس سلسلے میں آپ نے فرمایا: کہتے ہیں کہ بقراط کے بیس بیٹے تھے، ایک ہی دن میں بیس کے بیس وفات پا گئے۔ شاید ان پر چھت آن پڑی تھی۔ اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے تھے۔ جب لوگوں نے یہ خبر بقراط کو پہنچائی تو اس نے تھوڑا بہت بھی اپنے مزاج کو متغیر نہ ہونے دیا۔

اس مفہوم و معنی کی مناسبت سے آپ نے فرمایا: مجنوں کو لوگوں نے خبر دی کہ لیلیٰ مر گئی ہے اس نے کہا جرمانہ مجھ پر ہونا چاہیئے کہ اس کو دوست ہی کیوں بنایا جو مر جاتا ہے۔

اس کے بعد جو رات آئی وہ جمعہ کی رات تھی، ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

اور اس نے بیعت کی۔ آپ نے عورتوں کی صلاحیت کار کے اچھے نتائج کا تفصیل سے ذکر کیا اور اس سلسلے میں فرمایا کہ اندرپت میں ایک عورت تھی۔ جسے فاطمہ کہتے تھے وہ عفت وصلاحیت میں بڑے اونچے درجے پر فائز تھی۔ چنانچہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان مبارک سے بارہا یہ ارشاد ہوا، یہ عورت مرد ہے اور اسے عورتوں کی صورت میں بھیجا گیا ہے۔

بعدازاں فرمایا کہ درویش یوں دعا کرتے رہیں: "بحرمت نیک زنان و نیک مرداں"۔ اس میں وہ پہلے "نیک زنان" کا ذکر کرتے ہیں اس لیے کہ نیک عورتیں (نیک زنان، نادر یعنی کم ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جب شیر جنگل سے باہر آتا ہے کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ شیر نر ہے یا مادہ۔ یعنی فرزند آدم کو طاعت وتقویٰ میں مصروف ہونا چاہیئے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ پھر آپ نے پارسا لوگوں کی فضیلت اور ان کے بیان میں یہ دو مصرعے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائے۔

گر نیک آیم مرا ازیشاں گیرند
ور بد باشم مرا بدیشاں بخشند

(اگر میں نیک ہوں تو مجھے ان میں شمار کر لیا جائے اور اگر بُرا ہوں تو مجھے اُنکے صدقے بخش دیا جائے)

اکّیسویں مجلس

ہفتہ، سنہ مذکور ماہِ رجب مبارک کی دس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ آپ نے بندہ سے استفسار فرمایا کہ تمہارا اٹھنا بیٹھنا زیادہ ترکن لوگوں کے پاس ہے؟ بندہ نے آپ ہی کے بعض یارانِ بزرگ کا نام لیا۔ عرض کیا کہ ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ آپ نے تعریف فرمائی اور زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد کیا۔

با عاشقان نشین وغمِ عاشقی گزین
باہرکہ نیست عاشق کم شو باد ترین

(عاشقوں کے پاس بیٹھو اور غم عاشقی اختیار کرو، جو عاشق نہیں اس کے ساتھ یارانہ کم ہی رکھو۔)

آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا: بعد ازاں بتایا کہ یہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا کہا ہوا ہے۔ اس کے بعد کہا کہ مشائخ کا طریقہ یہی ہے کہ جب وہ کسی کے حال سے باخبر ہونا چاہتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ وہ کن لوگوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس گروہ میں سے ہے۔

پھر لیلۃ الرغائب[۱] کی فضیلت پر گفتگو ہوئی فرمایا کہ رغائب جمع ہے رغیب[۲] کی۔ اور رغیب کے معنی ہیں مرغوب چیز لیلۃ الرغائب سے مراد یہ ہے کہ اس رات میں بہت سی مرغوب چیزیں ہوتی ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ لیلۃ الرغائب میں جو نماز پڑھنی چاہیئے۔ جو شخص اُسے پڑھتا ہے وہ اس سال نہیں مرتا۔ بعد ازاں فرمایا کہ ایک شخص یہ نماز برابر پڑھتا تھا۔ جس سال اس کی وفات ہونی تھی۔ وہ سال جب پورا ہوگیا تو اس کی آخری رات میں جسے لیلۃ الرغائب ہونا تھا اس کی وفات عمل میں آئی اس نے وہ پورا سال بسر نہ کیا۔

پھر حضرت خواجہ اویس قرنی[۳] رضی اللہ عنہ کی نماز کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ یہ نماز ماہ رجب کی تیسری، چوتھی، پانچویں تاریخ کو ہوتی ہے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ رجب کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے بارے میں بھی روایت کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ ایک روایت میں یہ نماز رجب کی تیئسویں، چوبیسویں اور پچیسویں میں بھی بتائی گئی ہے۔

۱۔ ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو لیلۃ الرغائب کہا جاتا ہے۔

۲۔ اصولاً رغائب کو رغیبہ کی جمع ہونا چاہیئے۔

۳۔ روایت ہے کہ یہ بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے۔ لیکن آپ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔

بعدازاں اس نماز کی فضیلت پر آپ نے بہت زور دیا۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ مدرسۂ معزیؔ[1] میں ایک صاحب علم بزرگ تھے جنہیں مولانا زین الدین کہتے تھے۔ وہ ایسے صاحب علم تھے کہ جو مسئلہ ان سے پوچھا جاتا۔ وہ اس کا جواب شافی دیتے۔ وہ بحث و مباحثہ میں عالمانہ گفتگو کرتے تھے۔ لوگوں نے ان کی تعلیم کے متعلق معلوم کیا تو وہ کہنے لگے کہ نہ میں نے کچھ پڑھا ہے اور نہ کسی کی شاگردی کی ہے ہاں جب میں بڑا ہوا تو ایک دفعہ نماز خواجہ اویس قرنی ادا کی اور دعا کی کہ اے اللہ! میں بڑی عمر کو پہنچ گیا ہوں اور میں نے کچھ نہیں پڑھا۔ مجھے علم عطا کر۔ حق تعالیٰ نے اس نماز کی برکت سے مجھ پر علم کا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ جس مسئلے پر گفتگو ہوتی ہے۔ میں اس کی بڑی اچھی شرح کر دیتا اور اُسے ٹھیک طرح بیان کر دیتا ہوں۔

بعدازاں فرمایا کہ ماہ رجب کے آخر میں درازئ عمر کے لیے ایک اور نماز پڑھنے کی بھی روایت ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد کیا کہ شیخ بدرالدینؒ[2] غزنوی علیہ الرحمۃ والغفران برابر یہ نماز پڑھا کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے شیخ ضیاء الدین پانی پتی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے شیخ نظام الدین سے سنا ہے کہ جس سال شیخ بدرالدین غزنوی علیہ الرحمۃ والغفران کی وفات ہوئی۔ اس سال انہوں نے یہ نماز نہیں پڑھی تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ اس سال آپ نے یہ نماز کیوں نہیں پڑھی! فرمانے لگے کہ میری عمر میں سے کچھ باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اس سال ان کا انتقال ہو گیا۔

---

[1] سلطان التمش نے دہلی میں مدرسہ معزیؔ قائم کیا تھا۔ اس کا نام معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کے نام سے معزی رکھا گیا تھا۔ شہاب الدین غوری سنہ ۱۱۹۲ء میں دہلی کو فتح کیا۔

[2] شیخ بدرالدین غزنوی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ اپنے عہد کے ایک مشہور شاعر اور صاحب تاثیر واعظ تھے۔ سلطان التمشؒ ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔

بائیسویں مجلس

منگل وار سال مذکور ماہ رجب کی تیئس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی، کعبہ[1] اس کی آبادی اور ویرانی کا ذکر ہو رہا تھا، فرمایا۔ کعبہ کو دوبار ویران کیا جا چکا ہے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ کعبہ کو لوگ دو بارہ خراب اور ویران کریں گے۔ تیسری بار اُسے ارباب قضا و قدر آسمان پر لے جائیں گے یہ آخری زمانے میں ہوگا اس کے بعد قیامت آئے گی اور ہوگا یوں کہ جب قیامت نزدیک آئے گی تو لوگ بتوں کو لاکر کعبے میں رکھیں گے ایک قبیلہ جس کا نام ادشش ہوگا عورتیں لائیں گے اور وہ بتوں کے سامنے ناچیں گی۔ اس وقت کعبہ کو آسمان پر لے جایا جائے گا۔

تیئسویں مجلس

ہفتہ سنہ مذکور ماہ شعبان کی گیارہ تاریخ[2]

سعادت قدم بوسی میسر ہوئی۔ بندہ کو آپ نے اپنے سامنے طلب کیا اور فرمایا۔ طاعت و عبادت میں برابر مشغول رہو اور اوراد و وظائف اور دعاؤں میں پوری کوشش کرو اگر کتب مشائخ کا مطالعہ کر سکو تو اس میں مشغول ہو جاؤ، بیکار نہ رہو۔ اس وقت مجھے اپنی خاص مہربانی سے مشرف فرمایا اور کلاہ اور عبا عطا فرمائی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ا؎ ایک نسخۂ کتاب میں رادسی ہے۔
۲؎ ایک نسخہ میں ہفتہ گیارہ تاریخ کی بجائے بدھ پندرہ تاریخ ہے۔

چوبیسویں مجلس

ہفتہ، ماہ مذکور کی پچیس ۲۵ تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ قرآن کی تلاوت کرنے اور قیام شب ارات کی عبادت کے لیے جاگنے، کا ذکر ہو رہا تھا۔ نیز اس گروہ کا ذکر ہو رہا تھا جو مسجد میں قیام شب کرتے ہیں بندہ نے عرض کیا کہ اگر وہ اپنے گھر پر قیام شب کریں تو یہ کیسا رہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ گھر پر قرآن کا ایک پارہ پڑھیں تو یہ بہتر ہے کہ وہ مسجد میں پورا قرآن ختم کریں۔ بعد ازاں ایک آدمی کا ذکر ہوا کہ وہ ایام سابق میں مسجد دمشق میں ہمیشہ شب بیدار رہتا تھا اور ہر رات قیام کرتا تھا۔ یعنی رات بھر عبادت کے لیے جاگتا تھا تاکہ اُسے شیخ الاسلامی کا منصب مل جائے یہ سن کر حضرت خواجہ اللہ ان کا ذکر بھلائی سے کرے ـــــ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: پہلے شیخ الاسلامی کو آگ لگاؤ پھر خانقاہ کو اور بعد میں خود کو۔

اسی دوران میں آپ نے فرمایا: ایک بقال تھے، ان پر اللہ کی رحمت ہو۔ وہ پچیس برس روزے سے رہے اور کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کے گھر والوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ روزے سے ہیں۔ اگر وہ گھر میں ہوتے تو یوں ظاہر کرتے کہ دکان میں انہوں نے کچھ کھایا ہے اور اگر دکان میں ہوتے تو یوں ظاہر کرتے کہ گھر پر انہوں نے کچھ کھایا ہے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا: دراصل صالح نیت درکار ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کی نظر تو عمل پر ہوتی ہے البتہ خدا تعالیٰ کی نظر نیت پر ہوتی ہے اگر نیت خدا کے لیے ہے تو تھوڑا سا عمل بھی پسندیدہ ہوتا ہے۔

اس باب میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ دمشق کی جامع مسجد کے بہت سے اوقاف

ہیں۔ اس جگہ کا متولی بڑا ہی آسودہ حال ہوتا ہے یوں کہیئے کہ وہ دوسرا بادشاہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر بادشاہ کو مالی ضرورت ہوتی تو وہ متولی سے قرض لیتا۔ ایک درویش نے ان اوقاف کے لالچ میں جامع مسجد دمشق میں طاعت و عبادت شروع کر دی کہ اس طرح وہ شہرت حاصل کرے گا اور اُسے اوقاف کی تولیت دے دی جائے گی۔ ایک مدّت تک وہ طاعت و عبادت میں مشغول رہا۔ اور کسی کی زبان پر اس کا نام نہ آیا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ وہ اس ریاکاری کی طاعت سے شرمندہ ہوا اور اس نے خدا تعالیٰ سے عہد کیا کہ اب میں تمہاری صرف تمہارے لیے عبادت کروں گا۔ اس منصب کے لیے نہیں۔ یہ عہد کر کے بھی اس طاعت میں جو وہ کیا کرتا تھا کوئی کمی نہ کی، اور صالح نیت سے اس میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران میں اُسے اسی منصب تولیت اوقاف کے لیے طلب کیا گیا۔ اس نے انکار کر دیا اور کہا، میں نے اس سے ترک تعلق کر لیا ہے میں نے اس کو بہت طلب کیا۔ اب جبکہ میں نے اس سے ترکِ تعلق کر لیا ہے۔ تو وہ منصب مجھے دیا جا رہا ہے۔ الغرض وہ اسی طرح خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا اور اس نے اس منصب سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کیا۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے یہ توفیق عطا کی۔

پچیّسویں مجلس

جمعہ، ماہ رمضان المبارک کی نو تاریخ

قدم بوسی کی سعادت سے مشرف ہوا۔ حاضرین میں سے ایک نے بتایا کہ ایک شخص بڑی صلاحیت رکھتا ہے اور درویشوں کی خدمت کا اُسے بڑا شوق ہے میں نے اس سے کہا کہ تم خواجہ کے دامن سے کیوں وابستہ نہیں ہو جاتے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک دفعہ بیعت کی نیت سے وہاں گیا تھا۔ میں نے وہاں سونے کے لیے بستر بچھے ہوئے اور شمعیں جلتی ہوئی دیکھیں۔ اس سے میرا

اعتقاد ڈول گیا۔ اور میں واپس آگیا۔

حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ بات سنی تو اپنا رُخ حاضرین کی طرف کیا اور فرمایا کہ سونے کے لیے بستر اور شمعیں کب تھیں! بعد ازاں آپ مسکرائے اور فرمایا چونکہ بیعت کی نعمت اس کی قسمت میں نہ تھی اس لیے اُسے یہ چیزیں دکھائی دیں۔ اسی دوران میں مَیں نے عرض کیا کہ سونے کے لیے بستروں اور شمعوں کے ہونے سے اعتقاد کیسے فاسد ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بعض کا ذرا سی چیز سے اعتقاد متزلزل ہو جاتا ہے، بعض کا اعتقاد مضبوط ہوتا ہے۔ اور ان کی ارادت و عقیدت میں پختگی ہوتی ہے۔

پھر چند لمحے پیر کے زبان کو نگاہ میں رکھنے کے بارے میں ذکر ہوا۔ فرمایا: ایک دفعہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ہاتھ میں ایک لکھی ہوئی دعا تھی۔ اور آپ فرما رہے تھے کہ کوئی ہے جو اس دعا کو یاد کرے۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود یہ ہے کہ میں اسے یاد کروں۔ میں آداب بجا لایا اور عرض کیا اگر حکم ہو تو بندہ اُسے یاد کرے انہوں نے وہ دعا مجھے دے دی۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس دعا کو ایک بار حضرت کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں۔ پھر میں اسے یاد کر لوں گا۔ جب میں نے یہ دعا حضرت کے سامنے پڑھی آپ نے ایک اعراب کی اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ اس طرح پڑھو۔ میں نے اُسی طرح جیسے حضرت نے فرمایا تھا پڑھا۔ اگرچہ جس طرح میں نے پڑھا تھا وہ بھی معنی رکھتا تھا۔ القصہ اسی وقت مجھے وہ دعا یاد ہو گئی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ میں نے وہ دعا یاد کر لی ہے اگر حکم ہو تو پڑھوں۔ فرمایا پڑھو۔ میں نے وہ دعا پڑھی اور اس اعراب کو جیسے حضرت نے فرمایا تھا، اُسی طرح پڑھا۔ جب میں حضرت کے پاس سے باہر آیا تو مولانا بدرالدین اسحاق علیہ الرحمۃ والغفران[1] نے مجھ سے کہا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس اعراب کو اسی طرح پڑھا جیسے حضرت نے فرمایا۔ میں نے کہا کہ اگر سیبویہ[2]

---

[1] مولانا بدرالدین اسحاق حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے خادم خاص تھے اور حضرت کی خانقاہ کا انتظام ان کے ذمے تھا۔ حضرت بابا فرید نے اپنی ایک صاحبزادی کا ان سے عقد کیا تھا۔

[2] ابو بشر عمرالدین عثمان سیبویہ متوفی ۱۸۱ھ ہجری، اس کا علم نحو کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔ الکتاب

جو اس علم کا وضع کرنے والا ہے اور دوسرے وہ جو اس علم کے قواعد کے بانی ہیں۔ آئیں اور مجھ سے کہیں کہ اعراب وہی صحیح ہے جو تم نے پڑھا تو پھر بھی میں اُسے اسی طرح پڑھوں گا۔ جیسے حضرت نے فرمایا ہے مولانا بدرالدین نے کہا کہ یہ پاس آداب جو تم کرتے ہو ہم میں سے کسی کے بس میں نہیں۔

اس سلسلے میں پیر کی خدمت کرنے کے آداب کا ذکر ہوا۔ فرمایا۔ میں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی پوری عمر میں اپنے پیر شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی جناب میں صرف ایک بار جسارت کی۔ وہ یوں ہوا کہ میں نے ایک دفعہ حضرت سے چلہ کھینچنے اور عزلت اختیار کرنے کی اجازت طلب کی۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں' اس سے شہرت حاصل ہوتی ہے۔ اور ہمارے بزرگوں سے یہ چیز مروی نہیں۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت موجود ہیں اور جانتے ہیں کہ میری اس سے شہرت کی نیت نہیں اور میں یہ شہرت کے لیے نہیں کہہ رہا۔ شیخ قطب الدین خاموش ہو گئے۔ بعد ازاں میں اپنی تمام عمر میں اس بات پر پشیمان رہا اور توبہ واستغفار کرتا رہا۔ کہ میں نے وہ جواب کیوں دیا تھا۔ جو آپ کے حکم کے موافق نہ تھا۔

جب یہ فرما چکے تو حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کی، ایک بار مجھ سے بھی اپنے شیخ (شیخ فریدالدین) کے حضور بلا ارادہ ایک گستاخی ہو گئی تھی۔ وہ یوں ہوا کہ عوارف[1] کا ایک نسخہ حضرت شیخ کے پاس تھا اور وہ اس میں سے فوائد[2] بیان کر رہے تھے۔ وہ نسخہ جو آپ کے پاس تھا وہ باریک خط میں لکھا ہوا تھا یا اس میں کوئی اور سُقم تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کسی قدر رُک رُک کر فوائد بیان فرما رہے تھے۔ میں نے ایک زمانے میں شیخ نجیب الدین متوکل رحمت اللہ علیہ کے پاس عوارف کا ایک اور نسخہ دیکھا تھا۔

---

[1] حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف۔

[2] مفید باتیں، مفاہیم، معانی۔

مجھے اس سے وہ یاد آگیا۔ میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین کے پاس اس کا ایک صحیح نسخہ تھا۔ آپ کے دل پر یہ بات گراں گزری۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ درویش میں اس ناقص وسقیم نسخے کی تصحیح کی قوت نہیں۔ آپ نے ایک دو بار زبان مبارک سے یہ الفاظ دہرائے۔ مجھے بالکل یہ خیال نہ آیا کہ آپ کس کے بارے میں فرمارہے ہیں۔ اگر میں نے قصداً کہا ہوتا تو اسی دم مجھے یہ خیال آجاتا کہ حضرت شیخ کے یہ الفاظ میرے متعلق ہیں۔ جب آپ نے دو تین بار یہی بات فرمائی۔ تو مولانا بدرالدین اسحاق علیہ الرحمۃ والغفران نے مجھ سے کہا کہ حضرت شیخ یہ بات تمہارے بارے میں فرمارہے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں کھڑا ہوا۔ اپنے سر کو برہنہ کیا۔ حضرت شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور عرض کی کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میری اس بات کا مقصد حضرت شیخ کی طرف کوئی اشارہ یا کنایہ کرنا ہو۔ میں نے عوارف المعارف کا ایک نسخہ دیکھا تھا اس کا میں نے ذکر کردیا۔ اس ضمن میں میرے دل میں اور کوئی شے سرے سے نہ تھی۔ اگرچہ میں معذرت کر رہا تھا۔ لیکن حضرت شیخ میں عدم رضامندی کا اثر اسی طرح دیکھ رہا تھا۔ جب میں وہاں سے اٹھا۔ تو مجھے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ کہ کیا کروں۔ خدا کسی کو اس دن جیسا دن اور اس طرح کا غم جو مجھے اس دن تھا کبھی نہ دکھائے۔ مجھ پر گریہ طاری تھا۔ میں حیران ومضطرب ہو کر باہر نکل گیا۔ یہاں تک کہ ایک کنوئیں کے پاس پہنچا اور چاہا کہ اپنے آپ کو کنوئیں میں گرادوں۔ پھر میں نے سوچا اور اپنے آپ سے کہا کہ مردہ فقیر کو مردہ ہی جان اور پھر یہ بھی دیکھ کہ مبادا یہ بدنامی کسی کے سر تھوپ دی جائے[1]۔ اسی حیرانی وحسرت میں پریشان ہو کر صحرا کی طرف نکل گیا۔ اور آپ ہی آپ گریہ وزاری کرنے لگا۔ خدا ہی جانتا ہے، اس وقت اس حقیر کا کیا حال تھا۔ حضرت شیخ کے ایک فرزند تھے جن کا لقب شہاب الدین تھا ان کے

---

[1] پہلے خودکشی کا ارادہ فرمایا۔ پھر اپنے آپ سے کہا کہ فقیر مردہ تو ہے ہی مردہ، مردہ کیا خودکشی کریگا۔ دفقیر مردہ میں موتوا قبل ان تموتوا کی طرف اشارہ موجود ہے) نیز یہ کہ مردے کے اقدام خودکشی سے کسی بے گناہ کے مورد الزام قتل ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔ خدا جانے کس کو بے جرم پکڑ لیا جائے۔

اور میرے درمیان دوستی اور مودت کا رشتہ تھا انہیں میرے اس حال کی خبر ہوئی، وہ حضرت شیخ کے پاس گئے اور ان کی خدمت میں میرا احوال بڑے اچھے طریقے سے بیان کیا۔ حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادے محمد کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا۔ میں گیا اور اپنا سر آپ کے مبارک قدموں میں رکھدیا۔ آپ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ دوسرے روز مجھے اپنے حضور میں طلب کیا۔ اسی روز میں نے ان کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ پیر مرید کے حق میں مشاطہ[۱] کا حکم رکھتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے مجھے خلعت عطا کی اور جلوس خاص سے مشرف فرمایا۔ والحمدللہ رب العالمین۔

چھبّیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور، ماہِ مذکور کی اکیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ طاعت و عبادت میں جہد و کوشش کرنے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ جب لوگ طاعت کا آغاز کرتے ہیں تو شروع شروع میں یقیناً ان کے نفس پر یہ چیز گراں گزرتی ہے اور انہیں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ البتہ جب کوئی شخص اس کو صدق و یقین سے کرنے لگتا ہے۔ تو حق تبارک و تعالیٰ اُسے توفیق عطا کر دیتا اور اس کام کو اس کے لیے آسان بنا دیتا ہے۔ اسی طرح ہر کام اوّل اوّل دشوار معلوم ہوتا ہے۔ جب لوگ اُسے شروع کر دیتے ہیں تو وہ آسانی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں۔ بعد ازاں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا

---

[۱] مشاطہ اس عورت کو کہتے ہیں جو دلہن کی زینت اور آرائش کرتی ہے۔

چاہا کہ وہ جوامع الحکایات[۱] کا نسخہ نقل کرائیں، مگر آپ کا ہاتھ تنگ تھا اور کتابت کا سامان گراں اور نقل کرنے والے نسّاخ کی اجرت بہت زیادہ تھی۔ اگر کاغذ فراہم کرتے تو کتابت کا سبب نہ بنتا۔ اگر کاتب کا انتظام ہو جاتا۔ کاغذ اور دوسرا سامان مہیا ہوتا۔ ایک دن حمید کاتب خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نجیب الدین نے فرمایا کہ میں ایک عرصہ سے جوامع الحکایات نقل کرانا چاہتا ہوں لیکن اس کا انتظام نہیں ہو رہا۔ حمید کاتب نے کہا کہ اس وقت آپ کے پاس کیا ہے۔ شیخ نے فرمایا، بس ایک درہم، حمید نے وہ درہم لے لیا اُس سے کاغذ خریدا اور کتاب نقل کرنے لگا۔ ظاہر ہے ایک درہم میں تھوڑا سا کاغذ آ سکتا تھا۔ اس نے ابھی اس کاغذ کو ختم نہیں کیا تھا کہ اور "فتوح" یعنی نیاز آ گئی۔ اور مزید کاغذ خریدنے اور دوسری چیزوں کی فراہمی کا انتظام ہو گیا۔ اسی طرح کتابت کی اُجرت بھی مہیا ہو گئی۔ بعد ازاں متواتر سامان مہیا ہوتا چلا گیا اور وہ کتاب بڑی جلدی اور بڑی اچھی طرح نقل ہو گئی۔ اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جب کوئی کام شروع ہو جاتا تو وہ اہتمام کو پہنچ ہی جاتا ہے۔

کچھ دیر شیخ نجیب الدین متوکل کے اوصاف حمیدہ اور ان کے حسن اعتقاد کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور اس زمانے میں میرے سر پر گھونگھریالے بال تھے۔ میں نے ان کی طرف اپنا رخ کیا اور کہا کہ حضرت! ایک بار اس نیت سے سورۂ فاتحہ پڑھیے کہ میں قاضی بن جاؤں۔ شیخ نجیب الدین خاموش رہے مجھے یہ گمان ہوا کہ انہوں نے میری بات نہیں سُنی۔ میں نے دوسری بار کہا حضرت! ایک بار اس نیت سے سورۂ فاتحہ پڑھیے کہ میں قاضی بنوں۔ پھر بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ جب تیسری بار میں نے یہی بات پھر کہی تو مسکرائے اور فرمایا: تم قاضی نہ بنو، کوئی

---

[۱] اس کے مصنف قاضی سدید الدین محمد عوفی تھے۔ کتاب کا پورا نام جوامع الحکایات ولوامع الروایات ہے عوفی بخارا میں پیدا ہوئے۔ وہ قطب الدین ایبک کے داماد اور ملتان کے حاکم کے دربار سے متعلق ہو گئے تھے۔ اور اسی کے حکم سے انہوں نے جوامع الحکایات لکھنی شروع کی تھی یہ فارسی علم و ادب کی نہایت مقبول و منتخب کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

اور کوئی چیز ہو ، اس کے بعد حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرمایا شیخ نجیب الدین متوکل کو قاضی کے منصب سے اتنی نفرت تھی ۔ کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

کچھ دیر آمرزش یعنی گناہوں کے بخشے جانے پر گفتگو رہی ۔ فرمایا: حدیث میں آیا ہے ۔ کہ جب کسی شخص کے پاس تھیلی میں ایک درہم ہو ۔ جسے ضرورت کے وقت اس تھیلی سے نکال سکتا ہو ۔ مگر وہ درہم تھیلی کے کسی کونے میں پڑا رہے! در اس شخص کے ہاتھ نہ لگے ۔ اور وہ سمجھے کہ وہ درہم گم ہوگیا ہے ۔ یقیناً وہ اس سے مغموم ہوگا ۔ حق تعالیٰ اُسے بخش دے گا ۔ (یعنی اتنی سی بات پر خدا اتنا بڑا کرم کر دے گا)

بعد ازاں حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ یہ حدیث کسی خاص شخص کے بارے میں ہے ۔ جس کے پاس صرف ایک ہی درہم ہوگا ۔ اس لیے کہ اگر کسی آدمی کے پاس بہت سے درہم ہوں اور ان میں سے ایک گم ہو جائے ۔ تو وہ مغموم نہیں ہوتا ۔ البتہ جس کے پاس ایک ہی درہم ہو اور وہ گم ہو جائے تو وہ مغموم ہوگا ۔ اور اُسی کے باعث حق تعالیٰ اس کو بخش دے گا ۔ ان معانی کا انکشاف اس روز ہوا اور اُسی روز مجھے خلعت بھی اور خاص جوتا بھی عطا ہوا ۔ والحمد للہ رب العالمین ۔

ستائیسویں مجلس

بدھوار ، ماہ مذکور کی اٹھائیس تاریخ سنہ مذکور

قدم بوسی کی دولت میسر آئی ۔ حسب معمول آپ دہلیز کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے دروازے کے نزدیک زینہ تھا ۔ جب بندہ نے زمین بوسی کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہیں زینے کے قریب بیٹھ جاؤ ۔ میں بیٹھ گیا ۔ ہر بار جب ہوا دروازے کے ایک پٹ کو تھپیڑا مارتی تو

وہ بند ہو جاتا۔ بندہ نے اُس پٹ کو ایک ہاتھ سے مضبوط پکڑ لیا تاکہ وہ کھلا رہے، کچھ دیر بعد آپ نے مجھے دیکھا کہ میں پٹ پکڑے ہوئے ہوں فرمایا، تم اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے! بندہ نے زمین بوسی کی اور عرض کیا کہ میں تو اس دروازے کو پکڑے ہوئے ہوں، مسکرائے اور فرمایا: تم نے اس دروازے کو پکڑا ہے اور مضبوط پکڑا ہے، بعد ازاں آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا، ہر وری وہرسری نہ بنو، ایک در پکڑ دا اور اُسے مضبوطی سے پکڑو۔

پھر آپ نے فرمایا: ایک روز ایک دیوانہ صبح کے وقت شہر کے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ جب دروازہ کھولا گیا تو ایک مخلوق باہر نکلی اور ہر شخص ایک نہ ایک طرف چل دیا۔ ایک دائیں کو، ایک بائیں کو، ایک سیدھا۔ غرض ہر شخص کسی نہ کسی رُخ چل دیا اور دیوانے نے جب دیکھا تو کہا کہ یہ سب الگ الگ مختلف راستوں پر اور ایک دوسرے کے مخالف جا رہے ہیں۔ اس لیے وہ کسی جگہ نہیں پہنچتے اگر یہ سب ایک راستہ پر چل پڑیں تو منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔

پھر کچھ دیر کھانا کم کھانے کے فوائد اور شکم بھر کر کھانے کے نقصان کے بارے میں گفتگو رہی۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا: پیٹ بھرا ہوا ہو تو کھانا روا نہیں، ہاں دو آدمیوں کے لیے روا ہے ایک وہ کہ اُس کے ہاں کوئی مہمان آگیا ہو، لہٰذا مہمان کو کھلانے کی خاطر جائز ہے کہ وہ خود بھی کسی قدر کھا لے، بھرے ہوئے پیٹ کے باوصف ذرا اور سہی۔

دوسرا وہ کہ روزہ رکھتا ہے اور اس کے پاس سحری کا انتظام نہیں۔ جب اس نے یہ جانا کہ سحری کے وقت کوئی چیز کھانے کو نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر وہ سیر ہونے کے بعد بھی کچھ اور کھا لیتا ہے تو اس کے لیے یہ روا ہے۔

پھر چند لمحے دعائے ماثورہ[1] کے بارے میں گفتگو رہی، فرمایا اگر کوئی شخص کسی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے اور وہ کسی بھی علاج سے دور نہ ہو تو چاہیئے کہ وہ بروز جمعہ

---

[1] وہ دعائیں جو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہیں، انہیں ماثورہ دعائیں کہتے ہیں۔

عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد سے لیکر وقت غروب تک ان تین اسموں کے ذکر کے سوا کسی بات میں مشغول نہ ہو اور وہ تین اسم ایک بار یعنی ملا کر کہے ۔ یہ تین اسم حسبِ ذیل ہیں ۔

یَااللّٰہُ ۔ یَارحمٰنُ ۔ یَارحیمُ

وہ یقیناً اس مصیبت و تکلیف سے نجات پائے گا ۔

اٹھائیسویں مجلس

ہفتہ ، سنہ مذکور ۔ ماہ شوال کی آٹھ تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی ۔ اس روز اس بندۂ ناچیز نے ان ارشادات کے جمع کیے جانے کے بارے میں گزارش پیش کی ، وقت ساز گار تھا اور راحت بخش خلوت میسر تھی ۔ بندہ نے زمین بوسی کی اور کہا کہ میری ایک عرضداشت ہے اگر حکم فرمائیں تو پیش کروں ۔ فرمایا کہو ، بندہ نے عرض کیا کہ ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ۔ میں حضرت کی غلامی سے وابستہ ہوں ، ہر بار جب آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی ہے تو آپ اس موقعہ پر آپ کی زبان گوہر افشاں سے جو ارشادات و افادات سنتا ہوں ۔ خواہ وہ طاعت و عبادت کے بارے میں ہوں یا وعظ و نصیحت و ترغیب کے باب میں ہوں یا اور خواہ مشائخ کی حکایتیں اور ان کے حالات ہوں ، غرض ہر باب میں جو روح افزا کلمات اس کاتب الحروف کے کانوں تک پہنچے ۔ میں نے چاہا کہ وہ کلمات اس بیچارے کے لیے دستور العمل بنیں بلکہ اس کے حال کے لیے دلیل راہ ہوں ۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق انہیں قلم بند کر لیا ہے ۔ اس بنا پر آپ کی زبان مبارک سے بارہا یہ ارشاد ہوا کہ مشائخ کی کتابیں اور ان کے اشارات جو انہوں نے سلوک تصوف کے بارے میں فرمائے ہیں ۔ نظر میں رہنے چاہئیں ۔ اور چونکہ حضرت مخدوم کے

ان جان بخش ارشادات کے علاوہ اور کوئی مجموعہ نہیں ہے اس امر کے پیش نظر بندہ نے آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ سنا اُسے جمع کر دیا ہے، اب تک میں نے اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا آپ کے حکم کا منتظر ہوں اب آپ کا جو حکم ہو۔

جب حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ میری یہ عرضداشت سنی تو فرمایا کہ جب میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا۔ تو میرے دل میں بھی یہی خیال آیا تھا کہ جو کچھ ان کی زبان مبارک سے سنوں گا، لکھ لوں گا۔ پہلے دن جب میں قدم بوسی کی دولت سے سرفراز ہوا تو پہلی بات جو میں نے حضرت شیخ سے سنی جو آپ کی زبان سے ارشاد ہوئی، وہ یہ تھی ؎ اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ،

ــــــــــــــــ اے وہ کہ تیری آتش فراق نے دلوں کو کباب کر دیا ہے، تیرے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو ویران کر کے رکھ دیا ہے، بعد ازاں میں نے چاہا کہ حضرت کی قدم بوسی کا مجھے جو اشتیاق تھا اس کا کچھ حال آپ کے سامنے بیان کروں۔ مگر حضرت شیخ کی موجودگی کا رعب مجھ پر غالب آگیا۔ اور میں صرف اسی قدر کہہ سکا کہ عالی جناب کی قدم بوسی کا اشتیاق غالب تھا۔ حضرت شیخ نے جب مجھ پر رعب کا اثر دیکھا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے لِکُلِّ داخِلٍ دَھشَۃ (ہر دنیا، داخل ہونے والا مرعوب ہوتا ہے) الغرض اس دن جو کچھ میں نے حضرت شیخ سے سُنا۔ جب میں اپنی قیام گاہ پر واپس آیا تو اُسے لکھ لیا۔ بعد ازاں ہر بار جو کچھ میں سنتا اُسے قلم بند کر لیتا۔ پھر میں نے یہ بات حضرت شیخ پر ظاہر کر دی۔ اس کے بعد یہ ہوتا کہ جب بھی آپ کوئی حکایت بیان کرتے یا تصوف کے کسی مسئلے کی طرف اشارہ کرتے تو فرمایا کرتے تم موجود ہو! یہاں تک کہ اگر میں موجود نہ ہوتا تو میری غیر موجودگی میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہوتا اُسے میرے حاضر خدمت ہونے پر میری خاطر دہرا دیتے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا ان دنوں میں نے ایک کرامت دیکھی، ایک شخص نے مجھے سفید کاغذ کا مجلد کیا ہوئے دیئے۔ میں نے وہ لے لیے اور شیخ الاسلام کے افادات اُس میں لکھے، سب سے اوپر میں نے یہ لکھا:

سبحان اللہ وَالحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

بعد ازاں وہ کلمات جو میں نے حضرت شیخ سے سُنے تھے لکھے، یہ مجموعہ اس وقت تک میرے پاس ہے۔

حضرت خواجہ نے یہ حالات بیان کرنے کے بعد بندہ سے فرمایا کہ وہ کاغذ جن پر تم نے لکھا ہے۔ لائے ہو بندہ نے عرض کیا کہ جی ہاں لایا ہوں، فرمایا دکھاؤ۔ بندہ نے کاغذ کے چھ تا جو لکھے ہوئے تھے پیش کیے۔ اور آپ کے مبارک ہاتھوں میں دیئے، آپ نے ان کا مطالعہ فرمایا اور انہیں پسند فرمایا، پھر ارشاد کیا کہ تم نے خوب لکھا ہے۔ جس جگہ بھی پہنچتے، فرماتے تم نے خوب لکھا ہے، ایک دو جگہ میں نے خالی جگہ رہنے دی تھی، وہاں کچھ نہیں لکھا تھا فرمایا یہ جگہ خالی کیوں چھوڑی ہے! عرض کیا اس سلسلہ کے باقی ماندہ کلمات اچھی طرح معلوم نہ تھے، آپ نے بڑی شفقت فرمائی اور وہ باقی ماندہ کلمات بیان کیے، یہاں تک کہ وہ مکمل ہو گئے۔ اس روز میرے حال پر آپ کی شفقت، مرحمت، ہمدردی و شکستہ پروری کا یہ عالم تھا۔ الحمد للہ رب العالمین

کچھ دیر باری تعالیٰ کے فضل و رحمت کا ذکر آیا کہ وہ خلاف توقع لوگوں کی کارسازی و امداد فرماتا ہے بعد ازاں یہ حکایت بیان فرمائی۔ بعد ازاں خلفاء میں سے ایک خلیفہ نے ایک نوجوان کو قید کر لیا۔ اس نوجوان کی ماں خلیفہ کے پاس آکر آہ وزاری کرنے لگی تاکہ خلیفہ اس کے بیٹے کو رہا کرائے، خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک برابر قید میں رہے جب تک کہ میری آل اولاد میں سے ایک فرد بھی باقی ہے، سُن لیا! میں نے یہ حکم دیا ہے۔ بوڑھی عورت نے جب یہ بات سُنی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا کہ خلیفہ نے تو یہ حکم دیا ہے تو کیا حکم دیتا ہے! خلیفہ نے یہ بات سُنی اس کا دل پگھل گیا اس نے بڑھیا کے بیٹے کو رہا کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ بعد ازاں ایک قیمتی گھوڑا اس کے بیٹے کو دیا اور کہا اسے اس گھوڑے پر سوار کراؤ، اسے بغداد میں پھراؤ اور اس کے آگے آگے یہ اعلان کرتے جاؤ کہ یہ اللہ کے خلیفہ کی مرضی کے برخلاف خود اللہ کی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔ یہ خلیفہ کی مرضی کے خلاف اللہ کی بخشش ہے

اس کے بعد پیر کی بخشش و عطا اور اس ضمن میں مرید کی قابلیت کے بارے میں گفتگو ہوتی

رہی۔ اس سلسلہ میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں سے ایک مرید یوسف نامی تھا۔ ایک دفعہ اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں کئی سال سے حضرت کی خدمت میں ہوں۔ ہر شخص حضرت کی بخشش سے فیض یاب ہوا ہے۔ چاہیئے تھا کہ میں ان سب سے پہلے فیض یاب ہوتا بہر حال اس نے یہ، یا اس سے ملتی جلتی کوئی بات کہی۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا یہ کوتاہی میری طرف سے نہیں ہوئی، اس کے لیے کچھ تم میں بھی تو استعداد و قابلیت موجود ہونی چاہیئے۔ نیز میں کوئی خود اپنے پاس سے تھوڑا ہی دیتا ہوں۔ اگر خدا کسی کو نہ دے تو اس کے لیے کیا کیا جائے۔ مرید اسی طرح شکایت کر رہا تھا کہ اس دوران میں حضرت شیخ کی نگاہ ایک چھوٹے بچے پر پڑی۔ آپ نے بچے سے فرمایا یہاں آؤ، یعنی وہاں جہاں حضرت شیخ بیٹھے تھے۔ وہاں اینٹوں کا ایک ڈھیر تھا آپ نے اس چھوٹے بچے سے کہا کہ جاؤ اور ان اینٹوں سے میرے لیے ایک اینٹ لے آؤ۔ بچہ گیا، ایک سالم اینٹ لے آیا اور شیخ کے سامنے رکھ دی۔ ایک صاحب شیخ کے پاس بیٹھے تھے آپ نے پھر اس بچے سے کہا، جاؤ اور ان صاحب کے لیے اس ڈھیر سے ایک اور اینٹ لے آؤ۔ بچہ گیا پھر ایک سالم اینٹ لے آیا۔ اور ان صاحب کے آگے رکھ دی۔ پھر حضرت شیخ نے اس بچے سے کہا کہ جاؤ ایک اور اینٹ ان صاحب کے لیے لے آؤ اور آپ نے اُسی مرید یوسف کی طرف اشارہ کیا، وہ بچہ گیا اور آدھی اینٹ لے آیا اور آ کے اس کے سامنے رکھ دی۔ حضرت شیخ نے فرمایا، اب میں اس کا کیا کروں میں نے اپنی طرف سے جو لبس میں تھا کیا، لیکن جب تمہارے مقدر ہی میں صرف اسی قدر ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر کیسے عاید ہو سکتی ہے۔!

انتیسویں مجلس

جمعرات، سنہ مذکور، ماہ شوال کی بیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی، شیخ عثمان حرب آبادی[1] رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر ہو رہا تھا آپ نے فرمایا، وہ بہت بڑے بزرگ تھے انہوں نے قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ وہ غزنی میں رہتے تھے۔ سبزی پکاتے اور بیچتے، شلغم، چقندر، اور اس طرح کی چیزیں دیگ میں پکاتے اور بیچتے تھے۔

اس کے بعد عنایات غیبی کا ذکر رہا۔ اس بارے میں حضرت خواجہ کی زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد ہوا۔

حق بشبان تاج نبوت دہد
ورنہ نبوت چہ شناسد شبان

(اللہ ہی ہے جو چرواہے اور گڈریے کو نبوت عطا کرتا ہے ورنہ نبوت کو چرواہا اور گڈریا کیا پہچانے)

چرواہے سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بعد ازاں آپ نے شیخ عثمان کے حالات بیان کئے۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ کے پاس آتا اور کھوٹا درہم دے کر جو کچھ آپ کے پاس پکا ہوتا اُسے خریدنا چاہتا تو وہ اس سے درہم لے لیتے، اگرچہ انہیں پتہ ہوتا تھا کہ درہم کھوٹا ہے لیکن وہ خریدار کے منہ پر کچھ نہ کہتے۔ نیز جو کھرا درہم لاتا اسے بھی اسی طرح پورا سالن دیتے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ وہ کھوٹے اور کھرے سکے میں امتیاز ہی نہیں کر سکتے۔

---

[1] فوائد الفواد کے اردو ترجمے میں جو غلام احمد خاں بریان نے کیا ہے، شیخ عثمان خیرآبادی لکھا ہے۔

چنانچہ بہت سے لوگ آتے اور انہیں کھوٹے درہم دیتے جنہیں وہ کھرا سمجھ کر لے لیتے، مگر ان پر ظاہر نہ کرتے اور انہیں سالن دے دیتے، جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا، اے خداوند تعالیٰ! تو دوسروں سے زیادہ آگاہ ہے کہ لوگ مجھے کھوٹے درہم دیتے تھے۔ اور میں انہیں کھرا سمجھ کر قبول کر لیتا اور ان کو رد نہ کرتا تھا۔ اگر مجھ سے بھی کھوٹی عبادت عمل میں آئی ہے تو تو اُسے اپنی عنایت سے قبول فرما لینا اور اس کو رد نہ کر دینا۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک صاحبِ دل درویش ان کے پاس آیا اور ان کی دیگ میں سے سالن طلب کیا۔ شیخ عثمان نے کفگیر دیگ میں ڈالا اور جب اُسے نکالا تو وہ موتیوں اور ہیروں سے بھر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر درویش نے کہا کہ میں انہیں کیا کروں۔ جب شیخ عثمان نے پھر کفگیر دیگ میں ڈالا اور پھر نکالا تو سرتاسر سونا برآمد ہوا۔ اس درویش نے کہا وہ سب سنگریزے تھے اور یہ سب سنگ ہیں۔ کس کام کے! اس دیگ میں سے کوئی دوسری چیز نکالو جو میں کھاؤں۔ تیسری بار شیخ نے کفگیر دیگ میں ڈال کر نکالا تو وہی سبزی برآمد ہوئی جو انہوں نے پکائی تھی۔ اس درویش نے جب یہ دیکھا تو شیخ عثمان سے کہا کہ اب اس سے زیادہ تمہیں اس دنیا میں نہیں رہنا چاہیئے، انہی چند دنوں کے اندر اندر شیخ عثمان رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے رحلت کر گئے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ جب درویش کی کوئی ایسی کرامت منکشف ہو جائے تو اس کے بعد اُسے اس دنیا میں نہیں رہنا چاہیئے۔ حکیم سنائی[1] نے ان مطالب کو اس طرح منظوم کیا ہے ؎

بیش منما جمال جان افروز | چوں نمودی بروسپند[2] بسوز
آں جمال تو چیست مستیٔ تو | واں سپند تو چیست ہستیٔ تو

(اپنا جان افروز جمال زیادہ ظاہر نہ کر، اگر تو نے ظاہر کر دیا۔ پھر اس آگ پر ہرمل ڈال اور جلا۔ تیری ہستی

---

[1] غزنوی دور کے مشہور شاعر۔
[2] کالا دانا جسے نظر بد دور کرنے کے لیے جلاتے ہیں۔

تیرا جمال کیا ہے! تیری مستی اور تیری پسند کیا ہے!
بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ اولیاء کا کسی چیز کو ظاہر کرنا ان کی مستی کے باعث ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اصحاب سکر ہیں۔ اس کے برخلاف انبیاء ہیں۔ جو اصحاب صحو ہیں۔ حکیم سنائی نے اس کو مستی سے تعبیر کیا ہے یعنی جب کوئی درویش راز کو فاش کر دے تو پھر (اس کی وفات میں) تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ سنائی نے اس کو یوں ادا کیا ہے۔

آن جمال تو چیست مستیٔ تو
وال سپندِ تو چیست ہستیٔ تو

بعد ازاں آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ کشف و کرامت آدمی کے راستے کا حجاب ہے۔ کار استقامت میں محبت پائی جاتی ہے۔ محبت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک

تیسویں مجلس

سوموار، سنۂ مذکور ماہ ذی القعدہ کی تیئس تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی ایک جوان حاضر خدمت ہوا۔ حضرت خواجہ نے اللہ آپکا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس سے پوچھا آپ کے دادا کس کے مرید تھے اس نے بتایا کہ وہ شیخ جلال الدین تبریزی[۱]

---

[۱] شیخ جلال الدین تبریزی شیخ بہاء الدین زکریا کے زمانے میں ملتان پہنچے۔ وہاں سے جب دہلی آئے تو التمش نے ان کا بڑا احترام کیا۔ اور ان کی عقیدت کا دم بھرنے لگا۔ آخر میں وہ بنگال چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب شیخ جلال الدین تبریزی بغداد سے دہلی تشریف لائے۔ تو التمش ان کے استقبال کے لیے دور تک گیا۔ شیخ جلال الدین پر حسد کی وجہ سے دہلی کے شیخ الاسلام نجم الدین صغری نے بہتان لگایا تھا۔

رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ بہت کم کسی کو مرید کرتے تھے۔ اسی طرح قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں مولانا برہان الدین موجود تھے۔ اللہ انہیں محفوظ رکھے انہوں نے پوچھا۔ جب ان حضرات کی بزرگی اور مشیخت اللہ اور شیخ یعنی پیر سے متعین شدہ تھی تو پھر وہ کیوں دوسروں سے بیعت نہیں لیتے تھے حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اس سے بزرگی و مشیخت میں کوئی کمی نہیں آتی خواہ وہ مرید کریں یا نہ کریں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ دو آدمی ہوں۔ اور دونوں میں صفتِ رجولیت موجود ہو۔ البتہ ایک کے ہاں بیٹے ہوں اور دوسرے کے ہاں نہ ہوں۔ اب جس کے ہاں فرزند نہ ہوں اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ اس کی رجولیت میں کوئی کمی ہے اور ایسا اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ امتوں کے معاملے میں انبیاء کی بھی یہی مثال رہی ہے۔ یہاں تک روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم اس پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہر پیغمبر کے ساتھ اس کی امت آئے گی۔ کسی پیغمبر کے ساتھ بڑی اور کسی کے پاس چھوٹی امت ہوگی، کوئی پیغمبر ایسا بھی ہوگا کہ اس کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی ہوگا۔ اب اس سے ان کی نبوّت میں کوئی کمی یا خرابی واقع نہیں ہوتی۔ شیخ یعنی پیر اور اس کے مریدوں کی مثال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

اکتیسویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی اکتیس تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ سماع اور اس سے پیدا ہونے والے وجد کے باب میں گفتگو رہی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے جن ننانوے ناموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک نام

الواجد الماجد ہے، الواجد کے ایک معنیٰ غنی کے ہیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ الواجد کا معنیٰ وجد سے بھی آیا ہے۔ یعنی وجد عطا کرنے والا۔ جیسے اللہ کا ایک نام شکور ہے۔ شکور اس کو کہتے ہیں، جو شکر کرتا ہے۔ لیکن یہاں اس کے معنی بندوں کا شکر قبول کرنے والا ہے۔ اسی طرح الواجد ہے اس کے ظاہری معنیٰ صاحب وجد ہیں۔ لیکن اللہ باری تعالیٰ کے حق میں یہ معنیٰ درست نہیں۔ پس یہاں واجد سے مراد وجد عطا کرنے والا ہے۔

بعد ازاں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا کہ وہ سماع نہیں سنتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ[۱] فرماتے تھے کہ ہر نعمت جو انسان کو دی جانی ممکن ہے، وہ شیخ شہاب الدین کو دی گئی ہے۔ سوا ذوق سماع کے۔

اس کے بعد شیخ شہاب الدین کے مشغول حق ہونے کی کیفیت استغراق کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا ایک دفعہ شیخ اوحد کرمانی[۲] رحمۃ اللہ علیہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنا مصلیٰ لپیٹ کر زانو کے نیچے رکھ لیا۔ اس سے مراد مشائخ کے نزدیک صدر درجے کی تعظیم ہوتی ہے۔ جب رات ہوئی تو شیخ اوحد کرمانی نے سماع سننا چاہا۔ شیخ شہاب الدین نے قوالوں کو طلب کیا۔ سماع کی مجلس مرتب کی اور خود ایک گوشے میں جا کر طاعت و ذکر میں مشغول ہو گئے۔ شیخ اوحد کرمانی اور دوسرے جو اس کے ساتھ تھے سماع سُن رہے تھے۔ وہ سماع میں مشغول رہے۔ جب صبح ہوئی تو خانقاہ کا خادم شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ رات کو سماع ہوتا رہا ہے۔ اب ان حضرات کیلئے

---

[۱] ولادت ۱۱۴۵ء، وفات ۱۲۲۸ء ان کا شمار بارھویں تیرھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفیہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تصوف پر بہت سے رسائل لکھے ہیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کے مریدوں میں سے شیخ مجد الدین بغدادی، شیخ سیف الدین باخرزی اور شیخ سعد الدین حموی بہت مشہور ہوئے۔ خواجہ معین الدین چشتی اپنی سیاحت کے دوران میں ان سے بھی ملے تھے۔

[۲] شیخ اوحد الدین کرمانی کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے التمش کو جب وہ بغداد میں تھا بادشاہ بننے کی خوشخبری دی تھی۔ شیخ کرمانی کا ذکر شیخ محی الدین عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں کیا ہے موصوف ابن عربی سے ملتے تھے۔

ناشتہ چاہیئے گا ۔ شیخ شہاب الدین نے فرمایا، کیارات کو سماع ہوتا رہا ہے ۔ خادم نے جواب دیا جی ہاں ۔ شیخ نے فرمایا مجھے اس کی خبر نہیں ۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرمایا کہ شیخ شہاب الدین کو کس غایت درجہ کا استغراق رہتا تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ وہ ذکر میں اس حد تک مشغول تھے کہ انہیں سماع کی بلند آواز سنائی نہیں دی ۔ ہر بار جب وہ لوگ سماع روک دیتے تھے اور اہل سماع قرآن پڑھتے تھے تو شیخ شہاب الدین اسے سنتے تھے ۔ لیکن وہ ان کے سماع کو باوجود اس کے کہ وہ بڑے زور و شور سے ہوتا رہا ۔ نہیں سنتے تھے اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کا استغراق کس درجے کا تھا ۔

پھر کچھ دیر لاہور کے مزاروں کے بارے میں گفتگو رہی، حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا ۔ کہ وہاں بہت سے بزرگ محو خواب ہیں ۔ بعد ازاں بندے سے استفسار کیا کہ تم نے لاہور دیکھا ہے ! میں نے عرض کیا جی ہاں دیکھا ہے ۔ اور وہاں کے بعض بزرگوں کے مزاروں کی زیارت بھی کی ہے ۔ جیسے شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طرح دوسرے بزرگوں کے مزاروں کی ۔

بعد ازاں آپ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ نکالے کہ شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری[۱] دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اس عہد کے قطب[۲] تھے ۔ شیخ حسین زنجانی کافی دیر سے لاہور میں سکونت پذیر تھے ۔ کچھ عرصہ بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لاہور جاؤ اور وہاں سکونت اختیار کرو ۔ خواجہ علی ہجویری نے اپنے پیر سے عرض کیا کہ حسین زنجانی (جو) وہاں ہیں ۔ پیر نے فرمایا کہ تم جاؤ ۔ جب علی ہجویری ان کے ارشاد کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا، دوسری صبح کو لوگ شیخ حسین زنجانی کے جنازے کو شہر سے باہر لے آئے ۔

---

۱ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش ولادت ۴۰۰ھ / وفات ۴۶۵ھ

۲ صوفیہ کے نزدیک ہر زمانہ تمام دنیا میں سب سے بڑا ایک قطب ہوتا ہے عالم سفلی و علوی میں اس کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اس کے فیض و برکت سے قائم رہتا ہے ۔

پھر شعر و نظم کے بارے میں گفتگو ہوئی، آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بعض مشائخ نے بہت اچھے اور بڑی کثرت سے شعر کہے ہیں، جیسے کہ شیخ اوحد کرمانی، شیخ ابوسعید ابوالخیر اور دوسرے بزرگ رحمۃ اللہ علیہم بالخصوص شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کو شاعری سے بہت زیادہ لگاؤ تھا اور وہ خوب شعر کہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے مریدوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہر شیخ نے کوئی نہ کوئی کتاب اور تالیف چھوڑی ہے آپ کیوں کوئی چیز نہیں لکھتے انہوں نے جواب میں کہا کہ میرا ہر شعر ایک کتاب کے برابر ہے۔

اسی روز آپ نے اس بندۂ امیدوار کو دو رکعت نماز اشراق[1] پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ نیز یہ ارشاد فرمایا کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی[2] خالدون تک اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد امن الرسول[3] سے آخر سورۃ تک اور آیت اللہ نور السموٰت[4] والارض تا واللہ بکل شیٔ علیم کی تلاوت کی جائے۔

بعد ازاں دو رکعت نمازِ استعاذہ پڑھنے کے لیے فرمایا: اس کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ الفلق اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ الناس پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ پڑھنے کے لیے فرمایا، پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم ہوا۔ ان دو دو رکعت نمازوں کے بعد وہ دعائیں پڑھنے کی ہدایت فرمائی جو اس ضمن میں مروی ہیں، بعد ازاں فرمایا کہ دو رکعت نماز اور ہے جو میں تمہیں بتاؤں گا۔ جب یہ بات آپ کی زبان مبارک پر آئی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پھر بتایا کہ جس روز شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھے نماز اشراق پڑھنے کیلئے فرمایا تو پہلے یہی چھ رکعتیں پڑھنے کی ہدایت فرمائی، پھر ارشاد ہوا تھا، دو رکعتیں اور بھی ہیں وہ پھر بتاؤں گا۔

---

[1] سورج طلوع ہونے کے بعد نماز اشراق پڑھی جاتی ہے۔

[2] سورۂ بقرہ آیات ۲۵۵ تا ۲۵۷۔

[3] سورۂ بقرہ آیات ۲۸۵ تا ۲۸۶۔

[4] سورۂ النور آیت ۳۵

بتیسویں مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی گیارہ تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ اور آداب مجلس اور پیر کی خدمت میں حاضر ہونے، وہاں بیٹھنے اور مجلس میں جگہ لینے کے آداب کے بارے میں بات چلی۔ آپ نے فرمایا: ادب یہ ہے کہ جب مجلس میں آئیں تو جو جگہ خالی دیکھیں وہاں بیٹھ جائیں یعنی جب پیر کی خدمت میں حاضر ہوں تو اونچی اور نیچی جگہ دیکھنے کے پیچ میں نہ پڑیں۔ جہاں بھی گنجائش دیکھیں وہاں بیٹھ جائیں اس لیے کہ آنے والے کی وہی جگہ ہے۔

بعد ازاں فرمایا: ایک دفعہ رسول اللہ علیہ السلام والصلوٰۃ ایک جگہ تشریف فرما تھے اور صحابہؓ آپ کے گرد دائرہ بنائے بیٹھے تھے۔ تین اشخاص آئے، ان میں سے ایک نے دائرے میں خالی جگہ دیکھی اور وہ فی الفور اس میں بیٹھ گیا۔ دوسرے نے دائرے میں کوئی خاص جگہ نہ پائی اور وہ اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تیسرے نے یہ دیکھ کر کہ دائرے میں کوئی جگہ خالی نہیں وہاں سے منہ موڑ لیا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا! ابھی ابھی جبرائیل علیہ السلام آئے تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ابھی آیا۔ اس نے دائرے میں جگہ دیکھی اور بیٹھ گیا، ہم نے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ وہ شخص جس نے دائرے میں خالی جگہ نہ پائی اور شرم سے دائرے سے پیچھے بیٹھ گیا ہم اس کی شرم کا پاس کریں گے۔ اور کل قیامت کے دن اس کو رسوا نہیں کریں گے۔ اور وہ شخص جس نے منہ موڑا اور لوٹ گیا قیامت کے دن اس سے ہماری رحمت بھی منہ موڑے گی۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا: ادب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مجلس میں آئے تو وہاں جو جگہ خالی پائے وہیں بیٹھ جائے۔ اور اگر کوئی

جگہ خالی نہ پائے تو دائرے کے پیچھے بیٹھ جائے اُسے چاہیئے کہ دائرے کے درمیان میں نہیں بیٹھے۔ کیونکہ جو شخص اس طرح درمیان میں بیٹھے گا وہ ملعون ہوگا۔

تینتیسویں مجلس

اتوار، سنہ مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی اکیس تاریخ

دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ تلاوتِ قرآن کے بارے میں اور اس کی ترتیل کے آداب سے متعلق جیسا کہ مروی ہے گفتگو ہونے لگی۔ آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جب قرآن کی تلاوت کرنے والے کو کسی آیت میں لذت و ذوق اور راحت و طمانیت ملے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اس آیت کی بار بار تلاوت کرے اور اس سے مزید راحت و طمانیت حاصل کرے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کرنے اور اُسے سننے میں جو سعادت حاصل ہوتی ہے، اس کی تین قسمیں ہیں انوار، احوال و آثار ـــــ اور سعادت کی یہ تین قسمیں تین عالموں سے نازل ہوتی ہیں۔ یہ تین عالم ہیں، ملک، ملکوت اور ان دونوں کے درمیان جبروت۔ ان عالموں سے جو تین سعادتیں نازل ہوتی ہیں ان کے اُترنے کے بھی تین مقام ہیں۔ ارواح، قلوب اور جوارح۔ اوّل انوار جو عالم ملکوت سے ارواح پر نازل ہوتے ہیں۔ بعد ازاں احوال عالم جبروت سے قلوب پر نازل ہوتے ہیں۔ پھر آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں۔ یعنی اول تلاوت قرآن کی سماعت کی حالت میں عالم ملکوت سے ارواح پر انوار نازل ہوتے ہیں۔ پھر دل میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے۔ اُسے احوال کہا جاتا ہے۔ یہ احوال عالم جبروت سے قلوب پر نازل ہوتے ہیں۔ بعد ازاں جو کچھ گریہ و بکا اور حرکت و جنبش کی صورت میں ظاہر

ہوتا ہے اُسے آثار کہتے ہیں۔ یہ آثار عالمِ مُلک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین

کچھ دیر صدقے کے باب میں بات چلی، آپ نے فرمایا اگر صدقے میں پانچ شرطیں موجود ہوں گی تو بے شک وہ صدقہ قبول ہوگا۔ ان پانچ شرطوں میں سے دو صدقہ دینے سے پہلے کی ہیں، دو صدقہ دیتے وقت کی ہیں اور ایک صدقہ دینے کے بعد کی ہے۔ اب رہیں وہ دو شرطیں جو صدقہ دینے سے پہلے کی ہیں تو ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو مال صدقے میں دیا جائے وہ حلال ذریعے سے آیا ہو ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ صدقہ دینے والا یہ نیت کرے کہ وہ صدقہ کسی مرد صالح کو دے گا۔ اور اُسے خرابی کی سبیل میں خرچ نہیں کرے گا۔ مطلب یہ کہ وہ صالح لوگوں کو صدقہ دے۔

دو شرطیں وہ جو صدقہ دیتے وقت کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ صدقہ دینے والا تواضع اور بشاشت اور انشراح دل سے صدقہ دے ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خفیہ طور پر دے۔

ایک شرط جو صدقہ دینے کے بعد کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی دے کسی کے سامنے اُسے زبان پر نہ لائے۔ اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے ۔ جو صدقہ ان شرطوں کے ساتھ دیا جائے گا وہ یقیناً قبول ہوگا۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایک ہے صَدقہ اور ایک ہے صُدقہ ۔ صدقہ تو معلوم ہی ہے اور صُدقہ عورتوں کا حق مہر ہے اور یہ دونوں چیزیں صدق اور محبت کا تقاضا کرتی ہیں یعنی جو شخص شادی کرنا چاہے گا اُسے حتماً صدقِ محبت کا ثبوت دینا ہوگا۔ چنانچہ وہ حق مہر کو وسیلہ بناتا ہے یہ صُدقہ ہے۔ جو چیز کوئی شخص راہ حق میں دیتا ہے یقیناً وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے باعث دیتا ہے۔ اس کا آپؐ کے ساتھ صدقِ محبت کی بنا پر کسی چیز کے دیئے جانے کا نام صَدقہ ہے ۔

اس کے بعد آپ نے خلیفۂ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چالیس ہزار دینار لائے تھے۔

شکرانۂ چہل ہزار دینار دہند
با میخ و گلیم عشق را بار دہند

(چالیس ہزار دینار کا شکرانہ دیا گیا، عشق کا ثمرہ کانٹوں اور کملی کی صورت میں دیا گیا۔

اس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں چالیس ہزار دینار تھے۔ وہ یہ سب کے سب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے آئے۔ حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استفسار فرمایا کہ تم اپنے بیٹوں اور گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ آئے! کہا خدا اور اس کا رسولؐ کافی ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آئے۔ جو کچھ حضرت ابوبکر لائے تھے وہ اس سے نصف لائے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے پوچھا کہ تم نے بیٹوں اور گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے، انہوں نے جواب دیا نصف لایا ہوں اور نصف گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ بعد ازاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ یہ دونوں بزرگ لائے تھے اس کے مطابق ان کا درجہ مقرر فرمایا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس روز وہ چالیس ہزار دینار لائے تھے۔ کملی پہنے ہوئے تھے۔ اور ٹانکوں کی بجائے اس میں کانٹے لگے ہوئے تھے۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، عین اسی وقت جبرئیل علیہ السلام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی لباس میں آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا لباس ہے! جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے رسول اللہ! آج کے دن تمام فرشتوں کو حکم ہوا ہے کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اتباع میں کملی پہنیں۔ اور اس میں ٹانکوں کے بجائے کانٹے لگائیں۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ___ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک

ل جناب غلام احمد خاں بریاں نے فوائد الفواد کے اردو ترجمے میں یہ شعر دیئے ہیں۔

آں ہا کہ بوصل خویشتن بار دہند ‏ ‏ در غارِ حرا از دہن مار دہند
شکرانہ چہل ہزار دینار دہند ‏ ‏ تا میخ و گلیم را بار دہند

سے یہ دو مصرعے ارشاد فرماتے ہے

شکرانۂ چہل ہزار دینار دہند
با میخ و گلیم عشق را بار دہند

یہاں سے بات صدق کی طرف چل نکلی، آپ نے فرمایا: ایک شخص کا ذکر ہے کہ اس نے پچیس دینار تھیلی میں رکھے اور دل میں سوچا کہ میں کعبے کی زیارت کو جاؤں گا۔ اور ان دیناروں کو کعبہ کے مجاوروں اور وہاں کے رہنے والوں پر صرف کروں گا۔ یہ نیت کی اور روانہ ہو پڑا۔ راستے میں اُسے ایک منچلہ ٹھگ مل گیا۔ ٹھگ نے تلوار نکالی اور اُسے قتل کرنا چاہا، اس نے دیناروں کی تھیلی جو کہ چھپا رکھی تھی نکالی اور اس ٹھگ کے سامنے رکھدی اور کہا تم مجھے کس لیے مارتے ہو۔ میرے پاس یہی پچیس دینار ہیں جو اس تھیلی میں ہیں لے لو۔ ٹھگ نے وہ تھیلی لے لی، سونے کے دینار نکالے اور انہیں گنا وہ پورے پچیس دینار تھے۔ ٹھگ نے وہ دینار اس شخص کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ یہ تم ہی لے لو اور بے خوف و خطر سفر کرو۔ تمہاری سچائی نے میرے قہر اور غضب کو دور کر دیا ہے۔

بعد ازاں معنیٰ تصدق کے ضمن میں یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو ایک گھوڑا عطا کیا۔ وہ گھوڑا اس کے یہاں لاغر ہو گیا۔ یوں کہ گھوڑا باقی نہ رہا محض اس کی تصویر خیالی رہ گئی۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ وہ گھوڑا اس شخص سے اسی قیمت پر خرید لے جو اس روز تھی جس روز انہوں نے اُسے بخش دیا تھا۔ جب یہ بات رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گھوڑا خریدنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ خود اپنی دی ہوئی شے کو دوبارہ نہ خریدنا چاہیئے۔ خواہ وہ ایک دانگ (معمولی سکہ) میں مل جائے۔

اس کے بعد دوسروں کو کھانا کھلانے کا ذکر آیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ درہم کا کھانا پکا کر دوستوں کے سامنے پیش کرنا بیس درہم بطور صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ پھر آپ نے کھانا کھلانے کی فضیلت کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک بزرگ صاحب حال درویش تھے۔

بخارا کے صدر جہاں؎ کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ مجھے بادشاہِ شہر سے ایک کام ہے۔ تم میری سفارش کرو۔ اور میرا کام کرا دو۔ صدر جہاں نے کہا میں تمہیں نہ جانتا ہوں، نہ پہچانتا ہوں، تمہاری سفارش کیسے کروں، اس درویش نے جواب دیا میرا تم پر حق ہے۔ صدر جہاں نے کہا کون سا حق؟ درویش نے کہا ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ تم کھانا کھا رہے تھے میں آیا اور تمہارے دسترخوان پر بیٹھا اور تمہارے کھانے میں سے کچھ کھایا۔ یہ ہے میرا حق تم پر۔ صدر جہاں نے جیسے ہی یہ سُنا، فوراً اٹھا، بادشاہ کے پاس گیا اور اس کا کام کرا دیا۔

بعد ازاں فقراء کے دوسروں سے لین دین اور خرید و فروخت کرنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا کہ شیخ بدرالدین اسحاق علیہ الرحمۃ والغفران نے ایک شخص کو شطرنجی (ایک قسم کا فرش) دی اور کہا کہ اسے بازار لے جا کر بیچ آؤ۔ ساتھ ہی کہا اسے درویشانہ طریقے پر بیچنا، اس نے آپ سے پوچھا کہ بیچنے کا درویشانہ طریقہ کیا ہے؟ ——— فرمایا اسے واپس گھر نہ لانا۔ جس قیمت پر بکے بیچ دینا۔

چونتیسویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی انتیس تاریخ

قدم بوسی میسر آئی۔ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب اور مراتب پر گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نو سال تک ایک غار میں سکونت پذیر رہے۔ اس غار میں ایک چشمہ تھا ابراہیم ادہم

؎ صدر جہاں اور قاضی، ممالک اکثر ایک ہی آدمی ہوتا تھا۔ بادشاہ صدر جہاں کی سفارش پر مملکت کے قاضی مقرر کرتا تھا۔

اس چشمے کے کنارے مقیم خدائے عزوجل کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ رات کو بڑی سخت سردی پڑی۔ وہ اس طرح ٹھٹھر گئے کہ ہلاکت کا خوف پیدا ہوگیا۔ رات کے اندھیرے میں ان کا ہاتھ کسی پوستین پر پڑا۔ آپ نے اُسے اپنے اُوپر ڈال لیا۔ اور گرمائش حاصل کی۔ جب دن نکل آیا تو انہوں نے پوستین کو اپنے سے الگ کیا۔ غور سے جو دیکھا تو وہ ایک اژدہا تھا جو آنکھیں کھولے اور سر اُٹھائے حرکت کرنے لگا۔ اس پر ابراہیم ادہمؒ بہت متحیر ہوئے اور ہاتف غیبی سے یہ آواز سُنی۔ (نَجَّیْنَاکَ مِنَ التَّلَفِ بِالتَّلَفِ) ہم نے تمہیں ہلاکت سے بچایا ہلاکت ہی کے ذریعے۔

یعنی ہم نے ایک مہلک شے سے جو سردی تھی۔ تمہیں نجات دلائی ایک اور مہلک شے کی مدد سے جو اژدہا تھی۔

بعد ازاں فرمایا کہ ایک اور درویش کی بھی اسی طرح کی کرامت ہے کہ وہ ایک کنوئیں میں گر گیا۔ وہاں کوئی ڈول یا رسّی نہ تھی۔ کہ وہ اس کے ذریعے باہر نکل آتا۔ قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا۔ اچانک اس طرح کی کوئی چیز دیکھی کہ وہ کنوئیں کے اُوپر سے اس کے اندر لٹک رہی ہے۔ درویش نے اُسے اپنی نجات کا وسیلہ جانا۔ چنانچہ اُسے پکڑا اور کنوئیں سے باہر نکل آیا۔ جب اس نے بغور جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ ایک شیر نے وہاں آکے اپنی دم کنوئیں میں لٹکا دی تھی۔ اس درویش نے بھی یہی آواز سُنی۔

نَجَّیْنَاکَ مِنَ التَّلَفِ بِالتَّلَفِ۔

یہیں سے بات اولیاء کی کرامات کے رُخ چل پڑی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ولی تھے نابینا۔ ان کے پاس ایک شخص جو اولیاء کی کرامات کا قائل نہ تھا۔ آیا آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور آپ کا امتحان کرنا چاہا۔ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ جو شخص اس عالم ظاہر میں اندھا ہے۔ ضروری ہے کہ عالم باطن میں بھی اس میں کوئی کمی ہو۔ پس اس نے اپنا منہ اُن نابینا ولی کی طرف کیا۔ اور ان سے پوچھا، ولایت کی علامت کیا ہے! اس دوران میں کہ اس نے یہ بات پوچھی ایک مکھی آئی، اور اس کی ناک پر بیٹھ گئی۔ اُس نے مکھی کو اُڑایا مگر وہ پھر آگئی اور اس کی ناک پر بیٹھ گئی! اس نے پھر اُڑایا اور یعنی اُسے تیسری بار اُڑایا۔ اسی دوران میں اُس نے یہ سوال کیا تھا کہ اولیا کی نشانی کیا ہے؟ نابینا ولی نے جواب دیا کہ ایک نشانی تو یہ ہے کہ اولیاء کی ناک پر مکھی نہیں بیٹھتی۔

کھانے کا لقمہ جو منہ میں جاتا ہے اس پر نگاہ رکھنے اور اس کی تاثیر کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک جوان ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوا۔ وہ جوان بہت طاعت و عبادت کرتا تھا۔ ابراہیم ادہم نے اس کی طاعت و عبادت پر بہت تعجب کیا اور اپنے آپ پر برہم ہوتے ہوئے کہا کہ یہ جوان نیا نیا آیا ہے۔ اور اتنی طاعت و عبادت کرتا ہے۔ جو مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ بعد ازاں آپ نے اپنے روشن ضمیر کے نور سے معلوم کیا کہ یہ سب طاعت و عبادت امر شیطانی ہے۔ یہ جوان حلال ذریعہ سے لقمہ یا کھانا نہیں کھاتا۔ اور شیطان نے اس کو اس طاعت پر لگا رکھا ہے۔ جب ابراہیم ادہم پر اس جوان کا حال آشکار ہوا تو آپ نے اس جوان سے کہا، جو کھانا میں کھاتا ہوں تم بھی اُسی میں سے کھایا کرو۔ جوان نے یہی کیا۔ وہ درویشوں کا سا کھانا جو ابراہیم ادہم کھاتے تھے۔ وہ جنگل سے لکڑیاں لانے اور انہیں بیچنے سے فراہم ہوتا تھا۔ وہ جوان بھی اسی کھانے سے کھانا کھانے لگا۔ اس کے بعد اس کی بے اصل طاعت و عبادت کا زور شور جاتا رہا اور وہ تھوڑی سی عبادت پر اکتفا کرنے لگا۔ چنانچہ وہ فرض نمازیں بھی کوشش سے ادا کرپاتا حتیٰ کہ اس کا معاملہ سدھر گیا۔ اور وہ صدق و صفا کی طرف لوٹ آیا۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس راز کا جو تمام سعادتوں کا راز ہے، اظہار کیا۔ فرمایا: اسی غرض کے لیے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ راز یہ ہے کہ خواہ طاعت و عبادت تھوڑی ہو، صدق و صفا زیادہ ہونا ضروری ہے۔

چند لمحے پھر مجاہدہ[1] و ریاضت کے ثمرہ و حاصل کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا: شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک رات کو نہ سوئے، چالیس سال کے بعد ایک رات کو انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اس تاریخ کے بعد وہ جہاں بھی جاتے۔ سونے کا کپڑا ساتھ لے جاتے۔ اور اُسے اپنے اوپر تان لیتے۔ تاکہ اسی سعادت کو پھر خواب میں دیکھ سکیں۔ مگر یہ نہ ہوا آخر ایک دفعہ ایک آواز سُنی کہ اس خواب کی دولت چالیس سال کی شب بیداریوں کا

---

[1] نفس کو اس کی خواہشات سے مجبور کرنے اور بُری عادات کو اچھی عادات میں تبدیل کرنے کے لیے جو عملی کوشش کی جاتی ہے۔ اُسے مجاہدہ کہتے ہیں۔

کا ثمرہ د حاصل تھی۔

اس کے بعد دنیا کی دولت کو جمع و خرچ کرنے کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ اس حدیث کو دو طرح روایت کیا گیا ہے۔ ایک اس طرح کہ حَلَالُهَا حِسَابٌ وَحَرَامُهَا عَذَابٌ۔ یعنی جو دولت دنیا حلال طریقے سے جمع کی جائے گی، اس کا حساب دینا ہوگا۔ اور جو حرام ذریعہ سے جمع کی جائے گی اس پر عذاب ہوگا۔ دوسری طرح اس حدیث کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ حَلَالُهَا عَذَابٌ وَحَرَامُهَا عَذَابٌ: دنیا کا حلال بھی عذاب ہے اور حرام بھی عذاب ہے۔ حرام معاملات کا عذاب واضح ہے۔

لیکن مال حلال پر عذاب کیوں! فرمایا کہ ایک آدمی کو آفتاب قیامت کے نیچے کھڑا کیا جائے گا۔ اور اس سے حساب مانگا جائے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ یہ عذاب ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث نہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور وہ یہ ہے:

حَلَالُهَا حِسَابٌ وَحَرَامُهَا عَذَابٌ وَشُبْهَاتُهَا عِتَابٌ

یعنی حلال مال کا حساب ہوگا، حرام پر عذاب ہوگا۔ اور شبہے کے مال پر ناخوشی اور عتاب ہوگا۔

پھر چند لمحے اس امر پر گفتگو رہی۔ بعض مشائخ چاندی سونا قبول نہیں کرتے۔ فرمایا: چاندی سونا لینے اور اُسے خرچ کرنے کی شرائط ہیں: چاندی سونا لینے والے کو چاہیئے کہ جو کچھ لے حق اور انصاف سے لے۔ انہی معنوں میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کے سامنے چاندی سونا پیش کرتا ہے تو گویا وہ اس چاندی سونے کی نذر لینے والے کو علوی سمجھتا ہے۔ اور وہ اس اعتقاد کی بنا پر اس کا عقیدت مند ہے۔ کہ وہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل میں سے ہے اب اگر وہ چاندی سونے کی نیاز قبول کرنے والا علوی نہیں ہے تو اس صورت میں جو کچھ بھی وہ قبول کریگا وہ بالکل حرام ہوگا۔

پھر کچھ دیر یہ گفتگو رہی کہ آدمی کو چاہیئے کہ کسی سے کوئی چیز نہ مانگے، نہ زبان سے مانگے، نہ دل میں یہ سوچے کہ اگر فلاں شخص مجھے کوئی چیز دے تو بڑا اچھا ہو۔ لیکن اگر بغیر مانگے

اور بغیر اس کا خیال کئے کوئی چیز اس کے پاس آئے تو وہ جائز ہوگی۔
اس سلسلے میں آپ نے ایک بزرگ کا ذکر کیا۔ کہ جس نے کہا تھا کہ میں نہ کسی سے کوئی چیز پاتا ہوں۔ اور نہ دل میں اس چیز کی خواہش رکھتا ہوں۔ البتہ جو شخص (از خود) مجھے کوئی چیز دے تو لے لیتا ہوں۔ خواہ دینے والا ایک طرح سے شیطان ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے اس بزرگ کا مقصود یہ ہے کہ جو شخص مجھے کوئی چیز دے، میں لے لیتا ہوں۔ میں کیا جانوں کہ وہ کون ہے یا وہ اس چیز کو کہاں سے لایا ہے۔ بس ہونا یہ چاہیئے کہ میں خود وہ چیز نہ چاہوں۔

پھر چند لمحے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احوال و مقامات کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کو وفات کے وقت اختیار دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ تمہیں اختیار ہے اگر دنیا میں کچھ عرصہ اور رہنا چاہتے ہو تو رہو اور اگر نہیں چاہتے تو انتقال کر جاؤ۔ جب حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال گزرا کہ کون جانے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کچھ عرصہ صحابہؓ کے درمیان رہنا پسند ہے یا آپؐ کو عالم بقاء کی طرف جانا پسند ہے۔ جیسے ہی یہ خیال حضرت عائشہؓ کے دل میں آیا انہوں نے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

مَعَ النبیّین والصدّیقین والشہداء والصّٰلحین برحمتکَ یا اَرحم الراحمین۔
(نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی معیّت میں تیری رحمت کی بدولت، اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے)

فوائد الفواد کا یہ جزو اوائل شعبان ۷۰۷ھ سے اواخر ذی الحجہ ۷۰۸ھ تک کی مدّت میں جو ایک سال پانچ ماہ ہوتی ہے، قلم بند ہوا۔ اگر خدائے عزوجل کی مرضی ہوئی تو آپ کے گراں مایہ ارشادات و افادات میں سے آئندہ بھی جو کچھ سُنا، اُسے اُسی طرح احاطۂ تحریر میں لایا جائے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ بعونہ والقاء حسن توفیقہ؛
بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اعانت سے اور اپنی طرف سے حسن توفیق عطا کر کے یوں چاہا)

جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجۂ راستین قطب الاقطاب فی الارضین ختم المشائخ فی العالمین، نظام الحق والشرع والدین۔ (اللہ مسلمانوں کو ان کی طول عمر سے مستفید فرمائے، آمین) کے مبارک الفاظ اور بابرکت افادات میں سے یہ عالی مرتبہ صفات اور بیش قیمت خوشبوئیں جمع کی گئی ہیں۔ اس سے پہلے اسی طریقے پر چند اور اجزاء قلم بند ہوئے ہیں اور ان کی ایک جلد بن گئی ہے اس کا نام فوائد الفواد رکھا گیا، اُمید ہے کہ اس کے پڑھنے والے اور لکھنے والے کو دو جہان میں طمانیت حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

صُحُفی کہ جمع کردہ تحُفیت پیش یاراں
حسن علاءِ سجزی یکی از اُمید داراں

(یہ جمع کردہ صحیفے احباب کے سامنے تحفوں کے طور پر پیش ہیں۔ حسن علاء سجزی بھی (ان تحفوں کے) امید واروں میں سے ہے)

پہلی مجلس

بدھ وار، ماہ شوال کی انتیس تاریخ، ۷۰۹ھ

قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کرنے پر گفتگو ہوئی۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جوانی کے دنوں میں لوگوں سے میرا بھی بیٹھنا اٹھنا رہا ہے۔ مگر دل میں برابر یہ خیال آتا رہتا تھا کہ میں ان لوگوں سے کس طرح علیحدگی اختیار کروں، اگرچہ یہ لوگ طالب علم تھے۔ اور پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔ پھر بھی بحث و مباحثہ کے باعث میرے دل میں بار بار نفرت پیدا ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ دوستوں سے کہا کہ میں ان کے درمیان نہیں رہنا چاہتا۔ اور یہ کہ میں تمہارے ہاں چند دن کا مہمان ہوں۔

بندہ نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آیا یہ بات جو آپ فرما رہے ہیں آپ کے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کی ہے! آپ نے فرمایا، ہاں۔

دوسری مجلس

بدھوار، سال مذکور، ماہ ذی القعدہ کی ستائیس تاریخ

سعادت پائے بوسی میسر ہوئی۔ اس امر کے بارے میں کہ مرید اپنے پیر کی زیارت کو جاتے

ہیں اور ان میں ہر ایک کئی بار جاتا ہے، گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ کہ میں تین بار شیخ الاسلام فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا ہر سال ایک بار۔۔۔ آپ کے انتقال فرمانے کے بعد سات بار اور گیا ہوں یا چھ بار، مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ البتہ اغلب گمان یہی ہے کہ سات بار گیا ہوں۔ چنانچہ میرے دل میں یہی ہے کہ کہ میں حضرت کی زندگی میں اور آپ کے انتقال کے بعد کل دس بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

بعدازاں فرمایا کہ شیخ جمال الدینؒ ہانسی سے سات مرتبہ شیخ الاسلام فریدالحق والدین کی خدمت میں گئے تھے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ پہلی بار آپ کی خدمت میں تشریف لے گئے تو آپ نے بوقت رخصت حضرت شیخ سے درخواست کی کہ میرے لیے دعا فرمائیں کہ جس طرح میں اس دفعہ آیا ہوں، پھر بھی اسی طرح آؤں اور دست بوسی کی سعادت نصیب ہو۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ دعا کرنے کی ضرورت نہیں تم بارہا آؤ گے۔ بعدازاں وہ اٹھارہ بار حضرت کے پاس گئے۔ اٹھارہویں بار جانے کے بعد جب وہ واپس لوٹنے لگے تو حضرت سے دعا کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ جب میں پہلی بار آیا تھا تو آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا تھا کہ تم بارہا آؤ گے۔ اس وقت سے لے کر اب تک میں انیس بار آیا ہوں۔ اب میں نے اس لیے دعا کی درخواست کی ہے کہ ایک بار اور آؤں تاکہ کل بیس بار ہو جائے۔ حضرت شیخ خاموش ہو گئے۔ شیخ نجیب الدین کو یہ گمان ہوا کہ انہوں نے شاید سُنا نہیں۔ انہوں نے اپنی درخواست دوبارہ دہرائی۔ حضرت نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ شیخ نجیب الدین متوکل واپس آ گئے اور اس کے بعد دونوں بزرگوں کے درمیان

ؒ آپ کچھ عرصہ ہانسی (ضلع حصار) میں خطیب رہے۔ آپ نے ایک عربی کتاب ملہمات تصنیف کی تھی اور فارسی میں آپ کا ایک دیوان تھا۔ شیخ جمال الدین، شیخ فریدالدین شکر گنج کے بڑے محبوب مرید تھے۔ ان کے متعلق حضرت گنج شکر فرمایا کرتے تھے کہ "جمال ہمارا جمال (حسن و خوب صورتی) ہے۔ وہ جب شیخ فریدالدین کے مرید ہوئے تو ہانسی کی خطابت چھوڑ دی۔ اور بڑی تنگی اور غربت میں زندگی گزاری۔ ان کا اپنے مرشد کی زندگی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔

ملاقات نہیں ہوئی۔

پھر شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا۔ فرمایا: وہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچے۔ وہ ان کی خدمت میں سترہ روز سے زیادہ نہیں رہے۔ ان سترہ دنوں میں شیخ شہاب الدین نے اپنی بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں۔ جب شیخ بہاء الدین ہندوستان آئے تو انہوں نے پھر شیخ کی خدمت میں جانے کا عزم کیا۔ جب وہ (بغداد کو) روانہ ہوئے تو شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے شیخ شہاب الدین کی طرف سے آرہے تھے۔ وہ شیخ بہاء الدین کو واپس لوٹا لائے اور کہا کہ شیخ الشیوخ کا یہی فرمان ہے کہ تم واپس لوٹ جاؤ۔

بعد ازاں شیخ بہاء الدین کی بزرگی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ فرمایا: انہوں نے سترہ دنوں میں اپنے شیخ سے وہ نعمتیں حاصل کر لیں جو دوسرے سالوں میں حاصل نہیں کر سکے۔ چنانچہ شیخ الشیوخ کے بعض قدیم مریدوں کو اس سے شکایت پیدا ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے اتنے سال خدمت کی اور ہمیں کوئی نعمت نہیں ملی۔ ایک ہندوستانی آیا اور تھوڑی سی مدت میں مرتبۂ مشیخت اور نعمتِ فراواں سے فیضیاب ہوا۔ جب یہ خبر شیخ الشیوخ نے سنی آپ نے انہیں جواب دیا کہ تم گیلی لکڑیاں لائے تھے۔ اور گیلی لکڑیاں کیسے آگ پکڑ سکتی ہیں۔ زکریا خشک لکڑیاں لایا تھا۔ انہوں نے ایک پھونک میں آگ پکڑ لی۔

تیسری مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ

قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ مسلسل طاعت و عبادت کرنے اور مشغولِ حق کا ذکر چل پڑا تو فرمایا: ہر وجود دو عدموں کے درمیان ہے۔ وہ وجود جو دو عدموں کے درمیان ہوگا اُسے

عدم ہی سمجھنا چاہیئے ۔ چنانچہ عورتیں اگر ایامِ حیض میں ایک روز خون دیکھیں ۔ دوسرے روز انہیں خون نہ آئے اور وہ طُہر کا دن ہو ۔ پھر تیسرے دن وہ خون دیکھیں تو اس بیچ کے طُہر کے دن کا حکم بھی خون کے دن کا ہوگا ۔ بعدازاں آپ کی زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا ۔ اَلْوجُود بَیْنَ العَدَمَیْنِ کالطُہْرُ المتخلل بین الدمین (دو عدموں کے درمیان وجود اس طُہر کی طرح ہے جو دو خونوں کے درمیان ہے) الغرض اس عمر پر جس کا وجود عدم کے حکم میں آتا ہے ۔ کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے اور اس کو بے کاری و غفلت میں کیسے گزارا جا سکتا ہے ۔

بعدازاں آپ نے ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ برابر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا ۔ اور لوگوں سے نہیں ملا جلا ۔ لوگوں نے اس سے کہا یہ کیا بات ہے کہ تم کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور لوگوں سے ملنے جلنے سے پرہیز کرتے ہو ! اس بزرگ نے جواب دیا کہ اس سے پہلے میں کئی ہزار سال معدوم رہا اور اس زندگی کے بعد اسی طرح زمانہائے دراز تک معدوم رہوں گا ۔ اس درمیانی وقفے میں جو تھوڑی سی عمر مجھے ملی ہے اُسے کیوں ضائع کر دوں اور لوگوں سے ملنے جلنے میں اور بے فائدہ باتوں میں مشغول رہ کر اسے کیوں صرف کر دوں ، مجھے یہ زندگی اس انداز سے گزارنی چاہیئے ۔ جس سے خدا خوش ہو ۔

اس وقت مولانا محمود اودھی[۱] دام ورعہ (ان کا تقویٰ و ورع دائم رہے) موجود تھے ۔ اُن سے حضرت خواجہ نے پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو ! انہوں نے بتایا کہ مولانا برہان الدین غریب[۲] دامت فضائلہ (ان کے فضائل کو دوام نصیب ہو) کے مکان میں ۔ اس پر حضرت خواجہ کی زبانِ گوہرافشاں سے ارشاد ہوا ۔ مردِ بے عیب ہو اور جہاں چاہو رہو ۔

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ ہر روز زمین کا ایک ٹکڑا اس کے دوسرے ٹکڑے سے بزبانِ حال اس کا احوال پوچھتا ہے کہ آج کے دن تم پر سے کوئی ذکرِ الٰہی کرنے والا ، یا کوئی غمزدہ آدمی تمہارے

---

۱ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے بعد آپ کے جانشین ہوئے ۔ حضرت چراغ دہلی اودھ کے رہنے والے تھے اس لیے اودھی کہلاتے تھے ۔ وفات ۷۵۷ھ ۔

۲ حضرت خواجہ کے ایک ممتاز مرید جو آپ کے لنگر خانے کے مہتمم تھے ۔

اوپر سے گزرا ہے ۔ اگر زمین کا وہ ٹکڑا کہے کہ نہیں گزرا تو وہ ٹکڑا جس پر سے ایسا آدمی گزرا ہو۔ پہلے ٹکڑے سے خود کو اشرف تر سمجھتا ہے۔

چوتھی مجلس

منگل وار، سال مذکور ماہ ذی الحجہ کی پچیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ اس روز حضرت شیخ کسی عزیز کے جنازے کی نماز پڑھ کر واپس آئے تھے۔ اور اس کے حالات بیان کر رہے تھے آپ نے فرمایا؛ وہ نیک آدمی تھا، اچھے اخلاق کا مالک تھا اور ملنسار تھا۔ اس کا کسی نیک و بد سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ نیکی کی راہ پر گامزن تھا، بس ایک بات تھی کہ اس نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی بعدازاں آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک شخص جب علم حاصل کرتا ہے تو اُسے عزت اور شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ طاعت و عبادت کرتا ہے تو اس کا عمل بہتر ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ پر اُسے پیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ وہ ہر دو یعنی اس کے علم اور عمل کو توڑ دے۔ اور انہیں اس کی نظروں سے گرا دے۔ وہ شخص علم اور عمل کے غرور میں مبتلا ہو جائے۔ اور اس طرح نقصان اٹھائے۔ پھر حضرت خواجہ نے اس متوفی کے بارے میں فرمایا۔ سنا ہے وہ انتقال کے وقت اکیلا تھا۔ اور اپنوں اور غیروں میں سے کوئی شخص اس کے پاس موجود نہ تھا۔ غرض وہ تھا اور حق تعالیٰ۔ یہ کیفیت بڑی عالی شان اور سراسر سعادت، اس سے بات مولانا شہاب الدین خطیب ہانسوی تک پہنچی غرض آپ نے فرمایا کہ انہوں نے دعا و مناجات کے عالم میں عرض کیا، اے خداوند کریم! میں نے تیرے بہت سے عہد و پیماں پورے کیے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ تو میرا یہ عہد پورا کرے گا کہ انتقال کے وقت کوئی شخص

میرے پاس نہ ہو۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالی قدر شخص تھے۔ ہر رات سورۂ بقرہ کی تلاوت کرنے کے بعد سوتے، انہوں نے بتایا کہ ایک رات میں اس سورۃ کی تلاوت کر رہا تھا کہ گھر کے ایک کونے سے آواز آئی ؎

داری سر ما وگرنہ دور از بر ما
ما دوست کشیم و تو نداری سر ما

گھر والے سارے کے سارے سوئے ہوئے تھے، مولانا شہاب الدین حیران رہ گئے کہ یہ کون بول رہا ہے! نیز گھر بھر میں کوئی ایسا نہ تھا کہ اس سے اس طرح کی چیز صادر ہوتی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ دوسری بار یہی شعر سُنا ؎

داری سر ما! وگرنہ دور از بر ما
ما دوست کشیم و تو نداری سر ما

(تمہیں ہمارا خیال ہے! ورنہ ہم تو اس دوست کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جو ہمارے پہلو سے دور ہو، تمہیں ہمارا خیال ہی نہیں)

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب دوبارہ یہ شعر پڑھا تو آپ پر اس قدر گریہ و رقت طاری ہو گئی۔ کہ وہ اس بیان کو پورا نہ کر سکے۔ آپ روتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان مولانا شہاب الدین کی زبان بند ہو گئی۔ انہیں بڑی مصیبتیں پہنچیں انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور ان کا اسی طرح انتقال ہوا۔ جس طرح کے انتقال کی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔

پھر سماع اور اہل سماع کا ذکر ہوا۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ سماع مردوں کے لیے ایک مضبوط کڑی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی ہوئی، خوف عذاب کے باعث ایمان لانا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا، کافر مرتے وقت جب عذاب کا جلوہ دیکھتے ہیں تو اس گھڑی ایمان لے آتے ہیں۔ یہ ایمان کسی شمار میں نہیں آتا کیونکہ یہ ایمان بالغیب نہیں۔ البتہ اگر مومن مرتے وقت توبہ کرتا ہے تو وہ توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ کافروں کا مرتے وقت ایمان لانا قابل قبول نہیں ہے۔

پانچویں مجلس

اتوار، ماہ محرّم کی پندرہ تاریخ ــ ۷۱۸ھ

قدم بوسی کی دولت میسّر آئی۔ مشائخ کی کتابوں اور ان کے تحریر کردہ افادات (فوائد) کا ذکر آیا۔ ایک صاحب وہاں موجود تھے، انہوں نے عرض کیا کہ ایک شخص نے مجھے سرزمین اودھ میں ایک کتاب دکھائی۔ اور کہا کہ یہ حضرت مخدوم یعنی آپ کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ نے اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا: اس نے ٹھیک نہیں کہا ــــ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

بعد ازاں ارشاد ہوا کہ جب شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب لکھی تو انہوں نے کتاب کے شروع میں اپنا نام لکھا۔ اس کے بعد دو تین جگہ اور بھی اپنا نام لکھا۔ اس وقت انہوں نے اپنا نام اس طرح لکھنے کا سبب بتایا اور کہا۔ ہوا یوں کہ میں نے اس سے پہلے غزل واشعار کہے تھے۔ اور ان میں اپنا نام نہیں لایا تھا۔ ایک جوانمرد نے وہ سارے اشعار اپنے نام سے منسوب کر لیے اور اس طرح بے ایمان مرا۔

جب یہ حکایت تمام ہوئی تو پھر بات اس بارے میں ہونے لگی۔ کہ موت کا وقت بڑا مشکل وقت ہے اور اسی طرح یہ جاننا کہ کون ایمان کے ساتھ اس دنیا سے گیا اور کون بغیر ایمان کے، بڑا مشکل ہے۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ مرنے والے کی سلامتی ایمان کی علامت یہ ہے کہ موت کے وقت اس کا چہرہ زرد ہو اور اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ رہا ہو۔ اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا: کہ وفات کے وقت میری والدہ کی سعادت و نیک بختی کی یہی علامت تھی۔

بعد ازاں آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز

ایمان کی نگہداشت کے لیے پڑھنی چاہیئے۔ اس کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص اور ایک بار سورۂ الفلق پڑھی جائے۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص اور ایک بار سورۂ والناس بعدازاں سر بسجود تین بار یہ کہا جائے۔

یاحیُّ یاقیّوم ثبّتنی علی الایمان:

(اے حیّ اے قیوم! مجھے ایمان پر ثابت قدم رکھ)

اس وقت اس نماز کی برکت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا میں نے شیخ معین الدین حسن سجزی[1] قدس اللہ سرہ العزیز کے نواسے خواجہ احمد سے سنا ہے اور یہ خواجہ احمد بڑے صالح آدمی تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو فوج سے تعلق رکھتا تھا۔ اور وہ یہ دو رکعت نماز برابر پڑھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ہم شام کے وقت اجمیر شہر کی حدود میں تھے۔ نماز شام کا وقت ہوگیا۔ وہاں رہزنوں کا ڈر تھا۔ اور رہزن نمودار ہو ہی پڑے تھے ہم نے اسی وقت جلدی جلدی تین رکعت فرض نماز اور دو رکعت سنت ادا کرلی اور شہر کی طرف چل پڑے۔ میرے اس نوجوان ساتھی نے باوجود اس کے کہ اس نے بھی رہزنوں کا کھٹکا اور اسی طرح خوف محسوس کیا تھا۔ پھر بھی اس نے نگہداشت ایمان کی دو رکعت نماز بعد از نماز مغرب پڑھی۔ جب اس نوجوان کی موت کا وقت قریب آیا تو مجھے اس کی خبر ہوئی۔ چنانچہ اس کا حال معلوم کرنے کے لیے عین اس کے آخری وقت میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ دنیا سے ایسے ہی رخصت ہوا۔ جیسے ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرمایا: خواجہ احمد نے اس نوجوان کی وفات کی خبر اس انداز سے بیان کی کہ اگر مجھے کرسیٔ قضا کے سامنے لے جایا جائے تو میں گواہی دوں گا کہ وہ نوجوان ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ الحمد للہ رب العالمین

بعدازاں آپ نے نماز مغرب کے بعد دو رکعت نماز اور پڑھنے کا یوں ذکر فرمایا: کہ میرا ایک ہم سبق دوست تھا۔ اُسے مولانا تقی الدین کہتے تھے۔ وہ ایک صالح اور

---

[1] یعنی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری۔ سن وفات ۶۳۲ھ

دانش مند[1] شخص تھا۔ وہ نماز مغرب کے بعد دو رکعت نماز برابر پڑھا کرتا تھا۔ اس کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ والسماءِ ذات البروج[2] اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد والسماءِ والطارق[3] پڑھتا۔

حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ــ فرمایا کہ جب وہ انتقال کر گیا تو میں نے اُسے خواب میں دیکھا اور اس سے کہا خدائے تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا کہ جب میرا انتقال ہوا تو فرمان آیا کہ ہم نے اسے اس دو رکعت نماز کی بنا پر بخش دیا۔ حضرت خواجہ سے حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ آیا اس نماز کو صلوٰۃ النور کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس نماز کو صلوۃ البروج کہتے ہیں۔ صلوۃ النور اس دو رکعت نماز کو کہتے ہیں جس کی دو رکعتوں میں سورۂ الانعام کی ابتداء کی آیات پڑھتے ہیں۔ پہلی رکعت میں شروع سورۃ سے یَعْدِلُوْنَ تک اور دوسری رکعت میں اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا سے شروع کر کے یَعْدِلُوْنَ پر ختم کرتے ہیں۔

بعد ازاں آپ نے مغرب کے وقت اور طلوع آفتاب کے وقت عبادت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب رات آتی ہے تو فرشتہ کعبے کی چھت پر کھڑا ہو کر ندا کرتا ہے اے خدا کے بندو اور محمدؐ کے امتیو! خدائے تعالیٰ نے تمہیں یہ رات عطا کی ہے اور تمہیں ایک اور رات سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ وہ رات قبر کی رات ہے اس رات کے لیے توشہ فراہم کرنے کی خاطر اس رات میں ایک کام کر لو۔ وہ کام یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد پانچ بار قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْن پڑھو اور دوسری رکعت میں بھی یہی۔ پھر جب دن نکلتا ہے تو یہی فرشتہ بیت المقدس کی چھت پر کھڑا ہو کر ندا کرتا ہے۔ کہ اے خدا کے بندو! اور محمدؐ کے امتیو! خدا تعالیٰ نے تمہیں یہ دن عطا کیا ہے۔ اور تمہیں ایک اور دن سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ وہ دن قیامت کا دن ہے۔ اس دن کے لیے توشہ فراہم کرنے کی خاطر اس دن میں کوئی

---

[1] دانش مند جو شخص علوم ظاہری سے بہرہ مند ہوتا، اُسے اس زمانے میں دانش مند کہا جاتا تھا۔

[2] سورۂ البروج۔

[3] سورۂ الطارق۔

ایک کام کرلو اور وہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو اور اس کی ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پانچ بار سورۂ اخلاص پڑھو۔ بعد ازاں آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ کہ شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ والغفران نے اس بارے ایک حدیث روایت کی تھی۔ مجھے حدیث کے الفاظ یاد نہیں رہے اس کے معنی وہی تھے جو بیان ہوئے۔

پھر اولیا کی موت اور ان کے احوال اور بعد ازاں موت کا ذکر رہا۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ اولیاء انتقال کے وقت تک یوں ہوتے ہیں گویا کوئی شخص سو رہا ہو اور اس کا معشوق اس کے بستر میں موجود و حاضر ہو۔ انتقال کے وقت وہ یوں ہوتے ہیں گویا وہ سونے والا ناگاہ نیند سے بیدار ہو اور وہ اپنے معشوق کو جسے وہ ساری عمر طلب کرتا رہا ہے، اپنے بستر میں دیکھے پھر دیکھ لو کہ اس شخص کو کتنی خوشی اور فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ آیا بعض ایسے اولیاء بھی ہوتے ہیں۔ جن کو اسی جگہ نعمت کا مشاہدہ ہو جاتا ہے! فرمایا۔ ہاں البتہ وہ نعمت جو وہ اس گھڑی دیکھتے ہیں اس نعمت کو جب درجۂ کمال پر پاتے ہیں۔ تو اس کا عالم بالکل ایسا ہی ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص سویا ہوا ہو اور جب وہ بیدار ہو تو اپنے معشوق کو اپنے بستر میں پائے۔ اس حدیث کے مطابق کہ اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوا انْتَبَھُوا یعنی لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مرتے ہیں تو جاگ پڑتے ہیں۔ غرض اس جگہ ہر شخص اپنی دھن میں کھویا رہتا ہے۔ جب وہ مرتا ہے تو اُسے وہ کچھ دے دیا جاتا ہے جس کا وہ طالب ہو۔

بعد ازاں آپ نے اولیاء کی موت کا ذکر کرتے ہوئے یہ حکایت بیان کی۔ فرمایا بدایوں میں میرا ایک دوست تھا جس کا نام احمد تھا۔ وہ بڑا صالح، عبادت گزار اور ابدال صفت شخص تھا اگرچہ ان پڑھ تھا۔ لیکن دن بھر شرعی مسائل اور ان کے احکام کی تحقیق میں مشغول رہتا اور ہر کسی سے ان کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ جب میں دہلی آیا تو وہ بھی دہلی آگیا۔ ایک دن راستے میں ملاقات ہوگئی۔ مجھے دیکھا اور بڑی گرم جوشی سے خیر و عافیت پوچھی۔ بعد ازاں میری والدہ کی خیریت معلوم کی۔ اُسے میری والدہ کی بیماری کا علم تھا۔ لیکن ان کی وفات کا علم نہ تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میری والدہ تو رحمت حق سے ہم کنار ہوگئی ہیں۔ اس نے کہا، خدا تمہیں بقا عطا کرے۔ پھر چند لمحے اس پر اضطراب کے آثار طاری رہے۔ اس کا

رنگ اڑ گیا اور وہ رونے لگا۔

جب حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو ان پر رقت و گریہ کچھ اس طرح غالب آگیا کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا بخوبی سمجھ میں نہ آیا۔ اس رقت و گریہ کے دوران میں یہ دو شعر ان کی زبان مبارک سے ارشاد ہوئے معلوم نہیں یہ انہوں نے احمد سے روایت کئے یا خود کہے شعر یہ ہیں ؎

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نہ کرد   شبہلئے وصال را بزنجیر نکرد

گر وصل یار تو یاری کند دیا نکند   باری کے فراق ہیچ تقصیر نکرد

(افسوس میرے دل نے کوئی تدبیر نہ کی اور وصال کی راتوں کو زنجیر نہ ڈالی۔ وصل یار نے تمہارا ساتھ دیا ہے یا نہیں دیا ہے۔ وہ تو الگ بات رہی، البتہ فراق نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی)

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد یہ احمد اس دنیا سے رحلت کر گیا۔ میں نے اس کی موت کے بعد ایک رات اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ اسی طرح اپنی عادت کے مطابق مجھ سے شرعی مسائل و احکام پوچھ رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ تو کیا پوچھ رہا ہے۔ یہ چیزیں تو زندگی میں کام آتی ہیں۔ کیا تم مر نہیں چکے ہو! جب اس نے میری یہ بات سنی تو کہا کہ تم اولیا اللہ کو مردہ کہتے ہو۔

اس حکایت کے دوران میں ایک ملنگ آگیا۔ اور اس نے کچھ ناشائستہ کلمات کہے جو ان کی مجلس کے شایاں نہ تھے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ کچھ نہ کہا اور وہ جو آس لے کر آیا تھا۔ اُسے پورا کر دیا۔ بعد ازاں آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ان سے کہا کہ یوں بھی ہونا چاہیئے۔ یہاں بہت سے لوگ ایسے آتے ہیں۔ جو قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں اور نذر نیاز لاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں ایسے لوگ بھی آنے چاہئیں۔ جو آئیں اور بے رو رعایت جو چاہیں، کہیں اِن باتوں سے اُن باتوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔

اس وقت آپ نے بیان کیا کہ ایک بار ان پریشاں گفتاروں میں سے ایک شخص آیا اور جو جی میں آئی اس نے مجھ سے کہی۔ میں نے اس کا بالکل کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر وہ بولا جب تک دنیا باقی رہے ہماری زیادتی اور آپ کا تحمل بھی باقی رہے۔

بعد ازاں ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہا کہ تم نے اپنے آپ کو کیا بُت بنا رکھا ہے! حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے نہیں بنایا، خدا نے بنایا ہے۔ پھر وہ شخص بولا کہ نہیں تم نے خود اپنے آپ کو بُت بنا رکھا ہے، حضرت شیخ نے فرمایا نہیں جو کچھ بنایا ہے، خدا نے بنایا ہے۔ اس جھگڑالو نے جب یہ سُنا تو شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا۔

بعد ازاں آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ فرمایا: ایک دفعہ کچھ ملنگ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ وہ ایسے لوگوں سے بہت بگڑتے تھے۔ جب وہ ملنگ آئے تو انہوں نے آپ سے کچھ طلب کیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے انہیں کچھ نہ دیا۔ ملنگ باہر آ گئے اور دنگا فساد پر اُتر آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے انیٹیں اٹھا لیں۔ شیخ نے خانقاہ کا دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور ان لوگوں نے در خانقاہ کو اینٹوں کا نشانہ بنانا شروع کیا کچھ وقت گزرا تو شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا میں شیخ شہاب الدین سہروردی کا بٹھایا ہوا ہوں۔ میں خود یہاں نہیں بیٹھا۔ مجھے ایک مرد نے اس جگہ بٹھایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ خانقاہ کا دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھول دیا گیا تو ملنگوں نے سر زمین پر رکھ دیئے اور پھر لوٹ گئے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ پہلے شیخ بہاء الدین زکریا نے خانقاہ کا دروازہ بند کرنے کو کہا۔ وہ ان کی بشریت تھی نیز وہ وقت معلوم نہیں کیسا وقت تھا۔ پھر جب وہ گھڑی گزر گئی تو آپ نے دروازہ کھول دیا۔ اسی مناسبت سے آپ نے اس وقت ذکر کیا کہ جنگ احد میں بہت سے صحابہ رضؓ شہید ہو گئے تھے۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا۔ اے محمدؐ! آپ بھی لحظہ بھر کے لیے ان شہیدوں کے درمیان پڑے رہیئے تاکہ غضب کی گھڑی گزر جائے۔

چھٹی مجلس

بدھوار، سنہ مذکور ماہ محرم کی پچیس۲۵ تاریخ

سعادت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ ان لوگوں کا ذکر ہونے لگا۔ جنہوں نے دولت کے خزانے جمع کر رکھے ہیں۔ خزانے جتنے بھی بڑھیں وہ اس سے بھی زیادہ کے طلب گار ہوں گے۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ حق تبارک وتعالیٰ نے رنگا رنگ کی طبیعتیں بنائی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کی دس درہم میں گزر بسر ہو سکتی ہے۔ اگر اُسے اس رقم سے کچھ زیادہ مل جائے تو اس کو اس وقت تک قرار نہیں آتا۔ جب تک اس زاید رقم کو خرچ نہ کر دے۔ بعض ایسی طبیعتیں بنائی ہیں کہ انہیں جتنا زیادہ ملتا ہے وہ اور زیادہ طلب کرتی ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ چیز ازل سے ان کی قسمت میں ہوتی ہے۔

بعد ازاں فرمایا کہ سونے چاندی سے راحت اس کے خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا لوگوں کو اس وقت تک کسی شے میں راحت نہیں ملتی جب تک وہ سونا چاندی خرچ نہ کریں۔ مثلاً ایک شخص چاہتا ہے کہ کوئی بڑا اچھا لباس پہنے یا وہ بہتر سے بہتر کھانے کی آرزو کرتا ہے۔ غرضیکہ وہ جس شے کی بھی تمنا کرتا ہے۔ جب تک اس کے لیے خرچ نہ کرے، وہ تمنا پوری نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اگر سونے چاندی میں راحت ہے۔ تو وہ اس کے خرچ کرنے میں ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سونا چاندی جمع کرنے کی غرض یہ ہونی چاہیئے کہ اس سے دوسروں کو نفع پہنچے۔ اسی سلسلے میں ارشاد ہوا کہ ابتدا ہی سے میرا دل کسی چیز کو جمع کرنے کی طرف مائل نہ تھا اور میں کبھی دنیا کے پیچھے نہیں بھاگا۔ بعد ازاں میں شیخ الاسلام فرید الدین کی جناب سے وابستہ ہو گیا۔ گویا ایسی جگہ سے وابستہ ہو گیا۔ کہ ان کی نظر میں دونوں جہان بھی نہیں جچتے

تھے۔ انہوں نے دونوں دنیا جہانوں سے یکبارگی قطع تعلق کر رکھا تھا۔

بعدازاں فرمایا کہ شروع شروع میں مجھے معاش کی تنگی رہتی تھی لیکن خوب گزرتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک روز کافی شام گزرنے کے بعد ایک شخص میرے پاس نصف تنکہ لے آیا۔ میں نے کہا کہ آج تو شام ہوگئی! اور جو ضرورت تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ میں اس رقم کو کل خرچ کروں گا۔ جب رات ہوئی اور میں عبادت میں مشغول ہوا۔ تو اس نصف تنکہ نے میرا دامنِ دل پکڑ لیا! اور اپنی طرف کھینچنے لگا۔ جب میں نے اپنی یہ حالت دیکھی تو میں نے کہا۔ خداوندا! صبح کب ہوگی اور کب میں اس نصف تنکے سے جدائی اختیار کروں گا۔

ساتویں مجلس

ہفتہ سنۂ مذکور۔ ماہ صفر کی پانچ تاریخ

اللہ اس مہینے کو خیر و برکت اور کامیابی سے اختتام تک پہنچائے۔ قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی اصحاب ولایت کے "قدم"[1] کے بارے گفتگو ہونے لگی۔ ان میں سے بعض اڑنے پر بھی قادر ہیں۔ اس بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ بدایوں میں ایک واعظ تھا اس کا منبر ایک دیوار سے متصل تھا۔ اس دیوار میں چند طاقچے تھے۔ اور وہ منبر سے کم و بیش ایک آدمی کے قد کے برابر اونچے تھے۔ اور اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ کوئی آدمی ان کے اُوپر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس واعظ پر وعظ کے دوران میں ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ وہ اس کیفیت میں منبر سے اچھلتا اور ان طاقچوں میں جا کر بیٹھ جاتا۔

---

[1] ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر چلے پہنچ جانا۔

اسی حکایت کی مناسبت سے آپ نے ایک حکایت یہ بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ایک جوگی اُچ پہنچا۔ وہ بحث مباحثے کے لیے شیخ صفی الدین گازرونی سے ملا۔ ہوتے ہوتے اُس نے شیخ سے کہہ دیا کہ آؤ ہمیں "قدم" دکھاؤ۔ شیخ نے جواب دیا کہ دعویٰ تم کر رہے ہو۔ تم "قدم" دکھاؤ۔ جوگی زمین سے ہوا میں ابھرا اس طرح کہ اس کا سر چھت سے جالگا۔ وہاں سے وہ سیدھا نیچے کو اُتر آیا۔ اس کے بعد وہ شیخ سے کہنے لگا کہ اب آپ قدم دکھائیں۔ شیخ صفی الدین گازرونی نے آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا، اے خدا! تو نے غیر کو یہ قدم دیا ہے مجھے بھی یہ صلاحیت مرحمت فرما۔

ازاں بعد شیخ اپنی جگہ سے اوپر کو ابھرے اور قبلہ کی جانب پرواز کی، وہاں سے شمال کا رُخ کیا، پھر وہ جنوب کی طرف اُڑے اس کے بعد وہ اپنی جگہ پر آئے۔ اور بیٹھ گئے۔ جوگی حیران رہ گیا اور سر شیخ کے قدموں میں رکھ کر کہا ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔ کہ زمین سے سیدھے اُوپر کی طرف اٹھ جائیں۔ اور اسی طرح نیچے اتر آئیں باقی دائیں بائیں جانا اپنے لیے ممکن نہیں۔ آپ ہیں جو ہر طرف اڑتے چلے گئے۔ یہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے، اپنا جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔

اسی طرح کی حرکت ارادی کے بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ ایک دفعہ ایک فلسفی خلیفہ کی خدمت میں آیا، اپنی کتابیں ساتھ لایا تھا۔ اس نے چاہا کہ خلیفہ کو راہ حق سے برگشتہ کر دے۔ خود خلیفہ نے بھی اس کے علم کی طرف رغبت ظاہر کی۔ لوگوں نے یہ خبر شیخ شہاب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچائی۔ شیخ اس خبر کو توجہ سے سنتے رہے اور فرمایا۔ اگر خلیفہ کا میلان ان فلسفیوں کی طرف ہو گیا۔ تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔ شیخ یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھے اور خلیفہ کے محل میں جا پہنچے۔ اس وقت خلیفہ اس بدبخت فلسفی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور فلسفے ہی کے باب میں اس کے ساتھ مشغول بحث تھا۔ جب اُسے خبر پہنچی کہ شیخ شہاب الدین آئے ہیں تو اس نے ان کو اندر بلا لیا۔ جب شیخ اندر پہنچے اور انہوں نے خلیفہ اور فلسفی کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اس وقت تم کیا بحث کر رہے تھے! خلیفہ نے کہا ہم کوئی اور بات کر رہے تھے۔ اس طرح فلسفے کی بحث کو مخفی رکھا۔ شیخ نے اصرار فرمایا اور کہا کہ جو

باتیں تم کر رہے ہو، بیان کرو۔ جب شیخ کا اصرار بہت بڑھ گیا تو فلسفی نے کہا کہ ہم اس وقت یہ بحث کر رہے تھے کہ آسمان کی حرکت طبعی ہے۔ حرکت کی تین قسمیں ہیں طبیعی، ارادی اور قسری۔ حرکت طبیعی یہ ہے کہ ایک چیز خود اپنی طبیعت سے حرکت کرے۔ جیسے ایک پتھر کو جب ہاتھ سے پھینکتے ہیں تو وہ لازماً زمین پر گرتا ہے۔ حرکت ارادی یہ ہے کہ خود ایک چیز اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے جس طرف چاہتی ہے حرکت کرتی ہے۔ جبری حرکت یہ ہے کہ اُسے کوئی دوسری چیز حرکت میں لائے۔ مثلاً ایک پتھر کو ہوا میں پھینکنا۔ اُسے حرکت قسری کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب کسی چیز کو ہوا میں پھینکا جائے اور بعد میں جس قوت سے اُسے ہوا میں پھینکا گیا تھا وہ کم ہو جائے تو یقیناً یہ چیز اپنی خاصیت کی بنا پر زمین پر گرے گی۔ اسے حرکت طبیعی کہتے ہیں۔

فلسفی نے کہا کہ اس وقت ہم یہ بحث کر رہے تھے کہ آسمان کی حرکت، حرکتِ طبیعی ہے۔ شیخ نے کہا نہیں اس کی حرکت، قسری حرکت ہے ان سے کہا گیا یہ کیسے! شیخ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ اس صورت اور اس ہیئت کا ہے۔ وہ خدائے عزوجل کے فرمان سے آسمان کو گھما رہا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے یہ سُن کر وہ فلسفی ہنس دیا۔ بعد ازاں شیخ نے خلیفہ کو اور اس فلسفی کو اس چھت کے نیچے سے جہاں وہ بیٹھے ہوئے تھے باہر لے آئے اس وقت انہوں نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا۔ اے خُدا! جو کچھ تو نے اپنے خاص بندوں کو دکھایا ہے۔ انہیں بھی دکھا دے۔ پھر شیخ نے خلیفہ اور فلسفی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آسمان کی جانب نظر کرو۔ ان دونوں نے آسمان کی جانب نظر کی اور وہ فرشتہ دیکھا جو آسمان کو گھما رہا تھا۔ اسی وقت خلیفہ اس فلسفی کے مسلک سے ہٹ گیا اور دینِ اسلام میں اس کا عقیدہ پکا ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آٹھویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ ربیع الاوّل کی ستائیس تاریخ

سعادت پائے بوسی میسر ہوئی شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے حالات بیان کیے جارہے تھے۔ فرمایا، حضرت اکثر شربت سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ ایک بڑا پیالہ تھا اس میں شربت لایا جاتا۔ اس میں تھوڑا سا منقیٰ ڈال دیتے۔ اس پیالے میں سے نصف یا تہائی حصہ جملہ حاضرین میں تقسیم کرتے۔ اس شربت میں سے کچھ ایک برتن میں ڈالتے اور اس میں اور پانی ڈال کر پھر حاضرین مجلس کو دیا جاتا۔ باقی ایک تہائی جورہ جاتا۔ وہ اپنے مصرف میں لاتے۔ اور اس میں سے جو بچ جاتا وہ اُسے دے دیتے جو اس کے لیے درخواست کرتا اور جس کے نصیب میں ہوتا۔

بعدازاں نماز سے پہلے دو چپڑی ہوئی روٹیاں لائی جاتیں۔ یہ دونوں روٹیاں ایک سیر[1] سے کم وزن کی ہوتیں۔ ان میں سے ایک روٹی کے ٹکڑے کرتے اور انہیں تمام حاضرین میں تقسیم فرماتے ایک روٹی وہ خود کھاتے اور اس خاص روٹی میں سے جو بھی کوئی مانگتا اُسے عطا کرتے، نمازِ شام ادا کرنے کے بعد پوری طرح مشغولِ حق ہو جاتے۔ اس کے بعد دسترخوان سامنے لایا جاتا۔ اور جو جو بھی کھانا ہوتا رکھا جاتا۔ جب یہ کھانا ختم ہو چکتا تو اور کھانا تناول نہ فرماتے۔ یعنی دوسرے دن روزے کے افطار تک۔

---

[1] سیر سے اس دور کا سیر مراد ہے جو چوبیس تولے وزن کا نام تھا۔ ہمارے حساب سے گویا دو روٹیاں تقریباً پانچ چھٹانک ہوئیں۔ ویسے آج کے ایران میں پانچ تولے کے وزن کو بھی سیر کہا جاتا ہے۔ یعنی ہمارے وزن چھٹانک کے برابر۔

بعدازاں فرمایا کہ حضرت شیخ کو غدہ (گلے کی بیماری) کی شکایت تھی. اور اسی بیماری میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرماتے تھے کہ ایک رات کو حضرت آرام فرما رہے تھے اور میں خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک چارپائی بچھائی اور وہی کمبل جس پر آپ دن کو بیٹھے رہتے تھے چارپائی پر ڈال دیا۔ وہ کمبل چونکہ چارپائی کی پائنتی تک نہیں پہنچتا تھا۔ لہذا جہاں آپ کے پائے مبارک تھے وہاں ایک چادر لا کے ڈال دی گئی ۔اگر آپ رات کو چادر اُوپر اوڑھتے تو چارپائی کی اس جگہ پر کوئی بچھونا نہ رہتا۔حضرت شیخ کے پاس ایک عصا تھا۔ جو انہوں نے اپنے پیر شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے حاصل کیا تھا۔ یہ عصا لاکر آپ کی چارپائی کے سرہانے کی طرف رکھا گیا۔ حضرت شیخ اس عصا پر ٹیک لگا کر استراحت فرمایا کرتے۔ جب بھی اس پر آپ کا ہاتھ پڑتا اُسے چُوم لیتے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایک دن اسی بیماری کے دوران میں مجھ سے اور چند اور اصحاب سے ارشاد کیا کہ فلاں احاطے میں جا کر رات بھر جاگو۔ اور میری صحت کے لیے دعا کرو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ میں اور دوسرے اصحاب اس احاطے میں گئے۔ اس احاطے میں ایک چھت بھی تھی ہم اس چھت پر چلے گئے۔ کھانا اپنے ساتھ لے گئے۔ رات بھر ہم وہاں رہے اور دعا کرتے رہے۔ جب دن ہوا تو ہم حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا کہ ہم آپ کے فرمان کے مطابق جاگتے رہے اور دُعا کرتے رہے۔ حضرت شیخ نے تھوڑا سا تامل کیا۔ بعدازاں فرمایا ۔مگر تماری دعا سے صحت کے کوئی آثار تو ظاہر نہیں ہوئے۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تو حضرت شیخ کے ارشاد کا جواب دینے میں کچھ متامل رہا۔ لیکن حضرت کا ایک مرید تھا جسے علی بہاری کہتے تھے۔ وہ میرے پیچھے کھڑا تھا۔ وہیں سے بولا کہ ہم تو ناقص لوگ ہیں اور آپ کی ذات مبارک شیخ کامل کی ذات ہے۔کاملوں کے حق میں ناقصوں کی دعا کیسے قبول ہو! شاید یہ بات حضرت شیخ نے نہ سنی۔ میں نے بعینہٖ یہی بات ان کے سمع مبارک تک پہنچائی ۔ بعدازاں آپ میری طرف متوجہ ہوئے ۔اور ارشاد فرمایا کہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ

خدا سے مانگو گے، وہ پاؤ گے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا عصا مجھے عطا فرمایا۔

اس دوران میں بندے (حسن علاء سجزی) نے عرض کیا کہ کیا آپ حضرت شیخ کے انتقال کے وقت ان کے پاس موجود تھے! آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ حضرت شیخ نے مجھے ماہ شوال میں دہلی بھیج دیا تھا۔ اور ماہِ محرم کی پانچویں کو رات کے وقت انتقال فرما گئے۔ رحلت کے وقت انہوں نے مجھے یاد کیا اور فرمایا کہ فلاں دہلی میں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد کیا کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی رحلت کے وقت میں بھی ان کے پاس موجود نہ تھا۔ ہانسی میں تھا۔

حضرت خواجہ نے —— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کی تو آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ سب حاضرین متاثر ہوئے۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ کا مرض زور پکڑ گیا اور اسی دوران میں رمضان کے روزے آ گئے تو آپ نے روزے نہ رکھے۔ ایک دن خربوزہ لایا گیا اور اس کی قاشیں کر کے حضرت شیخ کے سامنے رکھی گئیں آپ نے انہیں تناول فرمایا۔ اسی دوران میں خربوزے کی ایک قاش آپ نے مجھے عطا کی۔ میں نے چاہا کہ اُسے کھاؤں۔ دل میں ارادہ کر لیا کہ روزہ توڑنے کا کفارہ دو ماہ کے متصل روزے رکھ کر ادا کر دوں گا۔ یہ سعادت جو خود حضرت نے اپنے دستِ خاص سے بخشی ہے پھر کہاں نصیب ہوگی۔ قریب تھا کہ میں خربوزے کی اس قاش کو کھا لیتا کہ آپ نے فرمایا۔ ایسا نہ کرنا مجھے تو شریعت کی طرف سے رخصت (اجازت) ہے، تمہیں نہیں کھانا چاہیئے۔ لوگوں نے حضرت خواجہ سے پوچھا کہ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے کتنی عمر پائی۔ تو آپ نے فرمایا ترانوے سال۔

اس روز حضرت خواجہ نے یہ مطالب بیان فرمائے، ان کے سننے سے اتنی لذت حاصل ہوئی کہ بیان میں نہیں آ سکتی۔ جب رات ہوئی، عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے مجھے اپنا خاص مصلیٰ مرحمت فرمایا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

نویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی دس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ دعا کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ فرمایا: مصیبت کے نازل ہونے سے قبل دعا کرنی چاہیئے۔ آپ نے عربی زبان میں بیان کیا کہ مصیبت جب اوپر سے نازل ہوتی ہے اور دعا نیچے سے اوپر کو جاتی ہے۔ تو ہر دو کا فضا میں آمنا سامنا ہو جاتا ہے۔ اگر دعا میں قوت ہو تو وہ مصیبت کو واپس لوٹا دیتی ہے اور اگر قوت نہ ہو تو مصیبت نیچے کو اتر آتی ہے۔

اس بات کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ جب تاتاری کفار نے یلغار کی اور مغلوں کی یہ مصیبت نیشا پور کے پاس پہنچی[۱] تو وہاں کے بادشاہ نے ایک آدمی کو شیخ فریدالدین عطار قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیجا اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ دعا کا وقت گزر گیا۔ اب وقت رضا ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے مصیبت نازل ہو چکی ہے۔ اب اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے سپرد کرنا چاہیئے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ نزول مصیبت کے بعد بھی دعا کرنی چاہیئے۔ اس سے خواہ مصیبت دور نہ ہو لیکن اس کی سختی کم ہو جاتی ہے۔

گفتگو کا یہ سلسلہ صبر و رضا تک پہنچ گیا فرمایا ــــ صبر یہ ہے کہ جب بندہ کسی ناگوار صورتِ حال سے دوچار ہو۔ صبر کرے اور شکایت نہ کرے۔ رضا یہ ہے کہ جب کوئی بندہ کسی ناگوار صورتِ حال

---

[۱] نیشاپور پر یہ حملہ ۶۲۱ھ میں کیا گیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ اس حملے کے نتیجے میں نیشاپور اور اس کے اردگرد کے علاقے میں سترہ لاکھ سینتالیس ہزار آدمی مارے گئے۔ تاتاریوں نے پورے شہر کو برابر کر کے وہاں فصل بو دی۔ شہر کی آبادی سے صرف چار سو کاریگر زندہ بچے۔ جنہیں تاتاری اپنے ساتھ لے گئے۔

سے دوچار ہو تو اُسے بالکل ناگواری کا احساس نہ ہو گا۔ گویا وہ بلا اس تک پہنچی ہی نہیں۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ متکلمین ان معانی و مطالب کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ہرگز تصور میں نہیں آسکتا کہ کوئی کسی ناگوار صورت حال سے دوچار بھی ہو اور پھر اُسے ناگواری کا احساس نہ ہو۔ آپ نے فرمایا ان کے اس اعتراض کے کئی جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی راستے پر جارہا ہے اور اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے۔ خون بہنے لگتا ہے مگر وہ اسی جلدی میں چلا جاتا ہے۔ اس کا دل کسی ایسی چیز میں مشغول ہوتا ہے۔ کہ اُسے اپنے پاؤں میں کانٹا چبھنے کی، خبر تک نہیں ہوتی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی کہیں اُسے اس کا علم ہوتا ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کوئی شخص لڑائی میں مصروف ہے۔ اسے زخم لگا مگر وہ لڑنے میں اس درجہ مستغرق ہے کہ وہ اس زخم سے آگاہ ہی نہیں ہوتا۔ بعد ازاں جب وہ اپنی جگہ پر واپس آتا ہے تو اسے اس زخم کا علم ہوتا ہے۔ پھر جب کسی چیز میں مشغولیت اور استغراق، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ کسی شخص کو زخم اور چوٹ کے دردوں سے بے خبر کر دیتا ہے تو وہ شخص جو مشغولِ حق اور یادِ الٰہی میں مستغرق ہو۔ اس کے لیے ایسا ہونا تو اور بھی زیادہ صحیح ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے، کہ ایک شخص کو کسی الزام میں پکڑ لیا گیا اُسے ہزار ڈنڈے مارے گئے۔ مگر وہ بالکل نہ رویا دھویا۔ یہ بھی کسی کو پتہ نہ چلا کہ اسے چوٹ لگنے سے کوئی درد ہوا ہے۔ اس تادیب کے بعد لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے تمہیں ڈنڈے لگنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس نے کہا جب وہ مجھے مار رہے تھے تو میرا معشوق مجھے دیکھ رہا تھا اس کی نظر میں ہونے کی وجہ سے مجھے ان ضربوں سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ اگر وہ شخص جس پر معشوق مجازی کی نظر ہو درد سے بے خبر ہو سکتا ہے تو وہ جو مشغول معشوق حقیقی ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ بے خبر ہوگا۔

پھر توکل کا ذکر ہوا، آپ نے فرمایا: توکل کے تین درجے ہیں۔ اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور کو اپنے مقدمے میں وکیل مقرر کرتا ہے۔ اور وہ وکیل عالم بھی ہو اور مؤکل کا دوست بھی۔ پس یہ موکل یعنی وکیل مقرر کرنے والا بالکل مطمئن و مامون ہوگا اور کہے گا کہ میرا ایک وکیل ہے

جو مقدمے کے بارے میں دانا اور سمجھ دار بھی ہے ، اور میرا دوست بھی ہے ، اس صورت میں دوسرے کو اپنا وکیل بنانے کے باوجود اس پر سوالات بھی ہوں گے ۔ چنانچہ موکل گاہ بگاہ وکیل سے کہے گا کہ اس دعوے کا یوں جواب دو اور اس کام کو اس طرح انجام تک پہنچاؤ ۔ غرض توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ توکل بھی ہو اور سوال بھی ۔ توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک شیر خوار بچہ ہے ۔ ماں اُسے دودھ پلاتی ہے ، یہ توکل ہوگا ۔ اس میں سوال نہیں ہوگا ۔ یہ بچہ ماں سے یہ نہیں کہے گا کہ مجھے فلاں وقت دودھ پلانا ، ہاں وہ دودھ کے لیے روئے گا ضرور لیکن وہ ماں سے تقاضا نہیں کرے گا اور نہ یہ کہے گا کہ مجھے دودھ پلاؤ ۔ اُسے اپنی ماں کی شفقت و محبت پر پورا بھروسہ ہے ۔ توکل کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ جیسے ایک مردہ ہو ۔ غسل دینے والے یعنی غسال کے روبرو یہ مردہ نہ ہل جل سکتا ہے نہ کوئی تصرف کر سکتا ہے ۔ اور نہ سوال ، اُسے غسال جس طرف چاہے لٹا دے اور نہلائے ۔ توکل کا یہ تیسرا درجہ ہے ۔ یہ سب سے اعلیٰ ہے اور سب سے بلند مقام رکھتا ہے ۔

مجلس میں کھانا لایا گیا ۔ حاضرین میں سے ایک نے مزاح و خوش طبعی کے طور پر کہا کہ میں فلاں جگہ موجود تھا ۔ اگرچہ وہاں میں نے سیر ہو کر کھایا لیکن یہ شوربا جو میرے سامنے لایا گیا ہے ۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا ۔ اس نے یہ اور اس طرح کے دیگر مزاحیہ کلمات کہے ۔ حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ، مسکرائے اور اس موقعہ کی مناسبت سے فرمایا : میں ایک دفعہ شیخ جمال الدین خطیب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں گیا صبح کا وقت تھا اور سردی کا موسم ، شیخ جمال الدین میری طرف متوجہ ہوئے ۔ اور یہ دو مصرعے کہے ؂

باروغنِ گاؤ اندریں روزِ خُنک — نیکو باشد ہریسہ و نانِ تُنک

(اس ٹھنڈے دن میں گائے کے گھی سے پکا ہوا ہریسہ[1] اور پتلی روٹی بہت اچھی رہے گی) میں نے کہا غیر موجود کا ذکر غیبت ہے ۔ شیخ جمال الدین نے کہا کہ میں نے اسے لا رکھا ہے ۔ اسی لیے تو ذکر کر رہا ہوں ۔ پس اسی وقت جو کچھ کہا تھا لا کے سامنے رکھ دیا ۔

---

[1] گیہوں کے دلیے کو گوشت گھی اور نمک وغیرہ سے ملا کر پکایا جاتا ہے ۔

حضرت خواجہ نے اس کھانے کی نسبت سے جو موجود تھا اور جس پر دسترخوان ڈالا ہوا تھا ایک حکایت بیان کی. فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص جسے محمد کہتے تھے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ کھانا سامنے لایا گیا. شاید دسترخوان موجود نہ تھا حضرت شیخ نے فرمایا کہ کھانا زمین پر ہی رکھ دو۔ جو لوگ وہاں موجود تھے ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر دسترخوان ہوتا تو اچھا تھا۔ حضرت شیخ نے تسبیح والی انگلی سے زمین پر ایک گول دائرہ کھینچا اور اس شخص سے کہا کہ محمد سمجھ لے کہ یہی دسترخوان ہے. لبعدازاں فرمایا کہ یہ حضرت شیخ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔

دسویں مجلس

جمعہ، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی تئیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر آئی. اس ہفتے کاتب السطور کو تنخواہ رک جانے کی وجہ سے پریشانی اور دلی تنگی تھی. جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا: آج سے کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک شخص بڑے بزرگ تھے وہ مجھ سے کئی بار ملے اور باتیں کیں۔ ان کی شان وشکوہ کی وجہ سے ان کا نام اور لقب بھی نہ پوچھا جاسکا. جب بھی وہ مجھے راستے میں ملتے، کوئی نہ کوئی حکایت ضرور بیان کرتے. پہلی دفعہ جب وہ مجھ سے ملے تو فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ تم ایسے ہی ہو جاؤ گے. جیسا تمہارے بارے میں لوگوں کا اعتقاد ہے. حضرت خواجہ۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے. یہ قصہ سنانے کے بعد ان بزرگ کے اس قول کی بہت تعریف کرتے رہے. اور فرماتے تھے. کہ اصل بات یہی ہے. لبعدازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ بزرگ مجھے ایک بار پھر ملے اور انہوں نے یہ حکایت بیان کی لاہور میں ایک صاحب تھے۔

جنہیں شیخ زندہ دل کہتے تھے۔ وہ بڑے بزرگ تھے۔ عید کے دن جب لوگ عید کی نماز پڑھ کر واپس لوٹے، تو ان بزرگ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا آج روزِ عید ہے۔ ہر بندے نے اپنے آقا (خواجہ) سے عیدی لی ہے مجھے بھی عیدی عطا ہو۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو آسمان سے ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا نیچے آیا۔ اور اس پر یہ لکھا تھا کہ ہم نے تجھے دوزخ کی آگ سے خلاصی دی ہے۔ جب لوگوں نے اس صورتِ حال کو دیکھا تو وہ برکت حاصل کرنے کے لیے ان بزرگ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔ اور ان کی بہت عزت و تکریم کی۔ اسی دوران میں ان بزرگ کے دوستوں میں سے ایک دوست ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ نے حضرت رب العزت سے عیدی لی۔ مجھے آپ عیدی دیجئے۔ اس بزرگ نے جب یہ بات سنی تو ریشمی کپڑے کا وہ ٹکڑا اپنے دوست کو دے دیا۔ اور کہا کہ جاؤ یہ تمہاری عیدی ہے۔ کل قیامت کے دن میں جانوں اور دوزخ۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ ایک بار پھر وہ بزرگ مجھ سے ملے اور کہا کہ مجھ سے یہ حکایت سن لو۔ حکایت یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک برہمن تھا۔ وہ بڑا مال دار تھا۔ مگر اس شہر کے والی نے اس کا مال ضبط کر لیا۔ اس کا تمام اثاثہ و سامان چھین لیا اور اُسے تباہ کر دیا اس کے بعد وہ برہمن مفلس ہو گیا اور مارا مارا پھرنے لگا۔ ایک دن وہ ایک راستے پر جا رہا تھا کہ اُسے اس کا ایک دوست ملا۔ اور اس نے اس کا حال پوچھا۔ برہمن نے کہا خوش ہوں۔ اس دوست نے کہا کہ تم سے انہوں نے ہر چیز چھین لی ہے۔ پھر تمہاری یہ خوشی کہاں کی ہے؟ برہمن کہنے لگا کہ میرا زنار (جنیئو) تو میرے پاس ہے۔

اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ بندہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ میرے اس بیان کی تقریب و مناسبت معلوم ہوئی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں اس حکایت کو سننے سے مجھے باطنی قوت و مدد حاصل ہوئی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ نے یہ حکایت اس خاکسار کے دل کی تسکین کے لیے ارشاد فرمائی ہے۔ یعنی مجھے تنخواہ کے رک جانے اور اسباب دنیا کے نہ ملنے کا بالکل غم نہ کرنا چاہیئے۔ اگر سارا جہان بھی چلا جائے، کوئی غم نہیں۔ اللہ کی رحمت برقرار رہنی چاہیئے۔ الحمد للہ بندے نے حضرت کے بیان کی

یہی تقریب و مناسبت خیال کی تھی۔

گیارہویں مجلس

جمعہ، سال مذکور، ماہ جمادی الاولیٰ کی چودہ تاریخ

سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ بندے نے جمعہ کی رات کو جو خواب دیکھا تھا، عرض کیا۔ وہ خواب یہ تھا کہ امیر عالم ولوالجی[1] علیہ الرحمتہ والغفران نے راقم الحروف کو شاید کوئی میٹھی چیز دی ہے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ ان کے ساتھ کبھی تمہارا تعلق رہا ہے۔ میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ تمہیں غیب سے کوئی چیز ملے گی۔ دوسرے جمعہ کو مجھے غیب سے ایک ایسی چیز ملی کہ بندے کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

بارہویں مجلس

سوموار، ماہ مذکور کی چوبیس تاریخ

پہلے خواب کو دیکھے گیارہ دن ہوگئے تھے۔ مجھے پہلی چیز سے بھی ایک بہتر اور بابرکت

[1] ولوالج نام کے خطۂ بدخشاں میں ایک شہر ہے ولوالجی وہاں کے رہنے والے۔

پیش ملی۔ اس روز آپ نے امیر عالم ولوالجی کی بزرگی کے بارے میں بہت کچھ فرمایا۔ ان کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ وہ ایک صاحب فیض ونعمت بزرگ تھے۔ انہیں خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض ملا تھا ایک دفعہ یہ بزرگ منبر پر آئے۔ ایک کثیر مجمع موجود تھا اور اسی مجمع میں امیر عالم ولوالجی بھی تھے۔ اس بزرگ نے منبر سے اس طرح آغاز کلام کیا:

اے مسلمانو! تمہیں یہ معلوم ہو اور تم اس سے آگاہ رہو کہ مجھے خواجہ اجلؒ شیرازی سے فیض ملا ہے۔ آج رات میں نے چاہا کہ فیض اپنے بیٹے کو دوں۔ مجھے فرمان ملا کہ اسے امیر عالم ولوالجی کو دو۔ بعد ازاں اس بزرگ نے امیر عالم کو منبر کے اوپر طلب کیا اور اپنے منہ کا لعاب ان کے منہ میں ڈالا۔

تیرہویں مجلس

اتوار، ماہ جمادی الآخر کی انیس تاریخ

سعادت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ ماہ رجب کی فضیلت کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ فرمایا کہ اس مہینے میں دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔ اور اس مہینے کی چار راتیں بہت مبارک ہیں۔ ایک اس مہینے کی پہلی رات، دوسرے جمعہ کی رات، تیسرے پندرہویں تاریخ کی رات، اور چوتھی ستائیسویں رات جو شب معراج ہے۔

بعد ازاں نفل نمازوں کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ جو شخص نفل نمازیں ادا کرے گا۔ وہ ان فرض نمازوں کے ضمن میں محسوب ہوں گی جو اس سے قضا ہوئیں۔ اس کے بعد آپ نے امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ علیہ الرحمۃ

ؒ نعمان بن ثابت نام اور ابو حنیفہ کنیت۔ پیدائش ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ۔

کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی قضا شدہ نمازوں میں سے ہر نماز کو پانچ بار پڑھتے تھے۔

چودھویں مجلس

ایتوار سنہ مذکور، ماہ رجب کی تیرہ تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ توبہ کے استحکام و استقرار کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ سالک جب پیر کی بیعت کرتا اور بیعت پر ثابت قدم رہتا ہے تو اس نے پہلے جو کچھ کیا ہوتا ہے۔ اس کا اس سے مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ اس باب میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔

آپ نے فرمایا: ایک شخص تھا۔ جس کا لقب سراج الدین تھا۔ اور وہ ابوہر[1] کا رہنے والا تھا۔ جس روز میں ابوہر پہنچا تو اس کے گھر میں ٹھہرا۔ وہ اور اس کے عزیز و اقارب ہر دو شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ مگر اس روز اس قصبے کے بعض باشندوں نے مذکورہ بالا سراج الدین کی بیوی کے رشتہ داروں سے جھگڑا کیا اور اس جھگڑے میں بڑی نازیبا باتیں کیں۔ اس عورت پر الزامات بھی لگائے۔ اس پر اس عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ سوچو تو سہی تم جو کچھ میرے بارے میں کہہ رہے ہو۔ اس کا تعلق حضرت کی بیعت کرنے سے پہلے کے زمانے سے ہے یا بعد کے زمانے سے! حضرت خواجہ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ حکایت بیان کرتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے تو فرمایا؛ اس عورت نے کتنی اچھی بات کہی۔

---

[1] شرقی پنجاب میں ایک قصبہ ہے۔

پندرہویں مجلس

منگل وار، سال مذکور کے ماہ رجب کی انتیس تاریخ

دولت پائے بوسی میسر ہوئی۔ ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ اور اپنے حالات کی درستی اور بہتری کے بارے میں آپ سے دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ معیشت کی تنگی کو دور کرنے کے لیے ہر رات کو سورۂ جمعہ پڑھنی چاہیئے۔ بعد ازاں کہا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ ہر جمعہ کی رات کو سورۂ جمعہ پڑھی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہر رات پڑھی جائے۔ لیکن میں خود اپنے لیے تنگی معیشت کو دور کرنے کی خاطر کبھی یہ سورۃ نہیں پڑھتا۔ اللہ جس حال میں چاہے رکھے۔

اس ضمن میں آپ نے فرمایا: ایک دفعہ کا ذکر ہے میں ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرا جو صوفیہ کے لباس میں ملبوس تھی ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اس طرح کا خواب دیکھا ہے۔ دوسرے نے اس کی تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ بڑا اچھا خواب ہے۔ تمہارے حالات اچھے ہو جائیں گے۔ تمہیں اسباب دنیا مہیا ہوں گے اور تمہاری معیشت بہتر ہو جائے گی۔ میں نے چاہا کہ اس شخص سے کہوں کہ اے خواجہ! جس لباس میں تم ہو گیا اس لباس والے خواب کی اس طرح تعبیر کرتے ہیں۔ پھر میرے دل میں آیا کہ میں کون ہوں کہ اس طرح کی بات کروں۔ چنانچہ میں نے کچھ نہ کہا اور ان بزرگوں سے الگ ہو گیا۔

جب حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ بات تمام فرمائی۔ تو جس شخص نے تنگی معیشت کو دور کرنے کے لیے دعا کی درخواست کی تھی اس نے عرض کیا کہ حضرت مخدوم! لوگوں کے لیے فراخیٔ اسباب اور آسودگیٔ حالات کے بغیر کوئی چارہ نہیں حضرت خواجہ مسکرائے اور فرمایا میں نے یہ حکایت تمہارے ضمن میں بیان نہیں کی۔ بلکہ خود اپنے بارے میں بیان کی ہے۔

سولھویں مجلس

جمعرات، سنہ مذکور، ماہ رمضان المبارک کی چھ تاریخ

خدا اس مہینے کی برکتوں کو عام کرے۔ سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ اس روز بندے نے چند دوسرے بزرگوں، دوستوں کے ساتھ تجدید بیعت کی۔ اس موقع کے مناسب آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ جب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح مکہ سے پیشتر مکہ معظمہ جانے کا عزم فرمایا[1] تو آپؐ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکے والوں کے پاس اپنا ایلچی بنا کر بھیجا۔ اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچائی گئی۔ کہ مکے والوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ جب آپؐ نے یہ سنا تو صحابہؓ کو طلب فرمایا اور کہا کہ آؤ میرے ہاتھ پر اہل مکہ سے لڑنے کے لیے بیعت کرو۔ صحابہؓ نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت رسالتماب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اسی دوران میں ایک صحابیؓ جنہیں ابن اکوع کہتے تھے، آئے اور آپؐ کی بیعت کی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا تم نے اس سے پہلے بیعت نہیں کی؟ انہوں نے جواب دیا یا رسولؐ اللہ! کی تھی لیکن اب تجدید بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی طرف بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اب جو بیعت کے بعد دوبارہ بیعت کی جاتی ہے تو یہ تجدید بیعت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسی

---

[1] یہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

واقعہ پر مبنی ہے ۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر مرید تجدید بیعت کرنا چاہے اور شیخ موجود نہ ہو تو مرید کو چاہیئے ۔ کہ شیخ کے جامے کو سامنے رکھ لے اور اس پر ہاتھ رکھ کر بیعت کر لے اس دوران میں آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے ۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے بارہا ایسا کیا اور میں بھی ایسا کرتا ہوں ۔

پھر خوش عقیدگی کے بارے میں بات ہوئی ۔ فرمایا : میں نے قریبی شیخ رفیع الدین سے جو اودھ کے شیخ الاسلام تھے ۔ سُنا وہ کہتے تھے کہ میرا ایک قریبی رشتہ دار تھا جو خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا مرید تھا ۔ ایک دفعہ اس مرید پر کوئی الزام لگا اور اُسے قتل گاہ کی طرف لے گئے ۔ جلاد جو اس کی گردن مارنا چاہتا تھا اُسے اس طرح کھڑا کرنا چاہتا تھا ۔ کہ اس کا منہ قبلے کی طرف ہو ۔ مرید خود چاہتا تھا کہ اس کا منہ قبلے کی طرف ہو ۔ مگر اس صورت میں اس کی پشت پیر کی قبر کی طرف ہوتی تھی ۔ مرید نے فی الفور پیر کی قبر کی طرف منہ کر لیا ۔ جلاّد نے کہا کہ اس موقع پر تو منہ قبلے کی طرف ہونا چاہیئے ۔ تم نے ادھر سے اپنا منہ کیوں پھیر لیا ۔ مرید نے جواب دیا کہ میں نے اپنے قبلے کی طرف منہ کیا ہے ۔ تم اپنا کام کرو ۔

اس حکایت کی مناسبت سے آپ نے ارشاد فرمایا : ایک دفعہ میں سفر میں تھا ایک روز لمبی منزل ہونے کی وجہ سے میں نے بڑی تکلیف اٹھائی حالانکہ میں سوار تھا مجھے بڑی پیاس لگی میں پانی کے تالاب کے کنارے پہنچا گھوڑے سے اُترا اور میں نے چاہا کہ کچھ پانی پیوں ۔ مگر میرا جی متلایا اور مجھے قے ہو گئی ۔ میں بے ہوشی کی حالت میں تھا ۔ دل میں بکی آورد وصفرا غالب شد کہ میری زبان سے نکلا ۔ شیخ ، شیخ ۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ہوش میں آ گیا ۔ بعد ازاں مجھے اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ آخر وقت میں امید ہے ، میرا خاتمہ اس طرح ہو گا ۔ کہ میں ان کو یعنی شیخ کو یاد کر رہا ہوں گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

سترہویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی تئیس تاریخ

سعادت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ قبروں کی زیارت کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میری والدہ علیہا الرحمۃ بیمار ہو گئیں۔ بیماری کے دوران میں بار بار مجھ سے کہتی تھیں کہ فلاں شہید کی زیارت کو جاؤ اور فلاں بزرگ کی زیارت کرو۔ میں ان کے ارشاد کے مطابق جاتا اور جب واپس آتا تو فرماتیں کہ بیماری میں کسی قدر تخفیف ہو گئی ہے۔ اور تکلیف میں کمی آگئی ہے کہ اس سلسلے میں آپ نے ذکر کیا کہ جب شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز بیمار ہوئے تو مجھے کئی بار ان شہدا کی زیارت کو بھیجا جو وہاں مدفون تھے۔ جب میں ان کی زیارت کے بعد خدمت میں حاضر ہوتا تو فرماتے کہ تمہاری دعا نے کوئی اثر نہیں کیا۔ مجھ سے اس کا کوئی جواب بن نہ آتا۔ میرا ایک دوست تھا۔ جسے علی بہاری کہتے تھے وہ کچھ دور کھڑا تھا اس نے کہا کہ ہم ناقص ہیں۔ اور آپ کی ذات مبارک شیخ کامل کی ہے۔ ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کیسے اثر کر سکتی ہے۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ بتایا کہ اس کی یہ بات حضرت شیخ نے بھی سنی میں نے بعینہٖ وہی بات ان کی سماعت مبارک تک پہنچا دی۔ انہوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جو بھی خدا سے طلب کرو پالو۔

بعد ازاں اسی روز حضرت شیخ نے مجھے عصا عطا فرمایا اور مجھ سے ارشاد کیا کہ تم اور بدرالدین اسحاق علیہ الرحمۃ جاؤ اور فلاں احاطے میں جا کر عبادت کرو۔ میں اور وہ دونوں وہاں گئے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہے۔ جب ہم واپس ان کی خدمت میں آئے تو انہوں نے فرمایا بہت اچھا ہوا۔

حضرت خواجہ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اور دوسرے اصحاب مل کر ایک لاکھ بار سورۂ فاتحہ پڑھو۔ تم یہ بات دوسرے اصحاب تک پہنچاؤ اور آپس میں بانٹ لو کہ کون کتنی بار سورۂ فاتحہ پڑھے گا۔ میں نے یہ بات ساتھیوں سے کہہ دی اور ان میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت تقسیم کر دی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے حصے کی مقدار قبول کر لی۔ کسی نے پانچ ہزار بار، کسی نے چار ہزار بار، کسی نے اس سے کم اور کسی نے اس سے زیادہ بار پڑھنا منظور کر لیا۔ میں نے دس ہزار بار سورۂ فاتحہ پڑھی۔ ایک لاکھ بار سورۂ فاتحہ کا اس طرح پڑھنا چند دنوں میں پورا ہو گیا۔ قیاس یہ ہے کہ اس میں ایک ہفتہ یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ مدت لگی۔

بعد ازاں بندے یعنی راقم الحروف نے عرض کیا کہ آیا یہ بھی ان کی بیماری کے دوران میں ہوا!

حضرت خواجہ نے فرمایا: نہیں۔ یہ بیماری سے پہلے کی بات ہے۔ معلوم نہیں وہ اللہ تعالیٰ سے کون سی التجا کر رہے تھے۔

اٹھارہویں مجلس

سوموار، سال مذکور، ماہ ذی القعدہ کی سات تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ آپ کے سامنے امام ناصر الدین[1] رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ناصری تھی۔ اور آپ تفسیر کے مصنف امام ناصر الدین کے حالات بیان کر رہے تھے آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ امام ناصر الدین بیمار ہو گئے۔ اور انہیں بیماری کے دوران میں ——————

---

[1] آپ سلطان التمش کی بیٹی سلطانہ رضیہ کے عہد حکومت میں تھے۔ اس زمانے میں زمخشری کی تفسیر الکشاف کے ساتھ ساتھ آپ کی تفسیر القرآن کو ایک معیاری تفسیر سمجھا جاتا تھا۔

سکتہ[1] ہوگیا۔ ان کے رشتہ داروں اور دوستوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔ انہیں قبر میں دفن کر دیا ـــ جب رات ہوئی اور وہ ہوش میں آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کو قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اس پریشانی اور بے بسی کے عالم میں انہیں یاد آیا کہ جو شخص مصیبت کی حالت میں سورۂ یٰسین پڑھے اُسے اللہ تنگی سے نجات دیتا اور خلاصی عطا کرتا ہے! اسی وقت انہوں نے سورہ یٰسین پڑھنا شروع کر دی۔ جب وہ انتالیس بار سورۂ یٰسین پڑھ چکے تو خلاصی کی راہ نکل آئی۔ وہ یوں کہ ایک کفن چور کفن کے لالچ میں آیا اور اس نے قبر کھودی! امام صاحب نے جان لیا کہ وہ کفن چور ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے چالیسویں بار سورۂ یٰسین پڑھی تو آہستہ پڑھی تاکہ وہ اسے نہ سن پائے اور کفن چرانے کے لیے قبر کو کھودتا چلا جائے۔ القصہ جب چالیس بار سورۂ یٰسین پڑھی گئی تو امام صاحب آہستہ سے قبر سے باہر آگئے۔ کفن چور نے جونہی یہ دیکھا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور وہ اسی وقت ہلاک ہو گیا۔ امام صاحب کو اس کی ہلاکت پر بہت افسوس ہوا اور وہ اپنے آپ سے کہنے لگے کہ مجھے خاموش رہنا چاہیئے تھا۔ تاکہ وہ میرا کفن اتار کرلے جاتا۔ اور اس کے بعد وہ خاموشی سے قبر سے باہر نکل آتا۔ غرضیکہ وہ اس طرح قبر سے باہر آتے ہی پشیمانی میں مبتلا ہو گئے۔ بہر حال جب وہ قبر سے باہر نکل آئے تو انہوں نے سوچا کہ اگر لوگوں نے مجھے اچانک دیکھا تو ان پر ہیبت طاری ہو جائے گی۔ اور ان میں سے ہر شخص حیرت زدہ اور مبہوت رہ جائے گا۔

چنانچہ وہ رات کو آہستہ آہستہ شہر میں آئے۔ اور آواز دی کہ میں فلاں آدمی ہوں۔ مجھے سکتہ ہو گیا تھا اور مردہ سمجھ کر مجھے غلطی سے قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ وہ یہ کہتے ہوئے شہر میں آئے۔ ان کے اس طرح آنے سے لوگوں کو حیرانی لاحق نہ ہوئی۔ حضرت خواجہ نے۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ امام ناصر الدین نے تفسیر اس واقعہ کے بعد لکھی تھی۔

پھر اُن مردانِ خدا کا ذکر آیا جو ہمیشہ یادِ حق میں مستغرق رہتے ہیں۔ انہیں اپنا کھانا اور

---

[1] سکتے کی بیماری میں آدمی کی حس و حرکت جاتی رہتی ہے اور مریض مردہ معلوم ہوتا ہے۔

سونا بھی یاد نہیں رہتا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے بہت بڑے اور دریا کے کنارے مقیم تھے۔ انہوں نے کچھ کھانے کی چیزوں کا انتظام کیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کھانے کو سر پر رکھو اور دریا کے پار چلی جاؤ۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک درویش بیٹھا ہے۔ یہ کھانا اس کے سامنے جا رکھو تاکہ وہ کھالے۔ بیوی نے کہا دریا میں تو بہت پانی ہے اسے پار کرنا دشوار ہے، اس بزرگ نے فرمایا: کہ دریا کے کنارے پر جاؤ، اپنا منہ پانی کی طرف کر دو اور کہو اے پانی! میرے شوہر کے احترام میں جس نے کبھی میرے ساتھ ہم بستری نہیں کی مجھے راستہ دے دو۔ بیوی کو بڑا تعجب ہوا اور اپنے آپ سے کہا میں نے اتنے لڑکے اس مرد سے جنے ہیں۔ یہ بات میں کیسے کہہ سکتی ہوں؟ بہر حال وہ شوہر کا حکم بجالائی۔ دریا کے کنارے پر پہنچی اور اس نے وہی بات کہی۔ جیسے ہی اس نے یہ کلمات کہے پانی پھٹ گیا اس کے دو ٹکڑے الگ الگ ہو گئے۔ ان کے بیچ میں خشک راستہ نکل آیا۔ اور وہ عورت سلامتی سے گزر گئی۔

جب وہ عورت اس درویش کے پاس پہنچی تو کھانا اس کے سامنے رکھ دیا۔ درویش کھانا کھا چکا تو اس عورت سے کہنے لگا تم واپس چلی جاؤ۔ عورت نے کہا جب میں آپ کے پاس آئی تھی تو میرے شوہر نے چند کلمات بتائے تھے۔ جب وہ کلمات میں نے دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر کہے تھے تو اس نے مجھے راستہ دے دیا تھا۔ اب میں کس شے کے سہارے واپس جاؤں۔ درویش نے پوچھا، تمہارے شوہر نے کیا کلمات کہے تھے؟ عورت نے وہ کلمات دہرائے۔ درویش نے کہا اچھا۔ دریا کے کنارے پر جاؤ اور پانی سے یوں کہو۔ اس درویش کے احترام میں جس نے تیس برس کی مدت میں کبھی کھانا نہیں کھایا، مجھے راستہ دے دو۔ عورت کی حیرانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا ایک محال بات وہ تھی جو میرے شوہر نے کہی تھی۔ اور دوسری محال بات یہ ہے جو یہ آدمی کہہ رہا ہے۔ اس نے ابھی ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے، میں یہ بات کیسے کہوں۔ بہر حال عورت اس درویش کے ارشاد کے مطابق دریا کے کنارے تک پہنچی اور کہا، اے پانی! اس درویش کے احترام میں جس نے تیس برس کی مدت میں کبھی کھانا نہیں کھایا۔ مجھے راستہ دے دو۔ اسی وقت پانی پھٹ گیا۔ اس کے دو الگ

الگ ٹکڑے ہو گئے اور ان کے درمیان خشک راستہ نکل آیا اور وہ عورت سلامتی سے گزر گئی۔ جب وہ واپس اپنے شوہر کے پاس آئی تو اس کے قدموں میں گر پڑی اور کہا مجھے بتاؤ کہ ان دو باتوں کے معنی کیا ہیں۔ تم نے بارہا میرے ساتھ ہم بستری کی ہے اور دوسرے اس درویش نے خود میرے سامنے کھانا کھایا اور میں نے یہ دونوں جھوٹی باتیں پانی سے کہیں اور پانی نے مجھے راستہ دے دیا آخر اس میں حکمت کیا تھی! اس بزرگ نے کہا۔ جان لو اور آگاہ رہو کہ میں نے کبھی بھی تم سے خواہش نفسانی کے تحت ہم بستری نہیں کی۔ میں نے تم سے جو ہم بستری کی، تیرا حق ادا کرنے کے لیے کی۔ میری اپنی نفسانی لذت اور خواہش کارفرما نہ تھی۔ پس میں نے ان معنوں میں کہا تھا کہ تم سے کبھی ہم بستری نہیں کی۔ اسی طرح اس درویش نے بھی تیس سال میں کبھی نفسانی خواہش اور حصول لذت کے لیے کھانا نہیں کھایا۔ اس نے جو بھی کھانا کھایا، طاعت و عبادت کے لیے قوت حاصل کرنے کی خاطر کھایا ہے۔ یہ ہے مطلب ان دو باتوں کا۔ یعنی مردانِ خدا جو کچھ کرتے ہیں خدا کے لیے کرتے ہیں۔ ان کی نیت حق کے لیے ہوتی ہے۔

اس موقع پر آپ نے قدوۃ الاولیاء و اولیا کے پیشوا شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت بیان کی۔ فرمایا: آپ کے دو جڑواں بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ دوسرا بڑا ہو گیا۔ اب جو بڑا ہو گیا وہ کسی بات میں بھی حضرت شیخ سے ملتا جلتا نہیں تھا۔ اس کے احوال کو حضرت شیخ کے احوال سے کوئی نسبت نہ تھی۔ اس حکایت کے دوران میں حضرت خواجہ نے —— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبانِ گوہر افشاں سے ارشاد کیا کہ شیخ قطب الدین بختیار کے صحیح معنیٰ میں فرزند شیخ الاسلام فرید الدین تھے۔ اللہ دونوں کی قبروں کو منور کرے۔ غرض یہ حکایت بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ شیخ قطب الدین بختیار کے چھوٹے صاحبزادے وفات پا گئے۔ اور آپ اُسے دفن کر کے گھر واپس آئے۔ شاید آپ کی بیوی نے صاحبزادے کی وفات پر بہت زیادہ نوحہ کیا۔ چنانچہ جب بیوی کے نالہ و آہ کی آواز شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے سمع مبارک میں پہنچی۔ تو آپ ہاتھ ملنے لگے، شیخ بدرالدین غزنوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس وقت موجود تھے۔ آپ نے حضرت شیخ سے پوچھا اس تاسف کا کیا مطلب! حضرت شیخ نے فرمایا مجھے اب دھیان آرہا ہے

کہ میں نے اپنے بیٹے کی بقاء اور زندگی کے لیے کیوں دعا نہ کی۔ اگر میں دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول کر لیتا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا دیکھا یادِ دوست میں ان بزرگوں کے استغراق کا عالم، کہ انہیں بیٹے کی زندگی اور موت کی بھی خبر نہ ہوتی تھی۔

پھر دعا کے بارے میں گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا: بندے کو چاہیئے کہ جب دعا کرے تو کسی معصیت و نافرمانی کا جو اس سے سرزد ہوئی ہو اور اسی طرح کسی طاعت و عبادت کا بھی دل میں خیال نہ لائے۔ کیونکہ اگر وہ طاعت و عبادت کا خیال دل میں لائے گا تو اس میں غرور اور خود پسندی کا شائبہ ہوگا۔ اور مغرور کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر وہ اپنی کی ہوئی معصیت و نافرمانی کا خیال دل میں لائے گا تو اس سے دعا کے قبول ہونے کا یقین کم ہو جائے گا۔ پس دعا کے وقت نظر خاص رحمت حق پر مرکوز ہونی چاہیئے اور یہ یقین ہونا چاہیئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ دعا قبول ہوگی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ دعا کے وقت دونوں ہاتھ کھلے اور سینے کے برابر رکھنے چاہئیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور قدرے بلند ہوں اور ہاتھوں کو اس طرح رکھنا چاہیئے جیسے اسی وقت کوئی چیز ان میں گرائی جانے والی ہے۔ اس اثنا میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ دعا سے دل کو تسکین ہوتی ہے، باقی خدائے عزوجل ہی جانتا ہے کہ کیا ہونا چاہیئے۔

بعدازاں مریدوں کے اعتقاد کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا: قبل ازیں اس شہر میں میرا ایک ہمسایہ تھا جس کا نام محمد تھا۔ اُسے ہر سال نارو[1] کی بڑی سخت بیماری ہو جاتی تھی جس کے باعث اس کو بڑی اذیت اٹھانی پڑتی تھی۔ جب میں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کا عزم کیا تو اس ہمسائے نے مجھ سے کہا۔ جب آپ شیخ کی خدمت میں پہنچیں تو ان کے روبرو میری کیفیت پیش کریں اور میرے لیے ان سے تعویذ لے کر آئیں۔ القصہ جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس شخص کا ذکر کیا اور اس کے لیے تعویذ مانگا۔ حضرت شیخ نے فرمایا تم خود لکھ لو۔ حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔

---

[1] ایک پھوڑا جس کے ریشے بدن میں پھیل جاتے ہیں۔

کہنے لگے مَیں نے تعویذ لکھا اور حضرت شیخ کے دستِ مبارک میں رکھا۔ آپ نے اُسے پڑھا، پھر مجھے واپس دے دیا اور فرمایا کہ اُسے دے دینا۔ جب میں واپس آیا مَیں نے اُسے وہ تعویذ دیا۔ اس کے بعد اُسے عمر بھر نارو کی کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اس تعویذ میں کیا لکھا تھا! حضرت خواجہ نے فرمایا ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اللہ الشافی اللہ الکافی اللہ المعافی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اسی طرح کے ایک دو کلمات اور بھی لکھے تھے جو اب یاد نہیں۔

مریدوں کی خوش عقیدگی کے بارے میں مزید فرمایا: ایک دفعہ میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ حضرت شیخ کی ریش مبارک کا ایک بال جُدا ہو کر آپ کی گود میں گر گیا۔ میں نے عرض کی کہ میری ایک درخواست ہے اگر حضرت شیخ قبول فرمائیں! آپ نے فرمایا کیا ہے! میں نے عرض کیا کہ ریش مبارک سے ایک بال جدا ہو کر گر گیا ہے اگر اجازت ہو تو میں اسے تعویذ کے طور پر اپنے پاس رکھ لوں۔ فرمایا اسی طرح کر لو۔ میں نے اس بال کو بڑی عزت و احترام سے اٹھایا۔ ایک کپڑے میں لپیٹا اور اپنے ساتھ اس شہر میں لے آیا۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ ذکر فرما رہے تھے، تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس موئے مبارک کے بڑے بڑے اثرات دیکھے ہیں۔ اس کے بعد جب بھی کوئی مصیبت زدہ اور درد مند آتا اور مجھ سے تعویذ مانگتا۔ میں اُسے وہ موئے مبارک دیتا۔ وہ اُسے لے جاتا۔ کچھ عرصہ اُسے اپنے پاس رکھتا اور اس کی وہ تکلیف جاتی رہتی۔ صحت و تندرستی کے بعد وہ مجھے واپس کر دیا جاتا یہاں تک کہ ایک بار میرے ایک دوست کا جسے تاج الدین مینائی کہتے تھے۔ ایک کم سن بیٹا بیمار ہو گیا۔ تاج الدین مینائی میرے پاس آیا اور مجھ سے تعویذ مانگا میں نے وہ موئے مبارک جو کہ ایک طاقچہ میں رکھا تھا بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ ملا۔ میں نے اس طاقچہ کے خیال سے دوسرے طاقچوں میں بھی اُسے ڈھونڈا کہ شاید غلطی سے میں نے اسے وہاں رکھ دیا ہو۔ لیکن مجھے وہ نظر نہ آیا چنانچہ وہ دوست خالی ہاتھ واپس چلا گیا اس کا لڑکا اُس بیماری میں فوت ہو گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد کوئی اور آدمی آیا اور اس نے اپنی حاجت براری کے

لیے وہ تعویذ مانگا۔ میں نے نظر دوڑائی تو اسی طاقچہ میں پڑا دکھائی دیا۔ جہاں میں اُسے ہمیشہ رکھتا تھا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا: چونکہ میرے اس دوست کے بچے کی موت مقدر تھی لہٰذا وہ تعویذ غائب ہوگیا تھا۔

انیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی سولہ تاریخ

سعادت دست بوسی نصیب ہوئی۔ نظم و نثر پر گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا جو بھی اچھا کلام سُنا جائے۔ یقیناً اس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور معنیٰ و مفہوم نثر میں سُنا جائے۔ اگر اُسی کو منظوم صورت میں سُنیں تو اس سے اور بھی زیادہ لذت ملتی ہے اور یہی بات اچھی لَے اور لحن میں ہوتی ہے۔ ہر اچھا کلام جو سُنا جائے۔ اور اس کو سننے میں لذت حاصل ہوتی ہو اگر اُسی کلام کو اچھی لَے اور لحن میں سُنا جائے تو اس سے مزید لذت حاصل ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں راقم الحروف نے عرضداشت کی کہ بندے کو کسی چیز سے اتنی رقت حاصل نہیں ہوتی جتنی کہ سماع سننے سے۔ آپ نے فرمایا: اصحاب طریقت اور اہل اشتیاق کا ذوق اسی طرح ہوتا ہے۔ کہ سماع ان کے اندر شوق کی آگ بھڑکا دیتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو بقا[1] کہاں ہوتی۔ اور بقا میں کیا ذوق ہوتا! جب آپ نے یہ فرمایا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

---

[1] فنا کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔ فنا سے مراد خواہشات نفسانی کو کلی طور پر ترک کر کے ذات خداوندی میں فنا ہوجانا ہے۔

آپ نے سینۂ مبارک سے ایک آہ کھینچی اور ارشاد فرمایا: ایک دفعہ خواب میں میرے سامنے ایک چیز نمودار ہوئی اور میں نے یہ مصرعہ پڑھا۔

اے دوست بدست انتظارم کشتی

(اے دوست تو نے مجھے انتظار کے ہاتھ سے مار ڈالا۔)

پھر میں نے اسی مصرعے کو خواب میں دہرایا۔ اور کچھ اس طرح سے پڑھا۔

اے دوست بزخم انتظارم کشتی

(اے دوست تو نے مجھے انتظار کے زخم سے مار ڈالا)

جب میں بیدار ہوا تو مجھے یاد آیا کہ یہ مصرعہ اس طرح ہے۔

اے دوست بہ تیغ انتظارم کشتی

(اے دوست تو نے مجھے تیغ انتظار سے مار ڈالا۔)

بیسویں مجلس

منگل وار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ

دولت پائے بوسی میسّر آئی۔ صدقِ ارادت و عقیدت کی بات ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا: شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں ایک فوجی سپاہی شامل تھا جسے محمد شہ کہتے تھے۔ وہ جس کام کا عزم کرتا اس کے خیال کے دوران میں حضرت شیخ کو خواب میں دیکھتا۔ وہ جس ہیئت و صورت میں انہیں خواب میں پاتا۔ اسی مناسبت سے اس خواب کی تعبیر کرتا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس نے ہندوستان[1] کا عزم کیا۔ رات کو اسی خیال کے

---

[1] پنجاب کے جنوب کے علاقوں کو ہندوستان کہتے ہیں۔

سلسلے میں اس نے حضرت شیخ کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ فرما رہے ہیں کہ اجودھن[1] کی جانب جاؤ۔ جب وہ نیند سے بیدار ہوا اس نے اپنے آپ سے کہا کہ مجھے اسی طرف جانا چاہیئے۔ اس نے نہ تو خواب میں حضرت شیخ کا کوئی قول سنا تھا نہ ان کا کوئی اشارہ دیکھا تھا۔ اس نے تو اتنا ہی دیکھا تھا کہ وہ اجودھن کی طرف جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ہندوستان جانے کا عزم فسخ کر دیا۔ اجودھن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں اُسے بڑی راحت اور آسائش میسر آئی۔

حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرماتے تھے کہ اس محمد شہ کو غوری کہتے تھے۔ بڑا اچھا آدمی تھا، آخر عمر میں سفرِ کعبہ پہ روانہ ہوا تھا۔ پھر اس کی کوئی خبر نہیں آئی۔

اکیسویں مجلس

سوموار ۷۱۱ھ کے ماہ محرم کی گیارہ تاریخ

سعادت قدم بوسی میسر آئی۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: ایک شیخ تھے بڑے بزرگ، کوئی شخص ان کے پاس آیا۔ مرید ہوا، بیعت ہوا اور خرقہ پہنا۔ جیساکہ ان امور میں دستور چلا آتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد اس بزرگ کو خبر پہنچی کہ وہ مرید برے کاموں میں پڑ گیا اور جس معصیت میں وہ پہلے مبتلا تھا۔ اُسی کی طرف لوٹ گیا ہے۔ بزرگ نے جب یہ بات سنی تو اس مرید کے گھر گئے۔ اور اس سے کہا کہ آؤ اور میرے گھر میں آ کر رہو۔ جو کچھ کرو میرے گھر میں کرو۔ اس لیے کہ درویشی جامع ہوتی ہے خوبیوں اور اچھائیوں کی۔ نیز درویش کی صفات میں سے

---

[1] اب اس کا نام پاک پتن ہے۔

ایک صفت پردہ پوشی ہے۔ چنانچہ جو کچھ تم میرے گھر میں کرو گے، میں اس کی پردہ پوشی کروں گا مرید نے جب یہ سنا تو اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا۔ اس نے تجدید بیعت کی اور پوری طرح تائب ہوگیا۔ والحمدللہ علیٰ ذالک

اس حکایت کے اتمام کے بعد بندے نے عرض کیا کہ یہ بات تو واضح ہے کہ پیر مریدوں کے احوال پر نظر رکھتا ہے، کیونکہ اگر وہ مریدوں کے احوال پر نظر نہیں رکھتا تو وہ ان کے افعال کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ لیکن پیر کو مریدوں کے اعتقاد پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ مرید کا اعتقاد درست پاتا ہے۔ تو مرید کو (راہ راست پر آنے کی) امید رہے گی۔ آپ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ اس معاملے میں اصل چیز اعتقاد ہے۔ ایسے ہی جیسے عالم ظاہر میں اصل چیز ایمان ہے۔ مرید کے لیے ضروری ہے کہ خدائے عزوجل کی وحدانیت اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر اس کا ایمان صحیح ہو۔ نیز یہ ضروری ہے کہ اس کا اپنے پیر کے حق میں اعتقاد صحیح ہو۔ چنانچہ جب مومن کا ایمان صحیح ہو تو وہ گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوگا۔ اس طرح مرید کا اپنے پیر کے حق میں اعتقاد اگر درست ہوگا تو پھر لغزش سرزد ہو جانے پر بھی اُسے مرتد قرار نہیں دیا جاسکے گا۔ یہ امید رہے گی کہ وہ اپنے اس اعتقاد کی برکت سے رو بہ اصلاح ہو جائے گا۔

پھر تلاوت قرآن اور قرآن کو حفظ کرنے کی برکتوں کا ذکر ہوا۔ بندے نے عرض کیا کہ اگر قرآن کا حفظ کرنا میسر ہو تو اُسے ناظرہ پڑھ لینا کیسا رہے گا۔ فرمایا بہت اچھا رہے گا۔ اس طرح آنکھ کو بھی اس نعمت کا حصہ مل جائے گا۔ بعد ازاں فرمایا: شیخ کبیرؒ[1] قدس اللہ سرہ العزیز جس شخص کو بھی قرآن حفظ کرنے کو فرماتے، اس سے کہتے کہ پہلے سورۂ یوسف حفظ کرو کیونکہ جو شخص سورۂ یوسف حفظ کرتا ہے اس کی برکت سے حق تعالیٰ اس کے لیے سارا قرآن حفظ کرنا ممکن بنا دیتا ہے۔

اس مفہوم کی مناسبت سے ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو

---

[1] مراد ہیں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز۔

شخص قرآن حفظ کرنے کی نیت رکھتا ہے مگر کسی وجہ سے یہ مقصد حاصل نہ کر سکا ہو۔ وہ شخص جب اسس نیت کو دل میں لیے اس جہان سے گزر جاتا ہے تو اسس کے قبر میں دفن کئے جانے پر ایک فرشتہ اس کے لیے بہشت سے ایک ترنج[1] لے آتا ہے! اور اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ جب وہ شخص اس ترنج کو گلے سے اتارتا ہے تو تمام قرآن اسس کو زبانی یاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کل جب قیامت آئے گی تو وہ حافظ قرآن کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔

پھر ان دانش مندوں کا ذکر آیا۔ جو درویش صفت ہوتے ہیں اور ان میں نیکوں کے اخلاق پائے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسس طرح کے تین دانشمند دیکھے ہیں۔ ایک مولانا شہاب الدین جو شہر میرٹھ کے باشندے تھے۔ دوسرے مولانا احمد حافظ اور تیسرے مولانا کیتھلی۔

مولانا احمد حافظ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہ حافظ اور مرد باخدا تھے میں شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات کے بعد جب اجودھن جا رہا تھا۔ تو سرسہ کے اردگرد مولانا احمد حافظ سے ملا تھا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ جب تم شیخ کبیر کے روضہ پر جاؤ تو حضرت کو میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ میں دنیا کا طالب نہیں ہوں۔ اس کے طالب تو بے شمار ہیں۔ میں عقبیٰ کا بھی خواہش مند نہیں میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ[2] (مجھے دنیا سے، مسلمان اٹھانا اور مجھے صالحین سے جا ملا)

مولانا کیتھلی کی بزرگی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا، کہ وہ بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ اگرچہ وہ کسی کے ساتھ (بطور مرید) وابستہ نہ تھے۔ تاہم انہیں بہت سے بزرگوں اور مردان حق کی صحبت میسر آئی تھی۔ جب میں ان سے پہلی بار ملا اور انہیں دیکھا تو ان کی تقریر اور ان کی ہیئت سے معلوم ہو گیا کہ وہ واصلان حق میں سے تھے۔ میرے دل میں ایک چیز تھی اسس کے بارے میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ وہ یوں بھی ہے اور اسس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ ذکر کر رہے

---

[1] ایک قسم کا بڑا لیمو۔

[2] سورۃ یوسف، آیت ۱۰۱

تھے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آپ فرمانے لگے اگر میں اس مشکل مسئلے کو ایک سو صاحب اجتہاد و دانش مندوں سے پوچھتا تو وہ اسے حل نہ کر سکتے۔ آپ نے مولانا کیتھلی کے اخلاق کے متعلق یہ حکایت بیان کی، ایک دفعہ وہ میرے پاس آئے۔ میرا خدمت گار مبشر کہ اس وقت ابھی بچہ تھا۔ اس نے کچھ بے ادبی کی۔ میں نے اُسے چھڑی ماری۔ اس پر مولانا کیتھلی نے اس طرح تکلیف کا اظہار کیا جیسے چھڑی انہیں لگی ہو وہ رقت آمیز لہجے میں فرمانے لگے۔ میری نحوست کی وجہ سے اس کو یہ تکلیف پہنچی ہے۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے کہ ان کی اس رقت اور شفقت کے باعث میرا دل بھر آیا۔

حضرت خواجہ نے مولانا کیتھلی کی بزرگی کا ایک اور واقعہ بیان کیا، فرمایا: میں نے انہی سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ ایک سال دہلی میں قحط پڑ گیا۔ انہی دنوں ملک قطب الدین حسن کے انتقال کا واقعہ پیش آیا تھا۔ میں ایک دن پارچہ بازار سے گزر رہا تھا۔ میں بھوکا تھا۔ میں نے بازار سے کوئی کھانے کی چیز خریدی، پھر اپنے آپ سے کہا کہ اس کھانے کو تنہا نہیں کھانا چاہیئے۔ کسی کو ڈھونڈنا چاہیئے تاکہ اس کو اپنا ہم نوالہ بناؤں۔ میں نے ایک گودڑی پوش درویش کو دیکھا کہ وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں میرے سامنے سے گزر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ لے خواجہ! میں درویش ہوں تم بھی درویش ہو۔ میں بھی اجنبی ہوں اور تم بھی اجنبی دکھائی دیتے ہو۔ تھوڑا سا کھانا ہے آؤ دونوں مل کر کھائیں۔ درویش رضامند ہو گیا۔ ہم دونوں طعام فروش کی دوکان کے اوپر چلے گئے۔ اور مل کر کھانا تناول کیا۔ کھانے کے دوران میں میں درویش کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے کہا۔ اے خواجہ! مجھ پر بیس تنکے قرض ہو گیا ہے۔ میرا یہ قرض ادا ہونا چاہیئے۔ اس درویش نے جواب دیا کہ تم دل جمعی سے کھانا کھاؤ۔ میں تمہیں بیس تنکے دے دوں گا۔ مولانا کیتھلی فرماتے تھے کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص کے پاس جسکے کپڑے پھٹے پرانے ہیں۔ بیس تنکے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ مجھے دے گا۔ الغرض جب کھانا کھا لیا گیا تو وہ اٹھا اور مجھے اپنے ساتھ لے چلا۔ وہ نماز گاہ کی طرف گیا۔ نماز گاہ کے پیچھے ایک قبر تھی۔ وہ اس قبر کے پاس کھڑا ہوا، اس نے کچھ پڑھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھڑی تھی۔ اس نے ایک دو بار آہستہ سے اُسے اس قبر پر مارا اور کہا، اس درویش کو بیس تنکوں کی ضرورت

ہے۔ اسے دے دو۔ یہ کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ کہنے لگا مولانا! بس اب جائیے، بیس تنکے آپ کو پہنچ جائیں گے۔ مولانا کیتھلی یہ حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ جب میں نے یہ بات سنی تو اس درویش کے ہاتھ چومے اور اس سے جدا ہو کر میں شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں چلا جا رہا تھا اور دل ہی دل میں اس امر پر تعجب کر رہا تھا کہ یہ بیس تنکے مجھ تک کیسے پہنچیں گے۔ اس وقت میرے پاس ایک خط تھا جسے کسی شخص کے مکان پر پہنچانا تھا۔ میں اس روز اس خط کو ساتھ لایا تھا۔ جب میں دروازۂ کمال کے نزدیک پہنچا ایک ترک نے جو اپنے مکان کے چھجے پر بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھا اور آواز دی۔ اور اپنے غلاموں کو دوڑایا۔ جو مجھے بڑے اصرار سے اوپر لے گئے۔ وہ ترک بڑی خندہ پیشانی اور بشاشت سے پیش آیا۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اُسے پہچانوں لیکن میں اس کو نہ پہچان سکا۔ وہ ترک برابر یہ کہے جا رہا تھا کیا تم وہی دانشمند نہیں ہو جس نے فلاں موقع پر میرے ساتھ اس قدر نیکی کی تھی میں نے کہا میں آپ کو نہیں پہچان رہا۔ وہ ترک کہنے لگا میں آپ کو پہچانتا ہوں۔ آپ اپنے آپ کو چھپاتے کیوں ہیں۔ الغرض اس نے یہ اور اس طرح کی اور بھی بہت سی باتیں کیں۔ بعد ازاں وہ بیس تنکے لایا اور بڑی معذرت کے ساتھ میرے ہاتھ میں دے دیئے۔

حضرت خواجہ ان مولانا کیتھلی کی بزرگی کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ کبھی تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ان کی یہ بھلی عادت درجۂ کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے دوسرے اخلاق کیسے تھے۔ بعد ازاں ان کے انتقال کے بارے میں حضرت خواجہ نے فرمایا ایک دفعہ جب میں سفر کرتے ہوئے سرسہ کی حدود میں پہنچا۔ تو میں نے سُنا کہ گذشتہ کل ان نواح میں رہزنی اور ڈاکے کا ایک واقعہ رونما ہوا ہے۔ جس میں بہت سے مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ ان مسلمانوں میں ایک دانشمند بھی تھے۔ جنہیں کیتھلی کہتے ہیں۔ وہ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور اسی تلاوت قرآن کے دوران میں ان کو شہید کیا گیا۔

حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا میرے دل میں خیال آیا کہ ایسا نہ ہو وہ مرد دانشمند مولانا کیتھلی ہوں۔ میں دوسرے روز ان شہیدوں کی قبروں

پر گیا، وہاں فاتحہ پڑھی اور تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ وہ مولانا کیتھلی ہی تھے۔ جو شہید ہوئے تھے۔
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃ

بائیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی تین تاریخ

دولت پائے بوسی میسّر ہوئی۔ اس دفعہ میں ایک ماہ کے بعد گیا تھا اور اتنی طویل غیر حاضری کبھی عمل میں نہ آئی تھی۔ جب میں نے پائے مبارک چومے تو دو تین اور عزیز اصحاب موجود تھے۔ حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم فضلاء و علماء کا ذکر کر رہے تھے۔ کہ تم آ گئے۔ دوبارہ از رہِ تشکر جھک کر آداب بجالایا۔ اور قدم بوس ہوا۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ خواجہ شمس الملک علیہ الرحمۃ کا یہ دستور تھا۔ کہ اگر شاگرد سبق سے ناغہ کرتا یا کوئی دوست دیر سے آتا تو فرماتے کہ میں نے کیا تصور کیا تھا کہ تم دیر کے بعد آئے۔ یہ کہہ کر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ جب کبھی وہ کسی سے خوش طبعی کرتے۔ تو یہی کہتے کہ میں نے کیا تصور کیا تھا۔ کہ تم نہیں آئے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر کبھی مجھ سے ناغہ ہو جاتا یا میں دیر کے بعد جاتا تو میرے دل میں یہی خیال گزرتا کہ وہ مجھ سے بھی کوئی اسی قسم کی بات کہیں گے۔ مگر وہ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

آخر کم ازان کہ گاہ گاہی
آئی ز بما گنی نگاہی

(آخر اس سے کم کیا ہو کہ تم گاہے گاہے آؤ اور ہماری طرف نگاہ کرو۔)

جب حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ یہ شعر پڑھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ حاضرین پر بھی رقت طاری ہو گئی ۔ پھر حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا میں نے یوں سن رکھا ہے کہ جن دنوں آپ خواجہ شمس الملک[۱] کے ہاں جایا کرتے تھے ۔ وہ آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ وہ آپ کو چھجے میں جو ان کے بیٹھنے کی خاص جگہ تھی بیٹھاتے تھے ۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرمایا ہاں اس چھجے میں جہاں وہ بیٹھتے تھے ۔ کوئی اور شخص نہیں بیٹھتا تھا سوائے قاضی فخر الدین ناقلہ[۲] یا مولانا برہان الدین باقی کے ۔ مجھے بھی وہ وہاں بیٹھنے کو کہتے ۔ میں کہتا کہ وہ تو آپ کی جگہ ہے لیکن وہ میری معذرت قبول نہ کرتے ۔ اور مجھے وہیں بیٹھاتے ۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا اس وقت وہ کسی منصب پر تھے ۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرمایا کہ وہاں اس وقت وہ مستوفی[۳] کے منصب پر تھے ۔ خواجہ تاج الدین ریزہ نے آپ کے اس منصب کے بارے میں یہ شعر کہا ؎

صدر اکنوں بکام دل دوستان شدی
مستوفیٔ ممالک ہندوستان شدی

(اے صدر! اب تم وہ ہو گئے ہو جو دوست چاہتے تھے ۔ اب تم ہندوستان کے مستوفی ممالک کے منصب پر فائز ہو)

---

[۱] ان کا نام شمس الدین تھا ۔ اور خوارزم کی نسبت سے خوارزمی کہلاتے تھے ۔ مولانا جمالی سیر العارفین میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں "اس زمانے میں شہر دہلی میں بہت سے درویش اور بے شمار عالم تھے ۔ لیکن علمائے کبار میں سر آمد روزگار شمس الدین خوارزمی تھے ۔ تمام علمائے شہر ان سے رجوع کرتے تھے ۔ وہ جامع علوم تھے فروع واصول اور معقول ومنقول میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ۔" قاضی فخر الدین ناقلہ، مولانا برہان الدین اور شیخ نظام الدین اولیا ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے ۔ بلبن نے انہیں شمس الملک کا خطاب دیا تھا (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات)

[۲] قاضی فخر الدین ناقلہ کے حالات کے لیے دیکھیے جلد ۵ مجلس ۱۷ ۔

[۳] میر محاسب کا عہدہ ۔

بندہ نے عرض کیا کہ خواجہ شمس الملک کی زندگی اور ان کا تبحر علم تو معلوم ہی ہے۔ لیکن کیا معلوم وہ درویشوں سے بھی ربط رکھتے یا ان سے بھی محبت کرتے تھے یا نہیں۔ حضرت خواجہ نے — اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے — فرمایا: وہ بڑے اچھے عقیدے کے مالک تھے۔ یہ کہ وہ میری تعظیم کرتے تھے۔ یہی امر ان کی خوبیٔ اعتقاد پر دال ہے۔ الحمد للہ رب العالمین

تیئسویں مجلس

بدھوار، سالِ مذکور کے ماہ ربیع الاول کی چوبیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ اس دن ہم دوستوں نے اکھٹے قدم بوسی کی، فرمایا: کہ تم سب اکھٹے آئے ہو۔ عرض کیا گیا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے الگ الگ آیا ہے۔ یہاں آکر ہم یکجا ہو گئے۔ ارشاد ہوا کہ اکیلے اکیلے آنا بہتر ہے۔ کیونکہ شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے اسی طرح فرمایا ہے کہ جدا جدا آؤ۔ یہ بہتر ہے۔ اس سے نظر بد نہیں لگتی۔ اور نظر بد لگنا حق ہے۔

پھر اس پر گفتگو ہوئی کہ العین حق٘ والسحر حق٘ (نظر بد حق ہے اور جادو حق ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ وہ حق نہیں، جو باطل کی ضد ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر ہوتا ہے۔ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ جادو اور نظر کا اثر عملاً نہیں ہوتا پس یہ ایک خیال ہوتا ہے۔ لیکن بات اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتے ہیں۔

جادو کی مناسبت سے معجزہ، کرامت کی بات ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے چار درجے ہیں۔ معجزہ، کرامت، معونت اور استدراج۔ معجزہ انبیا سے صادر ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم اور عمل کامل ہوتا ہے۔ وہ اصحاب وحی ہیں اور اس ضمن میں جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے اُسے معجزہ کہا جائے گا۔ کرامت وہ ہے جو اولیا سے صادر ہو، انہیں بھی کامل علم و عمل

حاصل ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ اولیاء مغلوب ہوتے ہیں جو کچھ ان سے صادر ہو وہ کرامت ہوگی۔ اب رہی معونت تو معونت وہ ہے جو مجنونوں پر صادر ہوتی ہے۔ حالانکہ نہ انہیں اس کا علم ہوتا ہے اور نہ ان کا کوئی عمل کامل ہوتا ہے۔ ان سے کبھی کبھی کوئی چیز خارق عادت سرزد ہوتی دکھائی دیتی ہے اسے معونت کہتے ہیں رہا استدراج تو وہ یہ ہے کہ کوئی گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جس کو ایمان سرے سے میسر ہی نہیں ہوتا۔ جیسے جادوگر اور ان جیسے دوسرے لوگ ان سے جب اس قبیل کی کوئی شے سرزد ہو تو اسے استدراج کہتے ہیں۔

پھر علم کے اطوار کے بارے میں بات ہونے لگی۔ فرمایا کہ تین اطوار ہیں۔ ایک طور حس کا ہے دوسرا طور عقل کا ہے، اور تیسرا طور قدس ہے۔ حس کا طور یہ ہے کہ معلومات (دکھانے کی چیزیں) مشمومات (سونگھی جانے والی چیزیں) اور اس جیسی دوسری چیزیں حس سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ پھر عقل کا طور ہے۔ یہ دو طرح کے علم سے تعلق رکھتا ہے۔ کسبی علم سے، اور بدیہی علم سے۔ اسی طرح قدس کا طور دو علموں پر منقسم ہے۔ ایک علم کسبی اور دوسرا علم بدیہی۔ پس جو شخص عالم قدس میں پہنچ جائے وہ عقل کے کسبی علوم کو بدیہی طور پر جان لیتا ہے۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ جب عالم قدس کے بدیہی علوم یہ ہیں۔ تو کسبی علوم کیسے ہوں گے، یہ تو انبیا و اولیاء ہی جان سکتے ہیں۔ بعد ازاں فرمایا۔ وہ شخص جس پر عالم قدس کا دروازہ کھل جاتا ہے اس کی شان کا کیا کہنا، باقی وہ شخص جو عالم عقل میں ہو اور کوئی چیز بدیہی اور کسبی علم سے اس کے لیے حل ہو جائے۔ اور اس سے اُسے خوشی و فرحت ہو تو ایسے شخص کو عالم قدس کی طرف راہ نہیں ملتی۔ اس دوران میں آپ نے ایک بزرگ کا ذکر کیا کہ انہوں نے بتایا کہ میرے دل میں غیب سے جو چیزیں آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں انہیں قلم بند کر لوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے بہت کچھ لکھا۔ لیکن آخر میں انہیں یہ الفاظ لکھنے پڑے۔ کہ میں نے بہت سی باتیں لکھیں جو لکھنا مقصود تھا وہ قلم بند نہیں کر سکا۔ پھر معتزلہ[1] کے اس قول کا ذکر ہوا کہ کافر اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب

---

[1] فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا (م۔ ۱۳۱) بتایا جاتا ہے یہ حسن بصری کا شاگرد تھا اور بعد میں ان سے منحرف ہو گیا تھا معتزلہ نقل پر عقل کو مقدم رکھتے تھے۔ اور اہل سنت کے بعض بنیادی عقائد سے انہیں اختلاف تھا۔

ہر دو ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں۔ مذہب حق یہ ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے، اس لیے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی وہ پرستش کرتے ہیں وہ ان کے معبود ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ مستقل کفر پر مبنی ہے۔ اور چونکہ ان کا یہ عقیدہ مستقل کفر پر مبنی ہے پس ان کا عذاب بھی مستقل ہوگا۔ لیکن کبیرہ گناہ کے مرتکب ہمیشہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی حالت میں نہیں رہتے۔ جس وقت وہ گناہوں کے ارتکاب سے فارغ ہوتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا تھا وہ غلط تھا۔ ٹھیک نہ تھا۔ پس چونکہ کبیرہ گناہ کرتے وقت ان کی جو اعتقادی کیفیت ہوتی ہے وہ مستقل و مستحکم نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کا عذاب بھی اس طرح مستقل و دائمی نہیں ہوگا۔

بعد ازاں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ گنہگار گناہ کرتے وقت تین اعتبار سے اطاعت گزار ہی رہتا ہے، اول یہ کہ وہ گناہ کرتے وقت جانتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں صحیح نہیں دوسرے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ خدا تعالٰے اسے گناہ کرتے دیکھ رہا ہے اور اس کا اُسے علم ہے تیسرے اُسے خدا تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہوتی ہے۔ یہ تینوں عقیدے اطاعت گزاروں ہی کا شیوہ ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اشعری[1] مذہب کلام میں آتا ہے کہ وہ کافر جس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ وہ اس حالت میں مومن ہوگا اور وہ مومن خدا نہ کرے جس کا خاتمہ کفر پہ ہوگا۔ وہ اس حالت میں کافر ہوگا اس مناسبت سے آپ نے خواجہ حمید الدین سوالی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ موضع ناگور میں ایک ہندو تھا آپ نے اس کے بارے میں بار ہا کہا کہ یہ ولی اللہ ہے۔

اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کل قیامت کے دن کیا کافر دوزخ میں داخل ہوں گے! آپ نے کہا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا، یہ کیسے؟ امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ قیامت کے دن جب کافر عذاب دیکھیں گے، تو ایمان لے آئیں گے۔

---

[1] اشعری مذہب کلام اپنے بانی امام ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہے امام صاحب کا سن وفات ۳۳۱ھ یا ۳۴۰ھ اور ۹۴۱ء یا ۹۵۲ء ہے۔

حضرت خواجہ نے یہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ان کے اس طرح ایمان لانے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا اس لیے کہ ایمان تو وہ ہوتا ہے جو ایمان بالغیب ہو۔ چونکہ یہ لوگ کل قیامت کے دن کا عذاب دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ اس لیے ان کا یہ ایمان انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اور وہ دوزخ میں جائیں گے۔ البتہ وہ اس وقت مومن ہوں گے اس کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی اس آیت کے ضمن میں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ[1] (میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ سے مقصود اِلَّا لِیُوَحِّدُوْنَ ہے یعنی جن و انسان سب موحد ہو جائیں گے۔ اب یہاں جو ہیں وہ تو ایمان بالغیب سے موحد ہیں اور کل کو کافر جب عذاب قیامت دیکھیں گے تو وہ اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کا اقرار کریں گے اِلَّا لِیُوَحِّدُوْنِ (از روئے معنی) صحیح ہوگا۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ جس کو بھی دیکھو اُسے اپنے آپ سے بہتر تصور کرو۔ اگرچہ تم خود اطاعت و عبادت کرنے والے ہو اور دوسرا عاصی و گناہگار ہو۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری یہ اطاعت آخری اطاعت ہو اور اس کے بعد تم سے گناہ سرزد ہو جائے اور دوسرے کی معصیت آخری معصیت ہو! اور اس کے بعد اس سے اطاعت عمل میں آ جائے۔

اس کے بعد آپ نے خواجہ حسن بصری[2] نور اللہ مرقدہ ـــــ اللہ آپ کی قبر کو منور کرے۔ کا ذکر کیا اور فرمایا: وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے جب بھی کسی شخص کو دیکھا۔ اُسے ہمیشہ اپنے آپ سے بہتر تصور کیا۔ سوا ایک روز کے جس کا بدلہ مجھے مل گیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز میں نے ایک حبشی کو دیکھا وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہے اس کے پہلو میں ایک صراحی رکھی ہے۔ اور وہ اس صراحی سے بار بار کوئی چیز انڈیل کر پیتا ہے۔ اس کے پاس ہی ایک عورت بیٹھی ہے۔ یہ دیکھ کر میرے دل

---

[1] سورۃ الذّٰریٰت۔ آیت ۵۶۔

[2] خواجہ حسن بصری ۶۴۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی نشوونما یہیں پائی۔ بعد میں مستقل طور پر بصرہ میں قیام کیا اور بصری کہلائے وفات ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء۔

یں خیال گزرا کہ میں اس شخص سے تو بہر حال بہتر ہوں۔ اسی وقت ایک کشتی دریا میں ڈوبنے لگی۔ اس میں سات آدمی سوار تھے۔ یہ ساتوں کے ساتوں دریا میں ڈوبنے لگے، وہ حبشی فی الفور دریا میں کودا اور چھ آدمیوں کو باہر نکال لایا اس کے بعد اس نے میری طرف رخ کیا اور کہا: اے حسن! اس ایک آدمی کو تم باہر نکالو۔ حضرت خواجہ حسن بصری نے کہا کہ یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اس کے بعد اس حبشی نے مجھ سے کہا کہ اس صراحی میں پانی ہے اور یہ عورت جو میرے پاس بیٹھی ہے یہ میری والدہ ہے۔ میں تیرا امتحان لینے کے لیے یہاں بیٹھا تھا۔ بس اب جاؤ۔ تم مرد ظاہر بین ہو۔

پھر تلاوتِ قرآن کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت ترتیل[۱] اور تردید سے کرنی چاہیئے۔ حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ تردید سے کیا مراد؟ فرمایا کہ جس آیت کی تلاوت سے پڑھنے والے کو ذوق و لذت حاصل ہو اُسے بار بار پڑھنا چاہیئے۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ کچھ تلاوت فرمائیں اس کے لیے آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت فرمائی۔ اس بسم اللہ کے پڑھتے وقت آپؐ پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ آپ نے اُسے بیس بار مکرر پڑھا۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے مراتب کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں سے آپ نے پانچ قسموں کا ذکر کیا۔ پہلی قسم یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت یہ چاہیئے کہ پڑھنے والے کے دل کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہو۔ اگر یہ میسّر نہ ہو تو چاہیئے کہ جو کچھ وہ پڑھے، اس کے معانی اس کے دل کے اندر اتریں اور اگر یہ بھی میسّر نہ ہو تو چاہیئے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور دل کے اندر اُترے۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا تعلق باللہ کے یہاں بھی وہی معنی ہیں۔ جو آپ پہلے فرما چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے البتہ وہ تعلق اللہ کی ذات سے تھا۔ اور تعلق اس کی صفات سے ہے۔ تلاوت کے مرتبۂ چہارم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تلاوت کرتے وقت تلاوت کرنے والے پر یہ

---

[۱] تلاوت کے وقت قرآن مجید کے حروف کو ان کے اصل مخارج سے ادا کرنا اور اسے آہستگی اور اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ترتیل ہے۔ تردید سے مراد ایک آیت کو بار بار پڑھنا ہے۔

احساس حیا غالب ہونا چاہیئے۔ کہ قرآن کی اس دولت کے میں کہاں لائق ہوں اور اس سعادت کا میں کہاں سے اہل ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو تلاوت کرنے والے کو یہ جاننا چاہیئے کہ قرآن کی تلاوت کا اجر دینے والا خدا تعالیٰ ہے۔ اور یقیناً وہ مجھے اس تلاوت قرآن کا اجر عطا کرے گا۔

اس ضمن میں میں نے عرض کیا کہ جب بھی یہ بندہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو بیشتر آیات کے معانی جو واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں میرے دل میں اُترتے جاتے ہیں لیکن اگر تلاوت کے دوران میں بندے کا دل کسی خیال یا فکر میں مشغول ہو جاتا ہے تو پھر میں اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ میں نے کس خیال اور کس فکر میں اپنے آپ کو مشغول کر لیا ہے اس وقت پڑھتے پڑھتے میں ایسی آیت پر پہنچ جاتا ہوں کہ وہ میرے اس خیال اور فکر کو دور کر دیتی ہے یا کوئی ایسی آیت نظر میں آجاتی ہے کہ اس میں اس مشکل کا جو پہلے دل میں گزری تھی۔ حل موجود ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ نے — اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ سن کر فرمایا کہ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ اسے اچھی طرح دھیان میں رکھو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

چوبیسویں مجلس

بدھوار، سنہ مذکور ماہ ربیع الآخر کی دو تاریخ

سعادت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ ترک دنیا کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ صحیح معنیٰ میں دانا وہ ہے جو دنیا سے پرہیز کرتا ہے اس کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص یہ وصیت کرے کہ میرے بعد میرے مال کا ایک تہائی حصہ اس شخص کو دیا جائے جو سب سے بڑھ کر عقل مند ہو تو اس پر عمل درآمد کیسے ہوگا؟ اس کا خود ہی جواب دیتے ہوئے

آپ نے فرمایا کہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ یہ مال اس شخص کو دیا جائے۔ جو تارک الدنیا ہو۔ اس پر حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ جب وہ تارک الدنیا ہوگا تو وہ اس مال کو کیسے قبول کرے گا آپ نے فرمایا کہ یہاں بات یہ ہو رہی ہے کہ یہ مال کس کو دیا جائے۔ چنانچہ اس مال کو دینے کا یہی محل ہے۔ اس بات کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ دنیا نام اس سونے چاندی اور سامان وغیرہ کا نہیں ہے بلکہ ان سے تعلق و محبت رکھنا دنیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے ایک بزرگ کا قول بیان کیا۔ انہوں نے کہا بَطْنُكَ دنیاكَ (تمہارا شکم تمہاری دنیا ہے) تم جتنا کم کھاؤ گے اتنے ہی تارکین دنیا میں شامل ہو گے۔ اور جتنا تم پیٹ بھر کر کھاؤ گے اتنا ہی ان میں سے نہیں ہو گے۔ اس مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ شیطان یہ کہتا ہے کہ ایک پیٹ بھرا جب نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو میں اسے گلے لگاتا ہوں۔ پس جب یہ پیٹ بھرا نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت میرا کس حد تک اس پر غلبہ ہوتا ہے۔ بھوکا آدمی جب سویا ہوتا ہے، میں اس سے دور بھاگتا ہوں۔ پس جب یہ بھوکا نماز میں ہوگا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مجھے اس سے کس حد تک نفرت ہوگی۔

اس موقع پر شیطان، اس کی وسوسہ اندازی اور ابن آدم پر اس کے غلبے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ خناس وہ دیو ہے۔ جو مستقل طور پر ابن آدم کے دل پر مسلط رہتا ہے۔ جب لوگ ذکر حق میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو وہاں سے دفع ہو جاتا ہے بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ مولانا علاء الدین ترمذی نے نوادر الاصول میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے دنیا میں آئے تو ایک دن حضرت حوا بیٹھی تھیں، ابلیس آپہنچا۔ خناس کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اس نے حوا سے کہا یہ میرا فرزند ہے اسے اپنی خدمت میں رکھیں۔ یہ کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ جب حضرت آدم آئے تو آپ نے خناس کو دیکھا اور حضرت حوا سے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت حوا نے کہا اسے ابلیس لایا ہے اور وہ یہ کہہ گیا ہے کہ یہ میرا فرزند ہے۔ اسے اپنی خدمت میں رکھیں۔ حضرت آدم نے کہا تم نے اسے اپنے پاس رکھنا کیوں قبول کیا ہے۔ وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ پس آدم علیہ السلام نے خناس کے چار ٹکڑے کئے اور انہیں ایک ایک کر کے چار پہاڑوں پر رکھ دیا۔ جیسے ہی حضرت آدم علیہ السلام وہاں سے

غائب ہوتے ابلیس آیا اور اس نے حضرت حوّا سے پوچھا خنّاس کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا آدم نے اس کے چار ٹکڑے کئے اور انہیں چار پہاڑوں پر رکھ دیا۔ ابلیس نے جب یہ سُنا تو اس نے آواز دی اے خنّاس! خناس اسی دم اسی اپنی پہلی ہیئت میں حاضر ہوگیا۔ جب ابلیس وہاں سے چلا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام آئے تو آپ نے پھر خناس کو کھڑے دیکھا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت حوّا نے انہیں ساری صورت حال بتائی۔ حضرت آدم نے اس دفعہ خناس کو قتل کیا، اُسے جلایا اور اس کی راکھ کو ذرہ ذرہ کرکے پانی میں بہا دیا۔ جب حضرت آدم وہاں سے چلے گئے تو پھر ابلیس آیا اور خناس کے متعلق پوچھا۔ حضرت حوّا نے اس سے صورت حال کہہ دی۔ ابلیس نے آواز دی۔ اے خنّاس! وہ اسی دم حاضر ہوگیا۔ جب ابلیس چلا گیا تو حضرت آدم آئے اور انہوں نے خناس کو گوسفند یعنی بکری کی صورت میں موجود پایا حضرت آدم نے ماجرائے حال معلوم کیا۔ اس دفعہ انہوں نے خناس کو بکری کی صورت میں موجود پایا۔ ذبح کیا، پکایا اور کھا گئے۔ اس دوران میں ابلیس آگیا اور اس نے آواز دی، اے خناس! خنّاس نے دلِ حضرت آدم کے اندر سے آواز دی۔ لبیک۔ لبیک (میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں) ابلیس نے کہا، وہیں رہو۔ میں یہی کچھ تو چاہتا تھا۔

پچیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور ۷۱۱ھ ماہ جمادی الاوّل کی پندرہ تاریخ

دولت پائے بوسی میسر آئی۔ مصحف یعنی قرآن مجید سے فال نکالنے کے بارے میں گفتگو ہونی لگی۔ بندے نے عرض کیا کہ مصحف سے جو فال نکالی جاتی ہے کیا اس کے بارے میں کوئی روایت ہے؟ فرمایا، ہاں اس باب میں ایک حدیث مروی ہے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ جب فال نکالنے

کے لیے مصحف کو کھولا جائے تو اسے دائیں ہاتھ سے کھولیں۔ اور اس میں بائیں ہاتھ سے مدد نہ لی جائے۔

بعدازاں اسی ضمن میں یہ حکایت بیان فرمائی۔ ارشاد ہوا میں نے شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا۔ انہوں نے کہا کہ جب میں غزنی سے لاہور آیا تو اس وقت لاہور بڑا آباد شہر تھا۔ میں کچھ عرصہ لاہور میں رہا۔ اس کے بعد میرا ارادہ وہاں سے سفر کرنے کا ہوا۔ ایک خیال یہ تھا کہ میں دہلی کی جانب جاؤں اور ایک خیال یہ ہوا کہ واپس غزنی چلا جاؤں۔ اسی سوچ میں میں برابر دو دلا یعنی متذبذب رہا بہرحال غزنی لوٹ جانے کی طرف دل کو زیادہ کشش تھی کیونکہ وہاں ماں، باپ عزیز واقربا اور دوست احباب تھے۔ اور دہلی میں سوا ایک داماد کے اور کوئی نہ تھا۔ اسی حالت میں مَیں نے قرآن سے فال نکالنے کی نیت کی۔ پہلے میں نے غزنی جانے کی نیت کر کے فال نکالی تو عذاب کی آیت نکلی۔ پھر دہلی کی نیت کر کے فال نکالی تو بہشت، اس کی نہریں اور اس کے دوسرے اوصاف بیان کرنے والی آیت نکلی۔ اگرچہ میرا دل غزنی جانے کی طرف مائل تھا۔ لیکن میں اس فال کے مطابق دہلی کی جانب روانہ ہوگیا۔ جب میں شہر میں پہنچا تو میں نے سُنا کہ میرا داماد قید خانے میں بند ہے۔ میں سلطان کے محل کی طرف گیا تاکہ اپنے داماد کے بارے میں کچھ معلوم کروں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرا داماد محل سے باہر آرہا ہے اس کے ہاتھ میں ایک چادر ہے اور اس چادر میں چاندی کے سکے ہیں۔ جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا، مجھ سے بغل گیر ہوا۔ اور بہت خوش ہوا۔ مجھے اپنے گھر لے گیا اور میرے سامنے وہ نقدی رکھ دی۔ وہ معقول رقم تھی۔ اس سے میرا دل مطمئن ہوگیا۔ انہی دنوں میں نے غزنی سے آنے والی خبر سُنی کہ مغلوں نے ان اطراف میں وارد ہو کر میرے ماں، باپ اور سارے اعزہ واقربا کو شہید کر دیا ہے۔

بعدازاں بندہ نے عرض کیا کہ بدرالدین غزنوی جب یہاں یعنی دہلی آئے تھے تو کیا اس وقت انہوں نے شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ فرمایا ہاں، یہاں سے بات کا رخ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز المبارک کی طرف گیا۔ فرمایا ان کا معاملہ دوسرا تھا۔ انہوں نے لوگوں سے ترک تعلق اور دشت و بیاباں کو پسند کر لیا

یعنی اجودھن میں سکونت پذیر ہو گئے ۔ آپ نے نانِ درویش اور دیگر ایسی چیزوں پر قناعت فرمائی جو اس دیار میں پیدا ہوتی تھیں ۔ جیسے پیلو اور اسی نوع کی دوسری اشیاء اس کے باوجود ان کے پاس بے حد وحساب لوگ آنے جانے لگے ۔ خانقاہ کا دروازہ تخمیناً آدھی رات کو یا اس کے قریب کہیں بند ہوتا تھا ۔ مطلب یہ کہ لگاتار کھلا رہتا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خانقاہ میں نقدی، کھانا اور دوسری نعمتیں موجود رہتی تھیں اور حضرت شیخ ہر آنے جانے والے کو ان میں سے اس کا حصہ عطا فرمایا کرتے تھے ۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص آپ کے پاس آیا ہو اور آپ نے اسے کوئی نہ کوئی چیز نہ دی ہو ۔ کیا قوت تھی اور کیا زندگانی ! بنی آدم میں سے کسی شخص کو ایسی بات میسّر نہیں ہوئی ۔ اگر کوئی ایسا شخص آپ کی خدمت میں آتا ۔ جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا ہوتا ۔ اور دوسرا کوئی ایسا شخص آتا جو پہلے آ چکا ہوتا ۔ اور چند سال سے اس کی آپ سے راہ رسم ہوتی تو آپ دونوں سے ایک ہی طرح گفتگو کرتے اور دونوں پر یکساں طور سے لطف اور توجہ فرماتے ۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا : میں نے بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے وہ کہتے تھے ۔ کہ میں آپ کا خادم محرم[1] تھا ۔ جو بات ہوتی مجھ سے فرماتے اور جو کام ہوتا میرے سپرد کرتے ۔ وہ خلوت اور جلوت میں ایک ہی سی بات کہتے تھے ۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خلوت میں آپ نے کوئی ایسی بات کہی ہو یا کوئی ایسا کام کیا ہو ۔ جس کا جلوت میں من و عن ذکر نہ کر دیا ہو ۔ یعنی وہ ظاہر و باطن میں ایک ہی روش رکھتے تھے اور یہ امر عجائب روزگار میں سے ہے ۔

---

[1] واقف کار اور رازدار ۔

چھبیسویں مجلس

منگل وار، سال مذکور، ماہ جمادی الآخر کی بارہ تاریخ

دولت پائے بوسی سے سرفراز ہوا۔ سورۂ فاتحہ کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ لوگ اسے اکثر حاجات براری کے لیے پڑھتے ہیں۔ فرمایا جس شخص کو کوئی مہم یا مشکل کام درپیش ہو وہ سورۂ فاتحہ کو اس طرح پڑھے۔ پہلے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ اور الرحیم کی میم کو الحمدللہ کے لام سے یوں ملائے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم الحمدللہ۔ جب وہ الرحمٰن الرّحیمُ پر پہنچے تو تین بار الرحمٰن الرّحیمُ پڑھے اور جب وہ سورت ختم کرلے تو تین بار آمین کہے، سورۂ فاتحہ کو اس طرح پڑھنے سے حق تعالیٰ اس شخص کی مہم دلخواہ انجام تک پہنچا دیتا ہے۔

سورۃ فاتحہ ہی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا؛ کہ پورے قرآن مجید میں جو کچھ ہے وہ دس چیزیں ہیں۔ ان دس چیزوں میں آٹھ چیزیں سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں۔ دس چیزیں جو قرآن میں موجود ہیں وہ یہ ہیں: ذات، صفات، افعال، ذکر معاد، تزکیہ، تحلیہ، ذکر اولیاء، ذکر اعداء، محاربہ کفار اور احکام شرع۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ ان دس چیزوں میں سے آٹھ چیزیں سورۃ فاتحہ میں شامل ہیں۔ الحمدللہ، ذات۔ رب العالمین، افعال۔ الرّحمٰن الرّحیم، صفات۔ مالک یوم الدین، ذکر معاد۔ ایاک نعبدُ، تزکیہ۔ وایاکَ نستعین، تحلیہ۔ اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم، ذکر اولیاء۔ غیرالمغضوب علیہم ولاالضآلین، ذکر اعداء۔ پس دس چیزیں جو پورے قرآن میں ہیں۔ ان میں سے آٹھ میں نے سورۃ فاتحہ میں پائی ہیں۔ صرف محاربہ کفار اور احکام شرع اس میں نہیں۔ پھر حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ[1] کا

---

[1] ابوحامد محمد غزالی (۱۰۵۹ء — ۱۱۱۱ء)۔

ذکر آیا۔ فرمایا۔ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے بڑی تحقیق سے بیان کیا ہے۔ اس وقت آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انہوں نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اَلصَّوْمُ نِصْفُ الصبرِ والصبر نصف الایمان (روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان)۔ بعدازاں ارشاد فرمایا کہ اَلصَّوْمُ نِصْفُ الصبر سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے پہلے صبر کی حقیقت بیان فرمائی کہ صبر کیا چیز ہے؟ حق کے داعیہ کا، ہوا و ہوس کے محرکات پر غالب اور حاوی ہونے کا نام، صبر ہے ——— اس کے بعد فرمایا کہ ہوا و ہوس کو جنم دینے والی دو چیزیں ہیں۔ غصہ اور شہوت، روزہ شہوت کو دباتا اور زیر کرتا ہے۔ اس لیے ہم نے یہ جانا کہ الصَّوْم نصف الصبر (روزہ نصف صبر ہے) اور یہ جو بیان ہوا کہ الصبر نصف الایمان (صبر نصف ایمان ہے)، تو اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ ایمان کی صفت میں دو چیزیں آتی ہیں۔ عقائد اور اعمال۔ پس صبر کا نصف ایمان ہونا یہی ہے۔

اس کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کی تصنیف عوارف المعارف کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا: میں نے عوارف کے پانچ ابواب شیخ کبیر فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے پڑھے۔ بعدازاں ارشاد ہوا کہ آپ عوارف کے نکات اس طرح بیان کرتے تھے کہ کسی اور سے ایسا بن نہ پڑے گا۔ بارہا لوگ آپ کے حسن بیان سے اس طرح متاثر ہوتے کہ وہ آرزو کرنے لگتے اے کاش اسی حالت میں انہیں موت آجائے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جس روز حضرت شیخ کے لیے کتاب عوارف المعارف لائی گئی۔ اس روز آپ کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا۔ آپ نے اس کا نام شہاب الدین رکھ دیا۔

چند لمحے اس امر پر گفتگو ہوتی رہی کہ وہ بات جو کسی بزرگ اور صاحب نعمت سے سُنی جائے اس کی لذت اور ہوتی ہے۔ اور وہی بات اگر کسی دوسرے سے سنی جائے تو اس سے کوئی خاص لذت حاصل نہیں ہوتی۔ گویا بزرگ اور صاحب نعمت کی بات ایک ایسے مقام سے صادر ہوتی ہے۔ جو نور معرفت سے آراستہ ہوتا ہے۔ اس باب میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص صالح اور صاحب نعمت تھا۔ وہ ایک مسجد میں امامت کرتا تھا۔ نماز کے بعد وہ مشائخ کے اقوال اور ان کے احوال میں سے کچھ چیزیں بیان کیا کرتا تھا۔

جس سے سننے والوں کو بڑی راحت ملتی تھی۔ سننے والوں میں ایک نابینا آدمی بھی تھا۔ اُسے بھی یہ حکایت سُن کر لذت حاصل ہوتی تھی۔ ایک روز وہ امام موجود نہ تھا۔ مسجد کا مؤذن اسی جگہ بیٹھ گیا اور اس نے مشائخ کی وہی حکائتیں اور احوال جو اس نے امام سے سنے تھے۔ بیان کرنے شروع کر دیئے۔ جب مؤذن کی یہ باتیں اس نابینا کے کانوں میں پڑیں تو اس نے پوچھا کہ مشائخ کے احوال اور ان کی حکائتیں کون بیان کر رہا ہے! لوگوں نے کہا کہ آج امام موجود نہیں مؤذن اس کی جگہ بیٹھا یہ حکائتیں بیان کر رہا ہے۔ نابینا بولا۔ ہم ہر تر دامنؔ[1] سے یہ کلمات نہیں سنیں گے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ وہ شخص جس کے اعمال اچھے نہ ہوں۔ اس کی بات میں بھی لذت و ذوق نہیں ہوتا۔ اس کے بعد آپ نے زبان مبارک سے شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھا ؎

بزبان ہر کہ جز من برود حدیث عشقت

چو معاملہ ندارد سخن آشنا نباشد

(میرے سوا تیری محبت کی بات خواہ کسی بھی شخص کی زبان سے ادا ہو دل آویزی سے محروم رہے گی اس لیے کہ یہ بیان کرنے والے کی واردات نہ ہوگی۔

ستائیسویں مجلس

منگلوار، سال مذکورہ ۷۱۱ھ ماہ رجب کی اٹھارہ تاریخ

سعادت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ اس رات بندہ نے ایک خواب دیکھا تھا۔ میں نے

---

[1] جس کا دامن پاک نہ ہو۔

آپ کو خواب سنایا۔ خواب یہ تھا کہ گویا صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں نماز کے لیے وضو کر رہا ہوں اور نماز کا وقت تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے جلدی جلدی وضو کیا، سنتیں پڑھیں اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ نزدیک ہی جماعت ہو رہی ہے۔ میں جلدی جلدی چل پڑا تاکہ نماز باجماعت پا لوں۔ چنانچہ میں بسرعت تمام جا رہا ہوں۔ مگر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ سورج نکلنے والا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا نماز کا وقت گزر جائے۔ یوں لگا کہ میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور سورج کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا۔ تجھے وقت پاک شیخ کی قسم ابھی نہ نکلنا۔ میں نے یہ کہا اور خواب ہی میں میرا دل مسرور ہو گیا۔ اسی دوران میں میں جاگ پڑا اور اس وقت ابھی رات کا ایک حصہ باقی تھا۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ بات سنی تو آبدیدہ ہو گئے اور اس وقت یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک بزرگ تھے۔ جن کا نام محمد نیشاپوری تھا۔ وہ بڑے محترم تھے اور اچھے اعتقادات کے مالک میں نے ان سے سنا کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں گجرات کا سفر کر رہا تھا۔ ان دنوں اس علاقے پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ میں اس راستے پر جا رہا تھا۔ میرے ساتھ ایک دو اور آدمی جا رہے تھے۔ اور میرے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک ہندو نکل آیا۔ اور اس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے۔ میں ڈرنے لگا۔ پس اتنے میں وہ ہندو برہنہ تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے ہمارے سامنے آگیا۔ جب وہ میرے نزدیک آیا تو میں نے کہا۔ شیخ حاضر باش (یعنی اے مرشد مدد کو پہنچیں) یہ سنتے ہی ہندو نے فی الفور تلوار ہاتھ سے رکھ دی اور مجھ سے کہا مجھے امان دیجئے۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیوں امان طلب کر رہا ہے۔ اس نے دوبارہ کہا مجھے امان دیجئے۔ میں نے کہا تمہیں امان ہے۔ بعد ازاں میں نے اس کی تلوار اُسے واپس دے دی۔ چنانچہ اس نے اپنی راہ لی۔ اور ہم نے اپنی۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس حکایت کو تمام کرنے کے بعد فرمایا اب تم خود اندازہ کر لو کہ اس ہندو نے کیا دیکھا۔ اور اسے کیا دکھایا گیا۔

اٹھائیسویں مجلس

منگلوار، سال مذکور کے ماہ شعبان مبارک کی دو تاریخ

اس مہینے کی برکتیں عام ہوں۔ سعادت پائے بوسی میسر آئی۔ لوگوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا درویشی یہ ہے کہ ہر آنے والے کے سامنے جب وہ آئے۔ سلام کے بعد کھانا پیش کیا جائے، اس کے بعد حکایات اور ادھر اُدھر کی باتوں کا سلسلہ شروع ہو۔ بعد ازاں آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ اِبْدَاُ وْا بالسَّلام ثُمَّ بالطعام ثُمَّ بالکلام۔ (اول کہو سلام پھر لاؤ طعام پھر کرو کلام)

انتیسویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ شعبان کی بائیس تاریخ

دولت قدم بوسی میسر ہوئی۔ کھانا سامنے لایا گیا اور لوگ کھانے لگے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا، ایک بزرگ نے کہا ہے کہ جب میرے سامنے لوگ کھانا کھاتے ہیں تو میں اس کھانے کی لذت اپنے حلق کے اندر پاتا ہوں یوں گویا میں یہ کھانا خود کھا رہا ہوں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک چوپائے کو چابک سے مارا۔

شیخ ابوسعید نے اس زور سے آہ بھری جیسے یہ چابک انہی کے لگا ہے۔ اور وردان کو ہوا ہے۔ چابک مارنے والا وہاں موجود تھا۔ اسے یہ صورت حال ناممکن نظر آئی۔ شیخ ابوسعید نے اپنی پیٹھ ننگی کرکے اُسے دکھادی۔ اس چابک کا نشان شیخ کی پشتِ مبارک پر نمایاں تھا۔ بعد ازاں اس حکایت کو بیان کرنے والا حضرت خواجہ کی طرف ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ متوجہ ہوا اور آپ سے کہا اس حکایت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کی حالت دوسرے پر اثرانداز ہوتی ہے لیکن اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ میں نہیں جانتا۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرمایا کہ رُوح جب قوی ہوتی ہے اور کمال کو پہنچتی ہے تو قالب کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پس اس اتحاد یعنی عمل اور ردّ عمل کے بموجب یہ ہو سکتا ہے کہ جو چیز قلب پر وارد ہو۔ اس کا اثر قالب یعنی جسم پر بھی ظاہر ہو جائے۔ اس گفتگو کے دوران میں بندے نے عرض کیا کہ یہ حالت کچھ اوصاف معراج کے مشابہ ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔

بعدازاں آپ نے فرمایا: ایک بزرگ نے کہا ہے میں نہیں جانتا کہ آیا معراج کی رات رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہاں لے جایا گیا۔ جہاں عرش وکرسی ہے اور بہشت و دوزخ اور وہاں آپؐ نے جو کچھ دیکھا، دیکھا۔ یا ان سب چیزوں کو وہاں لے جایا گیا جہاں آپؐ تھے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ اگر ان سب چیزوں کو وہاں لے جایا گیا جہاں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ تو اس صورت میں مرتبۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بالاتر ہو جاتا ہے۔

پھر ان لوگوں کا ذکر ہوا، جو بیعت کرنے کا طریقہ نہیں جانتے۔ بعض وہ ہیں کہ ایک سے بیعت کرتے ہیں۔ پھر کسی دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ مشائخ کے مزاروں سے بیعت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مَیں نے عرض کیا کہ بعض لوگ مشائخ کے مزاروں کا قصد کرتے ہیں اور وہاں ان کے پاس بیٹھ کر سر منڈاتے ہیں اور مرید ہوتے ہیں کیا یہ بیعت درست ہوگی! فرمایا نہیں۔

اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک صاحبزادے تھے جو دوسروں سے بڑے تھے۔ وہ شیخ الاسلام قطب الدین

بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے مزار کی پائنتی میں گئے۔ وہاں سر منڈایا۔ لوگوں نے یہ خبر شیخ فریدالدین نور اللہ مرقدہ (اللہ آپ کی قبر کو پر نور کرے)، تک پہنچائی، آپ نے فرمایا کہ شیخ قطب الدین طاب اللہ ثراہ (اللہ ان کی قبر کو خوشگوار بنائے) ہمارے آقا و مخدوم ہیں لیکن اس بیعت کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ارادت و بیعت یہ ہے کہ کسی شیخ اور مرشد کا ہاتھ پکڑ لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ شوال کی اکیس تاریخ

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ رُویا اور خواب کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: پرانے زمانے میں ایک ترک تھا جسے تکلش کہتے تھے۔ وہ با خدا شخص تھا۔ ایک اس نے شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ سے اس خواب کا ذکر کیا۔ ذکر کرنے سے پہلے اس نے ان سے سخت قسم لی اور کہا کہ جو بات میں آپ سے کہوں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں آپ اس کا ذکر کسی سے نہیں کریں گے۔ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ شرط قبول کر لی، بعد ازاں تکلش نے انہیں بتایا کہ میں نے آج کی رات حضرت رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ پھر اس نے ان احوال اور انوار کا ذکر کیا جو اس نے دیکھے ۔ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تکلش یہ خواب دیکھنے کے بعد چالیس سال تک زندہ رہا۔ اور میں نے اس طویل مدت میں اس عہد کے بموجب جو میں نے اس سے کیا تھا۔ کسی سے اس کے خواب کا تذکرہ نہیں کیا۔ جب تکلش کے انتقال کا وقت آیا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہونے لگا۔ تو میں اس کے پاس گیا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا، کیا وہ خواب

آپ کو یاد ہے جو میں نے دیکھا تھا۔ اور اس کا ذکر آپ سے کیا تھا۔ میں نے کہا۔ ہاں! یاد ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہاری کیسی حالت ہے، اس نے کہا اس وقت میں اسی خواب کی سی کیفیت میں مستغرق اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔

اس موقعہ پر شیخ نجیب الدین کے احوال وکوائف اور شیخ کبیر فریدالدین رحمۃ اللہ علیہما کے مناقب واوصاف کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ دہلی میں ایک ترک تھا۔ اس نے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اس کی امامت شیخ نجیب الدین کے سپرد کی۔ اور ان کے لیے ایک گھر بھی مہیا کیا۔ اس ترک نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور اس پر ایک لاکھ بلکہ اس سے زیادہ جیتل (ایک سکّہ) خرچ کیے۔ ایک موقعہ پر باتوں باتوں میں شیخ نجیب الدین نے اس ترک سے کہا۔ پورا مومن وہ ہوتا ہے جس کے ہاں حق کی محبت، اولاد کی محبت پر غالب ہو۔ اب تم نے ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ جیتل اپنی صاحبزادی پر خرچ کئے ہیں اگر تم اس سے دوگنی رقم راہ حق پر خرچ کردو تو پھر پورے مومن ہو سکتے ہو۔ ترک اس بات سے خفا ہو گیا۔ اور اس نے شیخ نجیب الدین سے مسجد کی امامت بھی لے لی اور مکان بھی۔ شیخ نجیب الدین دہلی سے اجودھن چلے گئے۔ اور انہوں نے یہ ساری صورت حال شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا: خدائے عزوجل کا ارشاد ہے:-

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا[۱]۔

یعنی ہر آیت جو ہم منسوخ کرتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ہم اس سے بہتر آیت لے آتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کا زیادہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اس ترک کا نام ایتمر تھا۔ شیخ الاسلام نے زبان مبارک سے فرمایا اگر ایتمر مر گیا تو خدائے عزوجل اینکری پیدا کر دے گا۔ انہی دنوں ایک بڑا سردار اینکر نامی اس علاقے میں پہنچا۔ اس نے شیخ الاسلام اور ان کے بلند مرتبت خاندان کی بڑی خدمت کی۔ اور وہ اس خاندان کے خدمت گاروں کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔

پھر شیخ صدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا۔ نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے

---

[۱] سورۂ البقرہ۔ آیت ۱۰۶

ایک خانقاہ تعمیر کی تھی. جب شیخ بدرالدین نے اس خانقاہ میں اقامت کی تو وہاں ان کو سکون نہ ملا. اور جلد ہی وہ اصلی طور طریقے سے ہٹ گئے. چنانچہ جن دنوں شیخ بدرالدین اس خانقاہ میں سکونت پذیر تھے. نظام الدین خریطہ دار کسی محاسبے میں آگئے. اور ان کے معاملات میں ابتری پیدا ہو گئی. شیخ بدرالدین غزنوی نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حقیقت حال عرض کی کہ ایک شخص نے میرے لیے خانقاہ بنائی ہے اس وقت اس کے معاملات میں گڑبڑ ہے. اس کی وجہ سے میں بھی پریشان ہوں. شیخ الاسلام نے اس کے جواب میں یہ کہلوا بھیجا کہ جو شخص خود پیروں کی سیرت و سنت پر نہیں چلتا. اس کا یہی حال ہوتا ہے. چونکہ خانقاہ بنانا ہمارے پیروں کا دستور نہ تھا. اس نے علیحدہ خانقاہ بنائی وہاں نشست بنائی بدیں سبب تکلیف اٹھائی.

بعدازاں شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کی بزرگی کا ذکر ہونے لگا. فرمایا آپ نے آخری عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور جب آپ پورا قرآن حفظ کر چکے تو آپ کا انتقال ہو گیا اللہ آپ پر رحمت کرے. کچھ دیر اولیاء کے انتقال کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی. حاضرین میں سے ایک نے ایک بزرگ کے انتقال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب فلاں نے وفات پائی تو ان کی زبان پر خدا کا نام بہت آہستہ آہستہ رواں تھا. یہ سُن کر حضرت خواجہ کی ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے آنکھوں میں آنسو آگئے. اور آپ نے زبان مبارک سے یہ دعا پڑھی ؎

آیم لبِ کوئی تو پویاں پویاں — رخسارہ باٰب دیدہ شویاں شویاں
بیچارہ رہ وصل تو جویاں جویاں — جان می دہم و نام تو گویاں گویاں

دمیں تیرے کوچے میں بھاگا چلا آرہا ہوں. آنکھوں کے پانی سے رخسار تر کئے آرہا ہوں. بے بس ہوں اور تیرے وصل کی راہ ڈھونڈتا ہوا آرہا ہوں. میں جان دے رہا ہوں اور تیرا نام لے رہا ہوں.

اکتیسویں مجلس

جمعہ سن مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی اٹھائیں تاریخ

قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی ۔ آپ نماز سے پہلے کیلو کھری[1] کی جامع مسجد کے سامنے والے مکان میں تشریف فرما تھے ۔ عالم طریقت کے بارے میں گفتگو ہوئی ۔ اور یہ ذکر آیا کہ بعض اشخاص یادِ حق میں مستغرق رہتے ہیں اور اس امر پر بھی بات ہوتی رہی کہ ایک گروہ وہ ہے جو بحث و مباحثہ میں مشغول رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو ان اشخاص کی طرح پیش کرے ۔ جو یادِ حق میں مستغرق رہتے ہیں ۔ اس سلسلے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی ۔ ایک طالب علم جس کا نام شرف الدین تھا اچھی خاصی اہلیت وصلاحیت کا مالک تھا ۔ ایک روز وہ شیخ کبیر حضرت شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا ۔ شیخ نے اس سے پوچھا ، تمہارے پڑھنے پڑھانے کا کیا حال ہے ! اس نے جواب دیا کہ اس وقت تو میں سب کچھ بھول گیا ہوں ۔ حضرت شیخ پر یہ بات گراں گزری ۔ چنانچہ جب وہ باہر گیا آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ مرد باصلاحیت اونچی ہوا میں چلا گیا ہے ۔

جب حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ یہ حکایت بیان کی تو آپ آبدیدہ ہو گئے ۔ اور فرمایا پیران طریقت میں سے ایک پیر تھے ۔ ان کا ایک بیٹا تھا ۔ جس کا نام محمد تھا ۔ اس نے حصول علم کے سلسلے میں بڑی محنت کی اور اس میں بڑی قابلیت بہم پہنچائی ۔ اس کے بعد اس نے چاہا کہ وہ عالم طریقت میں داخل ہو جائے ۔ چنانچہ اپنے باپ

---

[1] سلطان بلبن کے جانشین اور اس کے پوتے سلطان معز الدین کیقباد (عہد حکومت ۶۸۶ ھ - ۶۸۸ ھ) نے غیاث پور موجودہ بستی نظام الدین کے قریب دریائے جمنا پر نیا شہر کیلو کھری آباد کیا تھا ۔

سے کہنے لگا کہ میں درویش بننا چاہتا ہوں۔ باپ نے کہا ٹھیک ہے، پہلے ایک چلّہ کھینچو۔ بیٹا چلّے میں بیٹھ گیا۔ جب چلّہ پورا ہوگیا تو وہ باپ کی خدمت میں آیا، باپ نے اس سے چند مسائل جو وہ پہلے پڑھ چکا تھا۔ دوبارہ پوچھے، بیٹے نے ان سب کا جواب دیا۔ بعدازاں باپ نے کہا محمد! تمہیں اس چلّے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ جاؤ ایک چلّہ اور کھینچو بیٹے نے ایک چلّہ اور کھینچا، جب یہ چلہ بھی پورا ہوگیا۔ تو وہ پھر باپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ باپ نے پھر اس سے چند مسائل پوچھے اس دفعہ بھی وہ کہیں کہیں جواب دینے میں اٹکا۔ باپ نے پھر اس سے کہا جاؤ ایک چلہ اور کھینچو۔ بیٹے نے تیسرا چلّہ کھینچا۔ اس کے بعد وہ باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور باپ نے پھر اس سے چند مسائل پوچھے بیٹا چونکہ مشغول بہ حق ہو چکا تھا اس لیے وہ ان مسائل کا جواب نہ دے سکا۔

پھر رؤیا و خواب اور ان کی تعبیروں پر گفتگو ہونے لگی آپ نے کہا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے کل رات اپنے اصحاب کو خواب میں دیکھا، ان میں سے ہر ایک لباس میں ملبوس تھا۔ لیکن ان میں سے ایک کا لباس سینے تک تھا۔ اس سے اوپر وہ برہنہ تھا۔ ایک کا لباس ناف تک تھا۔ اور ایک کا زانو تک، البتہ میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ وہ ایسے لباس میں ہیں۔ جو زمین پر گھسٹتا جا رہا ہے۔ اصحابؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! اس خواب کی تعبیر فرمائیے، آپؐ نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ ہر ایک کا لباس اس کے دین کے مطابق ہے۔

پھر ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ خوابوں کی جو تعبیریں وہ کرتے تھے بڑی صحیح ہوتی تھیں ایک دفعہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں سَفَرجل (مشہور میوہ بہی) دیکھی ہے۔ انہوں نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ تم سفر کرو گے۔ پوچھا گیا کہ یہ آپ نے کیسے کہا! کہنے لگے کہ لفظ سفرجل میں اول سفر ہے۔ ایک دوسرا شخص ان کے پاس آیا اور کہا میں نے رات کو خواب میں سوسن (ایک قسم کا پھول) دیکھا ہے کہنے لگے کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے گی۔ پوچھا گیا کہ یہ آپ نے کیسے کہا۔ کہنے لگے کہ لفظ سوسن کے شروع میں سُو ہے (بری چیز) حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ابن سیرین کی یہ تعبیریں درست تھیں۔

اسس ضمن میں بندے نے عرض کیا کہ ابن سیرین کیسے آدمی تھے! فرمایا کہ وہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں تھے۔ بڑے بزرگ اور عالم شخص تھے

بعدازاں فرمایا کہ امام محمد غزالی طیب اللہ ثراہ اللہ ان کی قبر کو خوشگوار کرے) نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان خوابوں کی ابن سیرین نے جس طرح تعبیر کی ہے وہ عجائب روزگار میں سے ہے۔ ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص رمضان کے مہینے میں ان کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں (مہر والی) انگشتری ہے۔ اور میں مردوں کے مونہوں اور عورتوں کی شرم گاہوں پر مہریں لگا رہا ہوں۔ ابن سیرین نے اسس کے خواب کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کیا تم موذن ہو! اسس نے کہا ہاں اُسی وقت آپ نے کہا تم نماز کی اذان بے وقت کیوں دیتے ہو۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا۔ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں تلوں سے تیل نکالتا ہوں۔ اور پھر دوبارہ اس تیل کو تلوں میں واپس کر دیتا ہوں۔ ابن سیرین نے اسس کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا۔ تم جا کر اچھی طرح تحقیق کرو کہیں تمہارے گھر میں تمہاری بیوی تمہاری ماں نہ ہو۔ وہ آدمی گھر آیا۔ اپنی بیوی سے اچھی طرح پوچھ گچھ کی۔ چنانچہ اُسے معلوم ہوا کہ وہ واقعی اسس کی ماں تھی۔

پھر دنبل[1] اور نارو کی بیماریوں سے پہنچنے والی تکلیف کے باب میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص عصر کی نماز کی سنتوں میں سورۂ البروج پڑھتا ہے، حق تعالیٰ نے اسے دنبل یعنی پھوڑے سے محفوظ رکھا ہے۔ اور چونکہ نارو بھی دنبل کی قبیل سے ہے، اسس لیے امید ہے کہ اس سے بھی حق تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ بعدازاں فرمایا کہ جو شخص عصر کی نماز کے بعد سورۂ النازعات پڑھتا ہے۔ خدائے عزوجل اُسے قبر میں نہیں رکھے گا۔ وہ قبر میں صرف ایک نماز کے وقت کے برابر رہے گا۔ اسس کے بعد آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ کسی کا قبر میں نہ رہنا کس طرح ہو گا! آپ نے فرمایا یہ یوں ہو گا۔ کہ اسس کی روح کمال کو پہنچے گی اور جب اس کی روح کامل ہو جائے گی۔ تو وہ قالب یعنی جسم کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔

---

[1] دنبل پھوڑا، نارو بھی ایک طرح کا پھوڑا ہے۔

بتیسویں مجلس

جمعہ ــــ سنہ ۷۱۱ھ ماہ ذی الحجہ مبارک کی پانچ تاریخ

سعادت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ آپ نماز جمعہ سے پہلے اس مکان میں تشریف فرما تھے۔ جو کیلوکھری کی جامع مسجد کے سامنے ہے۔ ترکِ دنیا پر گفتگو ہونے لگی، آپ نے فرمایا ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا: کہ ایک دفعہ ایک درویش کو اس امر کا اختیار دیا گیا کہ آیا تم دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اسے پسند کرو گے یا عقبیٰ میں جو کچھ تمہارے لیے مہیا کیا گیا ہے اُسے پسند کرو گے؟ اس درویش نے کہا میں عقبیٰ میں جو کچھ میرے لیے مہیا کیا گیا ہے اُسے پسند کروں گا۔ جب یہ بات ختم ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابہؓ نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگے یہ جو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ایک درویش کو دنیا اور عقبیٰ میں سے کسی ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تو یہ درویش خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہی ہیں وہ جنہیں یہ اختیار دیا گیا۔

جب حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے یہ ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے تو فرمانے لگے کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز بھی اسی طرح گفتگو کرتے تھے۔ وہ بارہا کہتے کہ ایک دفعہ ایک درویش کا یہ حال تھا یا ایک درویش نے یہ یہ کچھ کیا تو میں ان کی باتوں سے معلوم کر لیتا کہ حضرت شیخ اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں۔

اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے ترک دنیا کے متعلق یہ حکایت بیان فرمائی۔ بزرگانِ کرام

میں سے ایک بزرگ تھے، ایک دفعہ انہوں نے سطح آب پر مُصلّا بچھایا، نماز پڑھی اور کہا اے خداوند تعالیٰ! خضر نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے اسے توبہ کی توفیق دے اسی وقت خضرؑ ظاہر ہوئے اور کہا اے بزرگ! میں نے کس کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے توبہ کروں۔ اس بزرگ نے جواب دیا۔ تم نے ایک ویرانے میں درخت لگایا ہے اور اس کے سایے میں بیٹھتے ہو اور آسائش و آرام پاتے ہو۔ مگر کہتے یہ ہو کہ میں نے یہ درخت خدا کے لیے لگایا ہے خضر فوراً توبہ استغفار کرنے لگے۔ بعد ازاں اس بزرگ نے خضر سے ترک دنیا کے معنی و مفہوم کے بارے میں گفتگو کی اور کہا، اس طرح ہو جس طرح میں ہوں۔ خضر نے کہا کہ تم کیسے ہو اور کیا کرتے ہو! اس بزرگ نے کہا، میرا عمل یہ ہے کہ اگر پوری دنیا مجھے دیں اور کہیں کہ تم اسے قبول کر لو۔ ساتھ یہ بھی کہیں کہ تم سے اس کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ غرض مجھے اس طرح دنیا دیں اور نیز یہ کہیں کہ اگر تم نے دنیا قبول نہ کی تو تمہیں دوزخ میں لے جایا جائے گا۔ میں دوزخ قبول کر لوں گا۔ مگر دنیا قبول نہیں کروں گا۔ خضر نے کہا یہ کیوں؟ اس بزرگ نے جواب دیا یہ اس لیے کہ دنیا حق تعالیٰ کو مبغوض و ناپسند ہے جس چیز کو خدا تعالیٰ بُرا سمجھتا ہے۔ میں اس کے بجائے۔ دوزخ کو قبول کروں گا۔ اسے قبول نہیں کروں گا۔

تینتیسویں مجلس

بدھوار ۱۲ھ کے ماہ محرم کی تئیس (۲۳) تاریخ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ اس روز راقم الحروف اپنی کتاب مُخّ المعانی آپ کی خدمت میں لے گیا آپ نے بڑی تحسین و آفریں فرمائی۔ اس روز میں نے تجدید بیعت کی، آپ نے اپنے سر مبارک سے کلاہ اتار کر اس بندۂ بے چارہ کے سر پر رکھی والحمد للہ علیٰ ذالک،

جب آپ اپنے دست مبارک سے اپنی کلاہ بندے کے سر پر رکھ رہے تھے تو آپ نے دوبارہ زبانِ گوہر افشاں سے یہ شعر پڑھا ؎

در عشقِ تو کارِ خویش هر روز

از سر گیرم زہی سرِ دکار

(تمہارے عشق میں میں اپنا کام ہر روز نئے سرے سے شروع کروں کیا ہی اچھا کاروبار ہے)

اس کتاب کے بارے میں جو بندہ لے گیا تھا آپ نے فرمایا: وہ کتابیں جو مشائخ نے لکھی ہیں ان میں رُوح الارواح، بڑی اچھی اور راحت بخش کتاب ہے، آپ نے فرمایا کہ روح الارواح قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کو حفظ تھی۔ وہ اکثر منبر سے وعظ کے دوران میں اس کتاب کی بہت سی باتیں بتاتے تھے۔ ان کتابوں میں سے جو قدماء نے لکھی ہیں، قوت القلوب[1] عربی میں، اور روح الارواح فارسی میں بڑی اچھی کتابیں ہیں۔ بندے نے عرض کیا کہ مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی[2] بھی بڑی اچھی کتاب ہے لیکن پوری طرح گرفت میں نہیں آتی۔ فرمایا یہ ٹھیک ہے انہوں نے اسے ایک خاص حال میں لکھا ہے۔ اور ایک خاص وقت میں جو ان پر آتا تھا اس میں اُسے لکھا ہے بعد ازاں آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ وہ پچیس برس کے تھے کہ انہیں جلا دیا گیا اس عمر میں یہ عجیب و غریب کارنامہ قوتِ جوانی کی انتہا ہے انہیں حق تعالیٰ سے اس درجہ تعلق اور اس کی ذات میں اتنا انہماک تھا یہ ان کا عجیب و غریب کارنامہ ہے۔

بعدازاں فرمایا کہ عین القضاۃ ہمدانی نے اپنے والد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قاضی تھے، رشوت لیتے تھے اور حرام کھاتے تھے یہ اور اس طرح کی اور بہت سی باتیں انہوں نے لکھی ہیں۔ بندے نے عرض کیا کہ اس طرح لکھنے سے ان کا مقصد کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے یہ جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا کشف تھا۔ ایک دفعہ ایک جگہ مجلس سماع تھی۔

---

[1] مصنفہ ابوطالب مکی، وفات ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء

[2] وفات ۵۲۵ھ / ۱۱۳۰ء

اس میں درویش اور معززین جمع تھے خود عین القضاۃ کے والد بھی وہاں موجود تھے، عین القضاۃ نے کہاکہ میں نے شیخ احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ وہ اس مجلس میں موجود ہیں۔ اس دن (جہاں وہ تھے) وہاں سے وہ مقام جہاں شیخ احمد غزالی تھے بہت دور تھا۔ مثلاً یہ مجلس ایک شہر میں تھی اور شیخ احمد غزالی دوسرے شہر میں تھے لیکن جب تحقیق کی گئی تو بات وہی تھی جو عین القضاۃ نے بتائی تھی۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اس واقعہ کو بیان کرنے سے عین القضاۃ کا مقصود یہ تھا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نماز، اوراد اور خیرات سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ جس کو بھی اللہ چاہتا ہے کشف اور کرامت عطا کرتا ہے، اس دوران میں یہ سوال کیا گیا کہ کیا عین القضاۃ کے پیر شیخ احمد غزالیؒ[۱] تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا نہیں اس لیے عین القضاۃ اپنے مکتوب میں شیخ احمد غزالی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے پیر اور شیخ کا بھی ذکر کرتے ہیں وہ اس طرح لکھتے ہیں کہ میں یہ ہوں اور میرا پیر شیخ یہ ہے غرض اگر عین القضاۃ کے شیخ و پیر شیخ احمد غزالی ہوتے تو جہاں انہوں نے ان کا ذکر کیا ہے وہاں وہ اس کا بھی ذکر ضرور کرتے کہ وہ ان کے شیخ اور پیر ہیں۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ عین القضاۃ کم سن تھے اور بچوں میں کھیل رہے تھے۔ کہ شیخ احمد غزالی نے انہیں دیکھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ ان کی ماں اور باپ کے پاس آئے اور اُن کو طلب کیا، ماں باپ نے انہیں چھپا لیا اور کہہ دیا کہ وہ تو مرگیا ہے شیخ احمد غزالی نے فرمایا تم جھوٹ بول رہے ہو وہ نعمتیں جو اس کو ملنے والی ہیں جب تک مل نہیں جائیں وہ کیسے مر سکتا ہے، حضرت خواجہ نے فرمایا کہ شیخ احمد غزالی تہمت زدہ شخص تھے۔ اس بنا پر عین القضاۃ کے والد اور والدہ نے انہیں چھپا دیا تھا۔

مولانا برہان الدین غریب سلمہ اللہ اس وقت موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ شیخ احمد غزالی کے بارے میں لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ

---

[۱] آپ امام ابو حامد محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ ۱۰۵۹ء کے بھائی تھے۔

ایسے نہیں تھے ان کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کو ملامت کی جائے اور ان پر تہمت عائد ہو، ورنہ وہ بڑے پاک باز اور پارسا شخص تھے۔ حتیٰ کہ لوگوں نے ان پر ایک قصاب بچے کے ضمن میں بھی تہمت عائد کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لڑکے کے باپ کو بھی اس بات کا علم ہو گیا اور وہ ہر شخص کے سامنے حضرت شیخ کی برائی کرنے لگا ایک دفعہ ایسا ہوا کہ قصاب کا لڑکا شیخ کے پاس موجود تھا اس کا باپ تحقیق حال کے لیے پہنچ گیا۔ اس وقت شیخ حجرے میں یا کسی اور پردے کی جگہ میں تھے قصاب زادے کا باپ وہاں آگیا اور ایک روشن دان یا سوراخ میں سے اندر دیکھنے لگا۔ اس نے شیخ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس قصاب زادے کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ پھر شیخ نے دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیرنے کے بعد لڑکے سے پھر نصیحت و موعظت کی باتیں کرنے لگے۔ شیخ تمام رات صبح تک اسی طرح دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔ اور ہر دو رکعت نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس لڑکے سے اس کی اصلاح اور بہتری کے لیے باتیں کرتے رہے، جب صبح ہوئی تو اس لڑکے کا باپ آگے بڑھا اور شیخ کے قدموں میں گر پڑا پھر وہ اور اس کا لڑکا دونوں شیخ کے مرید ہو گئے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے فرمایا یہ ہر کسی سے نہیں ہو سکتا۔ ایسا کام کسی قوی النفس پاک اور کامل شخص ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: جب میں شیخ کبیر الشیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے حضور اجودھن میں مقیم تھا تو ایک جوگی آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تم کس راستے پر چلتے ہو اور تمہارے ہاں اصل کام کیا ہے! اس نے کہا کہ ہمارے علم میں یوں آیا ہے کہ آدمی کے نفس کے اندر دو عالم ہیں، ایک عالم عُلوی اور دوسرا عالم سفلی۔ سر کی مانگ سے ناف تک عالم علوی ہے اور ناف سے قدم تک عالم سفلی۔ کام کی بات یہ ہے کہ عالم عُلوی میں تمام تر

ـــہ صوفیہ میں ایک فرقہ ملامتیہ ہے وہ بباطن نیک اور پاک باز ہوتے ہیں لیکن اس خیال سے کہ ان کی نیکی اور پاک بازی کی شہرت نہ ہو۔ بظاہر ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کی وجہ سے وہ بدنام کیے جاتے ہیں۔

صدق وصفا، اعلیٰ اخلاق و اعمال ہوں گے اور عالم سفلی میں نگاہداشت اور پاکی و پارسائی ہوگی۔ حضرت خواجہ نے، اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا: مجھے اس کی یہ بات بہت اچھی لگی ہے۔

پھر ترک دنیا کا ذکر ہوا اس باب میں آپ نے بہت کوشش وسعی کرنے کی تلقین کی آپ نے فرمایا، بیشک کوئی شخص دنوں کے روزے رکھے راتوں کو نمازیں پڑھے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کرے مگر ان کاموں کی بنیاد یہ ہونی چاہیئے کہ اس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا جو شخص خدا کی دوستی کا دعویٰ کرے اور اس کے دل میں دنیا کی محبت بھی ہو تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہوگا۔

چونتیسویں مجلس

جمعہ، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی بائیس تاریخ

دست بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ خواجہ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کے باب میں گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا انہوں نے ایک مدت تک خلق سے قطع تعلق کئے رکھا، پھر وہ خلق میں آن ملے انہیں غیب سے یہ فرمان ملا تھا کہ خلق کو وعظ و نصیحت کرو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے ہزار مصیبتیں برداشت کرو۔ اس کے بعد ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ راستے پر جا رہے تھے کہ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر ان کی گدی پر تھپڑ مارا، ایک اور آیا اس نے تھپڑ مارا وہ ان سب کو گنتے رہے اور گانٹھ دیتے رہے جب پورے ایک ہزار ہوگئے تو ان کے دماغ میں یہ بات ڈال دی گئی کہ اب منبر پہ جا بیٹھو اور خلق خدا کو

وعظ ونصیحت کرو انہوں نے کہا اے اللہ! نہ مَیں نے کوئی علم پڑھا ہے اور نہ مجھ میں کوئی کمال ہے میں خلق کو کیسے وعظ نصیحت کروں! فرمان ملا کہ منبر پر قدم رکھنا تمہارا کام ہے اور (باقی سب کچھ) عطا کرنا ہمارا کام ہے۔

پھر خلق سے میل جول ترک کرنے کا ذکر ہوا فرمایا شیخ احمد بن حنبل[1] رحمۃ اللہ علیہ سفید باف (کپڑا بننے والے) تھے وہ ایک مدت خلق سے قطع تعلق کئے رہے۔ پھر جب وہ خلق میں آن رہے تو چپ سادھے رہے کسی سے بات نہ کی۔ جب اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا تو ان کا ایک جاننے والا اور محرم راز ان کے قریب آیا اور ان سے کہا کہ جب آپ خلق کے درمیان آگئے ہیں تو بات کیوں نہیں کرتے! انہوں نے جواب دیا کیا بات کروں تکوّن (کائنات کے وجود میں آنے) کا ذکر کروں یا مکوّن (کائنات کے وجود میں لانے والے) کا۔ تکوّن کا ذکر دائرۂ کلام میں نہیں آسکتا اور مکوّن کے بارے میں سرے سے کچھ کہا نہیں جاسکتا یہ رباعی جو دوست کے پاس دوست کے تنہا آنے کے مضمون کی حامل ہے۔ انہیں سے سُنی گئی۔ رباعی یہ ہے ؎

تا من بمیان رسول باشم باتو　　تنہا ز ہمہ جہاں من و تنہا تو
خورشید نخواہم کہ بر آید باتو　　آئی بر من سایہ نباشد باتو

(تاکہ تمہارے اور اپنے درمیان میں ہی ایلچی بن جاؤں یوں ہو کہ تمام جہان میں مَیں بھی تنہا ہوں اور تم بھی میں یہ نہیں چاہتا کہ سورج تمہارے ساتھ آئے، تم میرے پاس آؤ تو تمہارے ساتھ سایہ بھی نہ ہو)

چند لمحے اس جماعت کا ذکر ہوا جو روزہ رکھتے ہیں اور طے[2] کا روزہ رکھتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد فخر وغرور اور ریا کاری ہوتا ہے۔ بعد ازاں زبانِ گوہر افشاں سے

---

[1] پیدائش ۱۶۴ھ، وفات ۲۴۱ھ

[2] طے کے روزہ میں تین روز کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ اور اس دوران میں ہر روز شام کو کسی مشروب کے تین چار قطروں سے روزہ افطار کرتے ہیں۔

یہ شعر پڑھا ؎

لنگھنت گر کند ترا فربہ
سیر خوردن تراز لنگھن بہ!

(اگر تیرا روزوں کا فاقہ تجھے فربہ کر دیتا ہے تو تیرا پیٹ بھر کے کھانا کھا لینا اس سے کہیں بہتر ہے۔)

پینتیسویں مجلس

منگل وار ماہ مذکور کی چھبیس تاریخ

شرف پائے بوسی حاصل ہوا۔ درویشوں کے احوال و کوائف اور عالم درویشی میں ان کے حسن کلام ومقال کے باب میں گفتگو ہوتی رہی آپ نے فرمایا مشائخ نے کہا ہے کہ تین اوقات میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ اوّل حالت سماع میں، دوم کھانا کھاتے وقت بشرطیکہ کھانا اس غرض سے کھایا جائے کہ طاقت برائے طاعت نصیب ہو۔ سوم جب درویشوں کے احوال و کوائف اور ان کی مشکلات اور صلح صفائی کا ذکر ہو رہا ہو بعد ازاں زبان مبارک سے ارشاد ہوا میں جس زمانے میں اپنے خواجہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں رہتا تھا تو وہاں چھ یا سات درویش آگئے۔ وہ سب کے سب جوان، نو عمر اور خوب صورت تھے۔ اور شاید خواجگانِ چشت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے خانوادۂ طریقت سے وابستہ تھے۔ انہوں نے شیخ کبیر شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے عرض کیا کہ ہمارے آپس کے کچھ شکوہ وشکایات ہیں آپ اپنے کسی مرید کو حکم دیں کہ وہ ہمارے یہ شکوے سنے، حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان کے شکوے سنو۔ اسی طرح بدرالدین اسحاق

سے بھی کہا، الغرض ان میں سے ایک درویش دوسرے سے اپنی شکایت بیان کرنے لگا اور حد درجے کی نرمی ولطافت سے یوں گویا ہوا کہ اس روز آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور میں نے یوں عرضداشت کی۔ پھر آپ نے یوں فرمایا اور مجھے معلوم نہیں کہ میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا یا میں نے غلط جواب دیا اس کا ساتھی بھی اسی طرح اس کی باتوں کا نرمی سے جواب دینے لگا اس نے اس سے کہا کہ آپ نے یوں فرمایا تھا میں غلطی پر تھا آپ حق پر تھے مختصر یہ کہ وہ اسی طرح اور اسی انداز سے گفتگو کرتے رہے میں اور بدر الدین اسحاق ان کی خوش گفتاری سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم پر رقت طاری ہو گئی میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں تعلیم دینے کے لیے بھیجے گئے ہیں کہ آپس کے گلے شکوے اس طرح بیان کرنے چاہئیں۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ شکایات و باہمی معاملات کا ذکر اس طرح کرنا چاہیئے کہ آدمی کی گردن کی رگ نہ ابھرے یعنی غصے اور تعصب کا اثر ظاہر نہ ہو۔

اس کے بعد آپ نے تحمل و بردباری اختیار کرنے پر بہت زور دیا اور فرمایا: جو شخص بھی جفا اور سختی برداشت کرتا ہے وہ بہتر ہے، جفا اور سختی جس شخص کی طرف سے بھی ہو سہہ لینی چاہیئے اور اس کا بدلہ لینے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیئے، اس موقع پر آپ کی زبان مبارک سے یہ دو مصرعے ارشاد ہوئے۔

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
وآنکہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد

(ہر وہ شخص ہمارا یار و مددگار نہیں اللہ اس کا یار و مددگار ہو۔ اور جس نے ہمیں تکلیف دی ہے اس کو بہت راحت وآرام ملے)

بعدازاں آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

ہر کہ او خاری نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گلی کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

(جو شخص از راہِ دشمنی ہمارے راستے میں کانٹے رکھتا ہے، خدا کرے اُس کے باغِ عمر کا ہر کھلنے والا پھول کانٹوں سے محفوظ رہے)

ساتھ ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے راستے میں کانٹا رکھا اور تم نے بھی کانٹا رکھ دیا۔ اس طرح تو راستے میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے یہ کلمات ارشاد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عام لوگوں میں یہ ہوتا ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھے رہو! اور ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھے لیکن درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھے اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھے۔

چھتّیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ رجب کی سات تاریخ ـــــ شرف پائے بوسی حاصل ہوا۔ دینی دوستوں کی باہمی محبت و مودت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی فرمایا: اخوت دو نوع کی ہوتی ہیں، ایک نسبی اخوت، دوسری دینی اخوت، اخوت کی ان دو نوعوں میں اخوت دینی قوی تر ہوتی ہے ـــــ اور یہ اس لیے کہ دو نسبی بھائیوں میں سے ایک بھائی مومن ہو سکتا ہے اور ایک کافر اور مومن بھائی کی وراثت اس کے کافر بھائی کو نہیں ملتی۔ پس میں اخوت کی یہ نوع کمزور پاتا ہوں مگر اخوت دینی مضبوط ہے اس لیے کہ دو مومن بھائیوں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں برقرار رہتا ہے۔

اس ضمن میں قرآن مجید کی اس آیت اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ[1]

---

[1] سورۂ الزخرف۔ آیت ۶۷

(جتنے دوست ہیں اس دن دشمن ہوں گے سوا ان کے جو متقی ہیں) کا ذکر آیا آپ نے فرمایا کہ وہ دوست جن کی دوستی فسق و فجور کی بنا پر ہوتی ہے کل قیامت کو وہ سب ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اس موقع پر آپ نے زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد فرمایا :ـ

ترا دشمنانند ایں دوستان
کہ یارند در بادہ و بوستان

(یہ دوست تیرے دشمن ہیں جو محض شراب اور باغ و بوستاں کے ساتھی ہیں)

سینتیسویں مجلس

اتوار سال مذکور ماہ مذکور کی پچیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر آئی، نفل نمازوں کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو نمازیں پڑھتے تھے ان کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اوقات سے ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو کسی سبب سے آپؐ نے پڑھیں اور تیسری قسم وہ ہے جن کا تعلق نہ وقت سے ہے اور نہ کسی سبب سے۔ اب ہم ان نمازوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق اوقات سے ہے امام محمد غزالی طاب اللہ ثراہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ وہ نمازیں جن کا تعلق اوقات سے ہے وہ بار بار پڑھی جاتی ہیں اس لیے کہ ان میں سے بعض وہ نمازیں ہیں جو ہر روز پڑھی جاتی ہیں، بعض ہر ہفتے، بعض ہر مہینے اور بعض ہر سال۔

اب ہم ان نمازوں کی طرف آتے ہیں۔ جو یومیہ ہیں اور یہ نمازیں آٹھ ہیں پانچ نمازیں تو وہ ہیں جو پانچ وقتوں میں پڑھی جاتی ہیں چھٹی نماز چاشت، ساتویں مغرب کی نماز کے بعد بیس رکعتیں اور آٹھویں نماز تہجد۔ یہ تو وہ نمازیں ہیں جو ہر روز و شب میں پڑھی جاتی ہیں۔

باقی وہ نماز جو ہر ہفتے پڑھی جاتی ہے وہ ہفتے کے کسی روز پڑھی جاسکتی ہے ہفتے کے دن ایت دار کو اسی طرح تمام ہفتے میں کسی دن ۔ وہ نماز جو ہر ماہ کی ہے وہ بیس رکعتوں کی ہے۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر چاند کی پہلی رات کو یہ نماز ادا فرماتے تھے۔ یہ نماز ہر ماہ کی ہے۔ باقی وہ نمازیں جو سال بہ سال پڑھی جاتی ہیں وہ چار نمازیں ہیں دو عیدالفطر اور عیدالضحیٰ کی نمازیں تیسری نماز تراویح اور چوتھی نماز شب برات یہ سب نمازیں وہ ہیں جن کا تعلق اوقات سے ہے۔

رہی وہ نمازیں جن کا تعلق کسی سبب سے ہے تو وہ دو نمازیں ہیں ایک نماز استسقا جب بارش نہ ہو تو وہ نماز پڑھی جاتی ہے دوسری نماز کسوف وخسوف جب چاند اور سورج کو گہن لگے تو یہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ یہ وہ نمازیں ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی سبب سے ہے البتہ وہ نماز جس کا نہ تو کسی وقت سے تعلق ہے اور نہ کسی سبب سے وہ نماز تسبیح ہے والسلام

چند لمحے اس امر پر گفتگو رہی کہ آیا نفل نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھنے کی کوئی روایت ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے۔ بعض مشائخ اور (سابق بزرگ) جماعت کے ساتھ نفل نمازیں پڑھتے تھے۔ اس موقع پر ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شب برات تھی شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ سے فرمایا کہ اس شب کی نماز کو جماعت سے ادا کرنا اور تم اس جماعت کی امامت کرنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس موقع پر ان نمازوں کا ذکر ہوا جو حفاظت جان کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص گھر سے باہر نکلے تو اُسے دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔ اس طرح جب وہ باہر جائے گا تو راستے میں جو کوئی بھی بلا اور مصیبت ہوگی حق تعالےٰ اس سے اُسے محفوظ رکھے گا۔ اس دو رکعت نماز میں بہت زیادہ خیر و برکت ہے اس طرح جب کوئی شخص گھر آئے تو دو رکعت نماز ادا کرے تاکہ گھر کے اندر جو بھی بلا اور مصیبت ظاہر ہو حق تعالیٰ اسے اس سے محفوظ رکھے۔ اس دوگانہ نماز میں بڑی خیر و سلامتی ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان دو رکعت نمازوں کو ادا نہ کرے تو وہ گھر

سے باہر جاتے اور باہر سے گھر آتے وقت آیت الکرسی پڑھ لیا کرے اس سے وہی مقصد حاصل ہو جائے گا، اگر وہ آیت الکرسی نہیں پڑھے گا تو دو چار بار اس کلمے کو دہرائے:

سُبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الاّ باللّٰہ العلی العظیم: اس سے بھی وہی غرض پوری ہوگی اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد میں جاتا ہے کہ اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اُس طرح وہ تحیۃ المسجد ادا نہیں کر سکتا وہ اس اُوپر کے کلمے کو چار بار دہرالے۔ اس سے وہی مقصد حاصل ہوگا۔

اڑتیسویں مجلس

ہفتہ سال مذکور کے مہینے شوال کی تیرہ تاریخ

قدم بوسی کی دولت میّسر ہوئی۔ خواجہ نوح جو آپ سے شرف قرابت رکھتے ہیں۔ سامنے بیٹھے مشارق[1] پڑھ رہے تھے۔ خواجہ نوح جب پڑھتے پڑھتے اس مقام پر آئے جہاں یہ حدیث درج ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں ہو اور اس کے منہ میں تھوک یا بلغم آجائے اور وہ چاہے کہ اُسے باہر تھوکے تو اُسے سامنے قبلے کی طرف نہیں تھوکنا چاہیئے۔ اسی طرح وہ اسے دائیں جانب بھی نہ تھوکے کیونکہ وہ جہت فرشتے کی ہے۔ وہ اس لعاب یا بلغم کو بائیں جانب پاؤں کے نزدیک آہستہ سے تھوکے بشرطیکہ یہ عمل کثیر نہ ہو، اتنی سی بات نماز میں فساد نہیں ڈالتی۔

---

[1] مراد ہے حدیث کی کتاب مشارق الانوار، اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے روایات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کے مؤلف شیخ رضی الدین حسن صنعانی ہیں۔ وہ بدایوں میں پیدا ہوئے ان کا سن وفات ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء اور سن پیدائش ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے فرمایا کہ مومن ہرگز نجس نہیں ہوتا ہے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے پر جارہے تھے سامنے سے حضرت ابوہریرہ آرہے تھے۔ حضرت مصطفیٰ علیہ السلام ان سے دل لگی فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ حضرت ابوہریرہ کی طرف بڑھایا تاکہ وہ آپؐ سے اپنا ہاتھ ملائیں اور مصافحہ کریں۔ حضرت ابوہریرہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا تم نے ہاتھ کیوں کھینچ لیا وہ کہنے لگے یا رسولؐ اللہ! اس وقت میں اپنی بیوی کے یہاں سے آرہا ہوں اور ابھی میں نے غسل نہیں کیا آپؐ کے دست مبارک پاک ہیں میں ان سے اپنے ہاتھ کیسے ملاؤں حضرت مصطفیٰ علیہ السلام نے فرمایا مومن کبھی نجس نہیں ہوتا۔ وہ بیوی کی ملاقات کے بعد جُنُب ہوتا ہے نجس نہیں ہوتا چنانچہ اس حالت میں اگر وہ پانی پیئے اور اس میں سے کچھ پانی رہ جائے تو اس (جھوٹے) کے پی لینے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

اس سلسلے میں حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر شیطان کسی عورت کی شکل میں کسی مرد کے سامنے آئے یعنی اگر شیطان خود اپنے آپ کو ایک عورت کی شکل میں کسی مرد کے سامنے ظاہر کرے اور مرد کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے۔ تو اس مرد کو چاہیئے کہ اسی وقت اپنے گھر جائے اپنی بیوی سے ہمکنار ہو تاکہ وسوسہ اس سے دور ہو جائے۔ مرد متاہل یعنی بیوی والے مرد کی خیریت اسی میں ہے۔

جب خواجہ نوح نے حضرت خواجہ کے یہ افادات سن لیے تو وہ اٹھ کر جانے لگے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ خواجہ نوح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حاضرین سے کہا کہ انہیں آپ لوگ قابل عزت و احترام سمجھیں کیونکہ یہ نیک آدمی ہیں۔ بعد ازاں جب خواجہ نوح اٹھ کر چلے گئے۔ تو آپ نے ان کے تزکیۂ نفس اور پاک بازی کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ انہیں قرآن حفظ یاد ہے۔ وہ ہر جمعہ کی رات کو قرآن ختم کرتے ہیں۔ انہیں حصول علم کا بڑا شوق ہے اور انہوں نے کافی علم حاصل بھی کر لیا ہے وہ بڑے نیک طبیعت ہیں کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے نہ کسی دوست سے اور نہ کسی دشمن سے اور حد درجہ صالح ہیں۔ ایک روز میں نے ان سے پوچھا کہ تم جو اتنی طاعت و عبادت کرتے ہو

اس سے تمہارا مقصود کیا ہے ! کہنے لگے میرا مقصود حضرت آپ کی زندگی ہے۔
حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ آخر یہ بات اُسے کس نے سکھائی آپ کا اس سے مطلب یہ تھا کہ یہ بات اس کی سعادت کی دلیل ہے۔

بعدازاں اس باب میں گفتگو ہونے لگی کہ جسے کوئی چیز پوچھنی ہو بہتر یہ ہے کہ وہ اس چیز کے عالم سے پوچھی جائے یعنی اُسے ایسے شخص سے کہ وہ بات اس کے احوال میں سے ہو۔ اسی ضمن میں آپ نے فرمایا ایک شخص دانش مند ضیاءالدین نام کے تھے۔ وہ مسجد کے مینار کے نیچے درس دیا کرتے تھے میں نے ان سے سنا وہ کہتے تھے کہ جب میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں گیا۔ تو فقہ، نحو اور دوسرے علوم سے بالکل ناواقف تھا۔ میں نے فقط بحث و مباحثہ کا علم (علم منطق) پڑھا تھا۔ میرے دل میں یہ تھا کہ اگر حضرت شیخ نے فقہ، نحو اور دوسرے علوم کے بارے میں کچھ پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا دل میں یہی تشویش اور اندیشہ لیے میں حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ جیسے ہی میں نے سلام کیا اور بیٹھا۔ حضرت شیخ میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور پوچھا کہ تنقیح مناط[1] کیا ہوتا ہے، مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے اس کی وضاحت شروع کر دی اور نفیاً و اثباتاً اس کے جو معنی ہیں صحیح صحیح بیان کر دیئے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام کو کشف میں جو کمال حاصل تھا اس کی بنا پر انہوں نے ضیاءالدین دانش مند سے اس علم کے بارے میں پوچھا جس کے وہ عالم تھے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

حضرت خواجہ کے تین سال کے افادات کا حصہ ہیں میں اس سلسلے میں جو کچھ اور سنوں گا اور جو کچھ اور معلوم ہوگا۔ امید ہے کہ وہ بھی احاطۂ تحریر میں آجائے گا انشاءاللہ تعالیٰ

---

[1] یہ منطق کی ایک اصطلاح ہے۔

جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرارِ الٰہی کے یہ ارشادات اور انوارِ نامتناہی کی یہ بشارتیں خواجۂ راستین ختم المجتہدین، ملک المشائخ فی الارضین نظام الحق والشرع والدین۔ اللہ ان کے انفاس کی برکتوں کو دوام بخشے انکی زبان گوہر افشاں سے سنی گئی ہیں۔

الحمد للہ علیٰ ذلک

مجموعۂ کہ بندۂ حسن نو بنا نہاد
ہم وقتِ پاک شیخش جمعیتی دہاد

(بندہ حسن نے جس مجموعے کی نئی نئی بنیاد رکھی ہے۔ حضرت شیخ کا وقت پاک اسے ترتیب و جمعیت عطا فرمائے)

پہلی مجلس

سوموار سنہ ۱۲ھ کے ماہِ ذی القعدہ کی ستائیس تاریخ

سعادت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ امت کے طبقوں کا ذکر ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ میرے بعد میری امت کے پانچ طبقے ہوں گے اور ان میں سے ہر طبقے کی مدت چالیس سال ہوگی پہلا طبقہ علم و مشاہدہ والا طبقہ ہوگا، دوسرا طبقہ برّ و تقویٰ والا ہوگا۔ تیسرا تواصل و تراحم کا۔ چوتھا تقاطع و تدابر کا پانچواں ہرج و مرج کا۔

ارشاد ہوا کہ پہلا طبقہ جو علم و مشاہدہ والا ہے وہ صحابہ کرام تھے۔ بعد ازاں برّ و تقویٰ والا طبقہ ہوا اور وہ تابعین تھے۔ بعد ازاں تیسرا طبقہ تواصل و تراحم والا ہے تواصل یہ ہے کہ جب دنیا ان کی طرف قدم بڑھائے اور وہ دنیا ان میں اور دوسروں میں مشترک ہو تو وہ اس دنیا کو دوسروں کی طرف آسانی سے جانے دیں تاکہ اگر ان میں سے کوئی اُسے اپنی طرف کھینچے تو انہوں نے اپنی جانب سے اُسے ڈھیلا چھوڑ رکھا ہو اس کو تواصل کہتے ہیں۔ تراحم یہ ہے کہ اگر ساری دنیا بغیر کسی کی شرکت کے ان کے پاس آجائے تو وہ اُسے خرچ کر ڈالیں اور اُسے راہِ حق میں کھپا دیں۔

اس کے بعد طبقہ چہارم ہے۔ یہ تقاطع و تدابر والا طبقہ ہے تقاطع یہ ہے کہ اگر دنیا ان کے پاس آئے اور اس میں دوسرے بھی شریک ہوں تو دنیا کی وجہ سے ان میں باہم قطع تعلق اور دشمنی ہو جائے۔ تدابر یہ ہے کہ اگر دنیا خاص ان کو ملے یعنی اس میں کوئی اور شریک نہ ہو تو وہ ساری کی ساری دنیا کو قبضے میں کر لیں۔ خلق سے منہ موڑ لیں اور ان کی طرف پیٹھ کر دیں اور کسی کو کچھ نہ دیں۔ بعد ازاں طبقہ پنجم ہرج و مرج کا طبقہ ہے۔ ہرج مرج یہ ہے

کہ لوگ ایک دوسرے کے گوشت و پوست پر پل پڑیں اور ایک دوسرے کے درپے قتل ہوں۔ ان پانچ طبقات کی کل مدت دو سو سال ہوئی۔ اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس دو سو سال کی مدت کے بعد اگر کسی کے کتے کا بچہ پیدا ہو تو وہ بہتر ہے فرزندِ آدم سے۔

جب حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، بیان کرتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ معاملہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے دو سو سال بعد کا ہے اب اس وقت کے بارے میں کوئی کیا کہے۔

پھر چند لمحے ذات حق تعالیٰ میں مشغول و منہمک ہونے کے باب میں گفتگو رہی اور یہ کہ اصل کام یہی ہے باقی اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس دولت کے حصول میں مانع ہے آپ نے فرمایا اگر کبھی میں ان کتابوں کا مطالعہ کروں جو میں نے پہلے پڑھی تھیں تو میرے اندر وحشت پیدا ہوتی ہے اور میں اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ میں کس مصیبت میں آن پڑا ہوں۔ اس سلسلے میں آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے حال[1] میں کمال کو پہنچے تو وہ کتابیں جو انہوں نے پہلے پڑھی تھیں انہیں ایک کونے میں رکھ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان سب کو دھو دیا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ان کتابوں کو دھو ڈالنا مردی نہیں ہے ہاں انہیں شیخ ابو سعید ابوالخیر نے ایک طرف رکھ دیا تھا۔

---

[1] "حال" کیا ہے اس بارے میں حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی ارشاد فرماتے ہیں:۔
ایک مبتدی تلاوت کلام پاک، نماز اور ذکر میں وقت صرف کرتا ہے اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کر لیتا ہے تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے جس میں انوار نازل ہوتے ہیں اس کا اثر دل تک پہنچتا ہے۔ اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا اگر اس کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ تو یہ مقام ہے اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ تو مبتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے وہ صاحب انفاس کہلاتا ہے اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے (ماخوذ از خیر المجالس بزم صوفیہ مصنفہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن صفحہ ۴۴۳)۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ان کتابوں میں سے کوئی چیز ان کے سامنے آگئی۔ اور وہ اس کا مطالعہ کرنے لگے۔ اس پر ہاتف نے آواز دی اور کہا اے ابوسعید! ہمارا معاہدہ لوٹا دو۔ کیونکہ تم کسی دوسری چیز میں مشغول ہو گئے ہو۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ بیان کرتے ہوئے جب ان الفاظ پر پہنچے تو آپ رونے لگے۔ اور آپ نے زبان مبارک سے یہ دو مصرے ارشاد فرمائے

ے تو سایۂ دشمنی کجا در گنجی

جائی کہ خیال دوست زحمت باشد

(تو دشمن کا سایہ ہے تیری اس جگہ[1] کہاں گنجائش ہو سکتی ہے جہاں دوست کا خیال بھی رنج کا باعث ہو۔) یعنی وہ جگہ جہاں مسائل فقہ اور احکام شریعت سے تعلق رکھنے والی کتب حجاب ہوں۔ وہاں دوسری چیزوں کی کیا حیثیت ہوگی۔

دوسری مجلس

منگوار، سنہ مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی بارہ تاریخ

شرف پائے بوسی نصیب ہوئی۔ ایک جماعت حضرت خواجہ کے پاس ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض کے لیے سائے میں جگہ نہیں تھی اس لیے وہ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے سائے میں بیٹھے ہوؤں سے کہا کہ تم لوگ کچھ سمٹ کر بیٹھ جاؤ تاکہ دھوپ میں بیٹھے ہوؤں کو جگہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو

---

[1] محبوب حقیقی کی محبت کا کیف تو کسی دوسرے محبوب کے خیال کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر جہاں کسی دوسرے محبوب کا بھی خیال نہ سمائے وہاں سایہ دشمن کے لیے گنجائش کہاں ہے۔

دھوپ میں بیٹھے ہیں میں انہیں دیکھ کر جل رہا ہوں۔ اسی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ بدایوں میں ایک بزرگ تھے جنہیں شیخ شاہی موئے تاب کہتے تھے رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ ان کے احباب انہیں سیر و تفریح کے لیے باہر لے گئے اور وہاں کھیر پکائی۔ جب کھانا سامنے آیا تو خواجہ شاہی موئے تاب نے کہا کہ اس کھانے میں خیانت نے راہ پائی ہے بات یہ ہوئی کہ قبل اس کے کہ دودھ احباب کے سامنے لایا جاتا۔ ان میں سے دو اشخاص نے کچھ دودھ پی لیا تھا۔ اور درویشوں کے ہاں یہ بہت بڑی غلطی ہوتی ہے الغرض جب خواجہ شاہی نے پوچھا یہ کیسے ہوا کہ احباب کے سامنے لائے جانے سے قبل کسی شخص نے اس میں سے کچھ پی لیا ہے۔ یاروں نے انہیں بتایا کہ دودھ کی دیگ آگ پر رکھی ہوئی تھی۔ دودھ میں ابال آیا تو وہ باہر گرنے لگا ہم نے وہ دودھ جو باہر گر رہا تھا لے لیا اب ہم اس کا کیا کرتے۔ کیا اُسے گرنے دیتے ہم نے اُسے پی لیا۔ خواجہ شاہی نے کہا کہ اس دودھ کا پینا غلطی تھی۔ اس کو گرنے دیا ہوتا۔ غرض احباب کا عذر قبول نہ ہوا اور وہ بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی سب لوگ دھوپ میں کھڑے تھے چنانچہ ان کے پسینے چھوٹنے لگے۔ اس حالت میں خواجہ شاہی نے فرمایا کہ حجام کو بلاؤ احباب نے کہا کہ آپ کیا کریں گے انہوں نے کہا کہ جس قدر میرے دوستوں کا خون پسینے کی شکل میں بہا ہے، میں حجام سے کہوں گا کہ وہ اتنا میرا خون نکالے۔ حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ بات بیان کرتے ہوئے جب ان الفاظ پر پہنچے تو فرمانے لگے ایسی محبت پر آفرین، اور ایسی انصاف پسندی پر شاد باش!

اس ضمن میں آپ نے خواجہ شاہی موئے تاب کی بزرگی کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمتہ اللہ علیہ کچھ بیمار ہو گئے۔ انہوں نے انہی خواجہ شاہی موئے تاب کو بلایا اور کہا ــــــــــــــــــــ

آپ ہمت[1] باندھئے تاکہ میری یہ بیماری صحت میں تبدیل ہو جائے۔ خواجہ شاہی نے معذرت کرتے ہوئے کہا آپ بزرگ ہیں آپ مجھ سے یہ چیز طلب کر رہے ہیں میں ایک "بازاری" (عام) آدمی ہوں۔ آپ مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ کہیں۔ شیخ نظام الدین ابو المؤید نے ان کی معذرت قبول نہ کی اور کہا کہ آپ کو دعا کرنی پڑے گی۔ اور ہمت باندھنی پڑے گی۔ تاکہ میں صحت پا سکوں۔ خواجہ شاہی نے کہا اچھا اگر یہ بات ہے تو آپ میرے دو دوستوں کو بلائیے ایک کا نام شرف ہے اور وہ ایک صالح اور نیک آدمی ہے، دوسرا درزی ہے الغرض دونوں کو بلایا گیا۔ خواجہ شاہی نے ان سے کہا کہ شیخ نظام الدین نے مجھے اس کام کے لیے فرمایا ہے۔ اب تم میرے دوست ہو۔ شیخ کے سر سے لے کر سینے تک میں توجہ کرتا ہوں۔ سینے سے لے کر ایک پاؤں تک کے نچلے اعضا پر دوسرا آدمی توجہ کرے اور سینے سے دوسرے پاؤں تک کے نچلے اعضا پر تیسرا آدمی توجہ کرے اس طرح تینوں توجہ اور ہمت میں مشغول ہو گئے اور شیخ نظام الدین ابو المؤید کی علالت صحت میں تبدیل ہو گئی۔

آپ نے انہی بزرگ کی کرامت کی ایک اور حکایت بیان کی۔ فرمایا: انہوں نے بارہا یہ کہا تھا کہ جس کسی کو میری وفات کے بعد کوئی اہم کام پیش آ جائے۔ دو تین دفعہ میری قبر پر آئے اگر تین دن گزر جائیں اور اس کا کام نہ ہو تو وہ چوتھے روز میری قبر پہ آئے، اگر چوتھے روز کے بعد بھی اس کا کام نہ ہو تو وہ پانچویں روز میری قبر پر آئے اور اس کی اینٹیں اکھیڑ دے۔

---

[1] ہمت کی تشریح و تعریف یہ ہے:۔ کسی امر کے متعلق دل میں سب سے پہلے جو خیال یا خطرہ آتا ہے اسے خاطر اول یا خاطر ربانی کہتے ہیں اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔ جب وہ خطرہ قوی ہو کر نفس میں متحقق ہو جاتا ہے تو اسے ارادہ کہتے ہیں جب اس میں مزید پختگی پیدا کر لی جاتی ہے تو اسے ہمت کہتے ہیں اپنے لیے یا کسی اور کے لیے اپنی پوری توتوں اور جمیع قوائے روحانیہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونا بھی ہمت ہے۔ ہمت کے کوثر ہونے کے لیے یقین بہت ضروری چیز ہے۔

پھر انبیاء اور اولیا کی عصمت کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا: انبیاء معصوم ہیں اور فقراء کے نزدیک اولیاء بھی معصوم ہیں لیکن انبیاء کی عصمت واجب ہے اور اولیاء کی عصمت امکان و جواز کا درجہ رکھتی ہے۔

تیسری مجلس

جمعہ سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی بائیس تاریخ

سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ ایک شخص آیا اور اس نے اس نیت سے فاتحہ کی درخواست کی کہ اُسے قرآن یاد رہے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک تہائی یاد کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے بعد آہستہ آہستہ یاد کرو۔ اور اس سے پہلے جو یاد کر چکے ہو اُسے دہرایا کرو۔

بعد ازاں آپ نے یہ حکایت بیان کی:

میں نے ایک رات شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے خواب ہی میں اس نیت سے فاتحہ کی درخواست کی کہ مجھے قرآن یاد رہے۔ انہوں نے خواب ہی میں قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ جب دن نکلا میں ایک بزرگ کی ملاقات کو گیا اور ان سے اس خواب کا ذکر کیا۔ ان سے بھی میں نے فاتحہ کی درخواست کی اور کہا کہ شیخ بدر الدین غزنوی نے تو خواب میں قرآن پڑھا، آپ بیداری میں پڑھ دیجئے۔ تاکہ آپ کے فاتحہ پڑھنے کی برکت سے مجھے قرآن یاد رہے۔ ان بزرگ نے فاتحہ پڑھی اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ ہر رات سونے سے پہلے یہ دو آیتیں پڑھا کرو۔ اس سے قرآن یاد ہو جائے گا۔ اور خوب حفظ رہے گا۔ وہ دو آیتیں یہ ہیں:۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔

پھر باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ (اس کا نام بلند ہو) کی قدرت پر گفتگو ہوئی اس بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، ایک دفعہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آرزو کی کہ آپ اصحاب کہف کو دیکھیں، فرمان الٰہی آیا کہ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ دنیا میں انہیں نہیں دیکھیں گے قیامت میں ان سے آپ کی ملاقات ہو گی، البتہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کو آپ کے دین میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمبل لائے اور چار آدمیوں سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک اس کمبل کا ایک ایک کونا پکڑے۔ ان چار میں سے ایک ابوبکر صدیق تھے، دوسرے عمر خطاب تیسرے علی بن ابی طالب اور چوتھے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔ بعد ازاں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ہوا کو جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بڑے بڑے کام کرنے کا حکم دیا تھا حاضر ہونے کے لیے بلایا۔ وہ ہوا حاضر ہو گئی اس کے بعد آپ نے اس ہوا سے فرمایا کہ اس کمبل کو ان چار اصحاب کے ساتھ لے جاؤ اور اصحاب کہف کے غار کے دروازے پر اتار دو۔ ہوا اس

۱؎ ترجمہ: اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے رحم والا بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور ان کشتیوں میں جو لیکر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر زندہ کیا اس سے زمین کو جبکہ وہ مرچکی تھی۔ اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔ سورۃ البقرہ، آیات ۱۶۳ - ۱۶۴

کمبل کو ان چار اصحاب کے ساتھ اڑا کر لے گئی، اور انہیں اس غار کے دروازے پر اتار دیا۔ اصحاب نے باہر ہی سے اصحاب کہف کو سلام کہا، حق تعالیٰ نے انہیں اس وقت زندہ کر دیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا بعد ازاں ان اصحاب نے ان کے سامنے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین پیش کیا۔ اور انہوں نے اُسے قبول کر لیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کون سی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں نہیں۔

چوتھی مجلس

سوموار ۷۱۳ھ کے ماہ صفر ـــــ کی پہلی تاریخ

اللہ اس مہینے کو خیر و برکت اور کامیابی سے ختم کرے، پائے بوسی کی نعمت حاصل ہوئی۔ نوافل اور اوراد کا ذکر ہونے لگا فرمایا: رات کو میں نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ہر روز سو بار یہ دعا پڑھا کرو:۔

لا اِلٰہ الاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر

(کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اُسی کا راج ہے اور اسی کے لیے تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)، جب میں بیدار ہوا تو میں نے یہ دعا باقاعدگی سے پڑھنی شروع کر دی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ حضرت شیخ کے اس فرمان کا خاص مقصد ہوگا۔ بعد ازاں میں نے مشائخ کی کتابوں میں دیکھا ان میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص ہر روز اس دعا کو سو بار پڑھتا ہے۔ وہ بغیر ظاہری اسباب کے خوش رہے گا اور خوش خوش

زندگی گزارے گا۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت شیخ کے فرمان کا یہی مقصد تھا۔

آپ نے اس دعا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد دس بار یہ دعا پڑھتا ہے اس کا یہ دعا پڑھنا ایسا ہے جیسے اس نے ایک ہزار غلام آزاد کیے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ نے ایک دفعہ اور خواب میں مجھے عصر کی نماز کے بعد پانچ بار سورۂ النبا پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی۔ جب میں بیدار ہوا، آپ کے اس فرمان کو بجا لایا۔ پھر میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس فرمان میں بھی کوئی بشارت ہوگی میں نے ایک تفسیر دیکھی جس میں لکھا تھا کہ جو شخص ہر روز عصر کی نماز کے بعد پانچ بار سورۂ النبا پڑھتا ہے وہ حق تعالیٰ کا اسیر ہو جاتا ہے۔ اور اُسے اسیر اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔ تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا اسیر ہے یہاں بھی یہی مراد ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ کی محبت میں اسیر ہو گیا۔

یہ دو افادات تمام کرنے کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم اس امر کی پابندی کرتے رہو۔

پانچویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ صفر کی بائیس ۲۲ تاریخ

سعادت دست بوسی حاصل ہوئی، حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ بعض لوگ آپ کے بارے میں کیا بر سر منبر اور کیا دوسری جگہوں میں بدگوئی کے طور پر کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں۔ ہم نہیں سن سکتے حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا میں نے ان سب کو

معاف کر دیا، آخر یہ کون سا موقعہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی دشمنی و عداوت میں مصروف ہو جائیں جو بھی کبھی مجھے برا کہتا ہے میں نے اُسے معاف کیا۔ تم بھی اُسے معاف کر دو۔ اور اس سے دشمنی نہ کرو۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا، چھجو جو کہ اندرپت کا رہنے والا تھا میرے حق میں ہمیشہ بُرا بھلا کہتا اور میرا بدخواہ رہتا۔ بُرا کہنا آسان ہے اور بُرا چاہنا اس سے بدتر ہے۔ جب وہ مر گیا تو میں اس کی موت کے تیسرے دن اس کی قبر پر گیا۔ اور اس کے لیے دعا کی۔ میں نے کہا اے اللہ! اس نے جو کچھ میرے بارے میں بُرا کہا یا بُرا سوچا میں نے اسے معاف کر دیا۔ اسے میری وجہ سے سزا نہ دینا۔ اسی کی وضاحت میں آپ نے فرمایا: کہ اگر دو شخصوں کے درمیان رنجش ہو تو اس کو دور کرنے کی یہ صورت ہے کہ ان میں سے ایک خود اپنی طرف سے صفائی اختیار کرے۔ جب یہ شخص اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے گا۔ تو یقیناً دوسرے کی طرف سے رنجش کم ہو جائے گی۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ لوگ اس قسم کی بدگوئیوں سے کیوں رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ صوفی کا مال راہ خدا میں وقف ہوتا ہے، اور اس کا خون بہانا جائز اور مباح ہے۔ جب عالم یہ ہے تو پھر بُرا کہنے کے باعث کسی کے خلاف دشمنی کیوں پالی جائے۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اس وقت آپ کے مریدوں کی ایک جماعت فلاں گاؤں میں جمع ہے۔ ان کے درمیان ساز و مزامیر تھے۔ اور وہ سماع سن رہے تھے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس بات کو پسند نہ فرمایا اور کہا کہ میں منع کر چکا ہوں کہ سماع میں ساز و مزامیر اور دوسری محرمات اور ناجائز چیزیں نہ ہوا کریں۔ بہر حال اس جماعت نے جو کچھ کیا، وہ اچھا نہیں کیا۔ حضرت خواجہ نے اس ضمن میں اپنی ناپسندیدگی پر بڑا ہی زور دیا۔ یہاں تک فرمایا کہ اگر ایک امام نماز پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے مقتدیوں کی جماعت ہے اور اس جماعت میں عورتیں بھی ہیں پس اگر امام سے کوئی سہو ہو جاتا ہے تو وہ نمازی جو اس امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں ان میں سے کوئی ایک اُسے متنبہ کرنے کے لیے سبحان اللہ کہے۔ اب اگر نمازیوں میں سے کوئی عورت

امام کے سہو یا غلطی سے واقف ہوتی ہے تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ امام کو کیسے آگاہ کرے؟ وہ عورت سبحان اللہ نہ کہے تاکہ اس کی آواز نہ سُنی جائے۔ پھر وہ کیا کرے؟ وہ امام کو اس کے سہو سے آگاہ کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارے لیکن وہ ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کیونکہ ایسا کرنا لہو و لعب سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ وہ عورت ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنا دوسرا الٹا ہاتھ مارے۔ الغرض جب لہو و لعب اور اس طرح کی چیزوں سے بچنے کے لیے اس قدر تاکید وارد ہوئی ہے تو سماع میں تو اور بھی ضروری ہے کہ اس طرح کی چیزیں نہ ہوں۔ یعنی جب تالی پیٹنے کی ممانعت کے بارے میں اتنی احتیاط ضروری ہے تو ساز و مزامیر کے متعلق تو اور بھی زیادہ ممانعت ہوگی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مقاماتِ طریقت میں سے کسی مقام پر سے گرے گا۔ تو وہ شریعت کے اندر ہی تو گرے گا۔ لیکن اگر وہ شریعت سے باہر چلا جائے تو پھر کہاں رہے گا۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ مشائخ کبار نے سماع سُنا ہے اور ان لوگوں نے بھی سماع سنا ہے جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں نیز اگر کوئی شخص صاحب ذوق ہے اور اس کے اندر درد کی کسک موجود ہے۔ تو وہ جب شعر پڑھنے والے سے ایک بیت سنتا ہے۔ تو اس پر وقت طاری ہو جاتی ہے۔ خواہ ساز و مزامیر ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔ البتہ جسے عالم ذوق کی کوئی خبر ہی نہیں۔ خواہ اس کے سامنے کیسے بھی شعر پڑھنے اور کلام کرنے والے ہوں اور وہاں ہر قسم کے ساز بھی ہوں۔ تو اس شخص پر اگر وہ درد سے خالی ہے کوئی اثر نہ ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ اس کیفیت کا تعلق درد سے ہے۔ نہ کہ کسی ساز وغیرہ سے بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ سماع سننے والوں کو ہر روز حضوری کی کیفیت کہاں میسر آتی ہے۔ اگر کسی روز کسی وقت میں یہ کیفیت حاصل ہو جائے۔ تو اس روز کے تمام متفرق اوقات اس خاص وقت کی پناہ میں ہوں گے۔ اور اگر ایک جماعت میں ایک شخص صاحب ذوق اور صاحب نعمت ہو تو جملہ اشخاص اس شخص کی پناہ میں ہوں گے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایامِ گزشتہ میں اجودھن میں ایک قاضی تھا وہ ہمیشہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے الجھتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آپ سے حد درجہ

دشمنی کی وجہ سے ملتان چلا گیا۔ وہاں جاکر اس نے قضاۃ اور ائمہ سے کہا یہ کیسے روا ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھے۔ وہاں سماع سُنے اور گاہ بگاہ رقص بھی کرے انہوں نے کہا کہ اصل واقعہ بیان کرو اور بتاؤ کہ یہ کون شخص ہے! اس نے بتایا کہ یہ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ میں نے جب بھی سماع سُنا ہے اور سماع کے دوران میں اشعار پڑھنے والوں سے آج کے دن تک جو کچھ بھی سُنا ہے، خرقۂ شیخ کی قسم! میں نے ان سب چیزوں کو شیخ کے اوصاف واخلاق پر محمول کیا ہے۔ ایک دفعہ میں حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز کی زندگی میں ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ اور میں نے ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا ؎

مخرام بدیں صفت مبادا
کز چشم بدت رسد گزندی

(اس انداز سے نہ چلو، مبادا چشم بد سے تمہیں گزند پہنچے)

یہ شعر سُنکر مجھے حضرت شیخ کے پسندیدہ اخلاق و اوصاف اور ان کی بزرگی اور فضل و پاکیزگی کا درجۂ کمال پر ہونا یاد آگیا۔ اس سے مجھ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ قوال نے چاہا کہ وہ اور ابیات بھی سنائے مگر میں نے اس سے وہی شعر بار بار کہلوایا۔ جب حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ بیان کرتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے تو آپ کے آنسو بہنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت شیخ رحلت فرما گئے۔

بعد ازاں آپ نے (اشعار میں مذکورہ مطالب و معانی کو دوسرے امور پر) محمول کرنے اور ان کی تاویل کرنے کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ کل قیامت کے دن ایک شخص کو فرمان ملے گا کہ آیا تم نے دنیا میں سماع سُنا تھا وہ کہے گا کہ ہاں سُنا تھا۔ فرمان آئے گا کہ ہر شعر جو تم نے سُنا تھا۔ کیا اُسے ہمارے اوصاف پر محمول کیا تھا! وہ کہے گا کہ ہاں۔ پھر فرمان ملے گا کہ وہ اوصاف تو حادث کے تھے۔ اور ہماری ذات قدیم ہے۔ حادث کے اوصاف کو

قدیم پر محمول کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے ! وہ کہے گا۔ اے خداوند تعالیٰ ! میں نے جو کچھ کیا غایت محبت میں کیا۔ فرمان آئے گا کہ چونکہ تم نے یہ کچھ محبت میں کیا ہے اس بیلے میں تم پر رحمت کرتا ہوں۔ بعد ازاں حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اس کی (خدا) محبت میں استغراق رکھنے کے باوجود یہ عتاب ہے۔ تو دوسروں سے کیا کہا جائے گا۔

پھر کچھ دیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر گفتگو ہوتی رہی کہ حیوانات و جمادات تک آپ کی فرمان برداری کرتے تھے۔ اس بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور ان سے فرمایا کہ اس سرزمین میں ایک چشمہ ہے جسے عین الزعاف کہتے ہیں۔ اُسے عین الذعاف بھی کہتے ہیں (زؔ کے ساتھ بھی اور "ذ" کے ساتھ بھی) اس چشمے کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے جو شخص بھی تھوڑا سا پانی پی لیتا ہے فوراً مرجاتا ہے۔ سید عالم علیہ السلام والتحیہ نے حضرت معاذ سے فرمایا جب تم اس جگہ پہنچو تو اس چشمے سے کہو کہ میں مبعوث ہو چکا ہوں۔ چنانچہ جب حضرت معاذؓ اس چشمے پر پہنچے تو اُسے حضرت مصطفیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچایا اور اس سے آپ کے ظہور نبوت کا ذکر کیا وہ چشمہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لے آیا اور پھر اس سے پہلے کی خاصیت نمودار نہ ہوتی۔

چند لمحے اسم اعظم کے بارے میں گفتگو رہی۔ آپ نے فرمایا ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا آپ کو اسم اعظم یاد ہے۔ بتائیے کون سا ہے ! انہوں نے جواب دیا۔ ہاں یاد ہے۔ معدے کو لقمۂ حرام سے پاک رکھو اور دل کو محبت دنیا سے خالی کرلو اس کے بعد خدا تعالیٰ کو جس اسم سے بھی یاد کروگے وہی اسم اعظم ہے۔

اس دوران میں کھانا سامنے لایا گیا۔ جب نمک رکھا گیا تو حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کھانے کی ابتدا نمک سے ہونی چاہیئے۔ اور یہ کہ انگلی کو منہ کے لعاب سے ترکر کے اس سے نمک اٹھانا مردی نہیں ہے۔ اور اگر انگلی کو تر کئے بغیر نمک پر رکھا جائے تو اس کے ساتھ نمک نہیں آتا۔ پس انگشت شہادت کو انگوٹھے

سے ملاگران دوسے نمک اٹھانا چاہیے۔ بندہ نے اس دوران میں آپ سے اس ارشاد کے ضمن میں کہا، الحمدللہ حق نمک کی تجدید ہوگئی۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے تبسم فرمایا۔ اور ارشاد کیا۔ تم نے خوب کہا۔ اس وقت مولانا محی الدین کاشانی[1] دامت برکاتہ، موجود تھے۔ انہوں نے بندے کی اس بات کی تعریف کی۔ اور حضرت خواجہ سے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ دوبارہ کہا گیا نمکین بات کہی ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ اس کاروبار میں خوب نمک سار ہے۔

اس خوش طبعی اور ظرافت کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص خواجہ شمس الملک علیہ الرحمۃ والغفران کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے کوئی چیز طلب کی۔ شمس الملک نے اسے روانہ کرنے کے لیے کوئی جواب دیا۔ مگر وہ سائل اسی طرح کھڑا رہا۔ شمس الملک نے کہا۔ تم جاتے کیوں نہیں وہ بولا مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔ شمس الملک نے کہا جو کہہ چکا ہوں اس سے زیادہ کیا کہوں!

---

[1] آپ قاضی قطب الدین کاشانی کے پوتے اور حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے۔ علم وحلم اور زہد و تقویٰ و ورع میں مشہور تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں آنے کے بعد فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کرلی۔ سلطان علاء الدین خلجی نے انہیں اودھ کی قضا جو ان کے خاندان میں چلی آرہی تھی دینے کا حکم دیا۔ جب قاضی صاحب نے سلطان کا حکم نامہ اپنے مرشد کو دکھایا تو وہ اس سے بڑے ناخوش ہوئے۔ اور اپنا خلافت نامہ ان سے واپس لے لیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء قاضی محی الدین سے ایک سال تک کبیدہ خاطر رہے۔ حضرت اپنے خصوصی مریدوں اور خلفاء کو سرکاری ملازمت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (ماخوذ از سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات)

چھٹی مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ صفر کی انتیس ۲۹ تاریخ

شرف دست بوسی نصیب ہوا۔ بندے نے عرض کیا کہ اس دفعہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے آیا ہوں۔ بعض احباب نے یوں کہا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کام سے ادھر آئے اور وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت سے نہ آئے تو اسے حضرت مخدوم کے پاس نہیں آنا چاہیئے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگرچہ دستور یہی ہے لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ میں حضرت مخدوم کو دیکھے بغیر ان اطراف سے واپس چلا جاؤں۔ چلو میں ایک بار دستور کی خلاف ورزی کرلوں میرے دل میں یہ بات آئی! اور میں حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا تم نے اچھا کیا۔ اس موقعہ پر آپ نے زبان مبارک سے یہ دو مصرعے ارشاد فرمائے ؎

در کوئی خرابات و سرائے اوباش
منعی نبود بیا و بنشیں و بباش

(شراب خانے کی گلی میں اور آزادوں کے ڈیرے پر بے روک آئیے، بیٹھئے بلکہ بس جائیے)

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ مشائخ کے ہاں یہ دستور ہے کہ کوئی شخص نماز اشراق سے پہلے اور نماز عصر کے بعد ان کی خدمت میں نہیں جاتا۔ میرے ہاں یہ نہیں۔ جس وقت بھی کوئی آئے کہو آجائے۔

پھر اس امر پر گفتگو ہوئی کہ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہتے! اور ہر جگہ اسی کی حکایت بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہ طریقہ ٹھیک

نہیں ہے۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص حج کر کے آیا اور وہ یہ کہتا پھرتا تھا کہ میں فلاں جگہ گیا اور فلاں جگہ ایک بزرگ کو دیکھا۔ ایک بزرگ نے اس سے کہا تم جو کچھ تھے اس سے ٹلے نہیں، پھر کیا فائدہ، مطلب یہ کہ تم بدستور گھمنڈیے ہو۔

ذرا سا ذکر خدمت اور مراعات رضا کا ہوا۔ آپ نے فرمایا: جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا۔ جس نے خدمت نہیں کی وہ مخدوم کیسے ہوگا؟ اس موقع پر آپ نے زبان مبارک سے فرمایا:
مَنْ خَدَمَ خُدِمَ (جس نے خدمت کی اس کی خدمت کی گئی)

پھر کچھ دیر حسن معاملہ کے باب میں گفتگو ہوئی۔ فرمایا، ایک شخص نے دس سنتوں کو جن میں سے پانچ سر کے متعلق اور پانچ تن کے متعلق ہیں۔ نظم کیا ہے آخری شعر یہ کہا ہے اور خوب کہا ہے ؎

دہ سخن در دو بیت آوردی!
کارکن کار کین ہمہ سخنست

(تو نے دو شعروں میں دس باتیں کہی ہیں۔ کام کر دکام اس لیے کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں)

ساتویں مجلس

سال مذکور کے ماہ جمادی الاول کی انیس تاریخ

سعادت قدم بوسی میسر آئی۔ انہی دنوں کسی رئیس نے دو باغوں کے اور اسباب آلات سمیت بہت سی زمین کی ملکیت کے کاغذات آپ کی خدمت میں بھجوائے تھے۔ اور آپ کے ساتھ اپنے اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے قبول نہ کیا۔ حضرت اس باب میں فرما رہے تھے۔ کیا میں باغ کھیتی اور زمین والا چودھری بن

جاؤں۔ آپ تبسم فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ میں یہ قبول کروں تو لوگ کیا کہیں گے یہی کہ شیخ باغ کو جا رہا ہے۔ شیخ کھیتوں اور اراضی کے معائنہ کے لیے جا رہا ہے۔ یہ میرا عجیب و غریب فعل ہوگا۔ اس کا کوئی محل ہے! یہ کہتے کہتے آپ آبدیدہ ہو گئے! اور فرمانے لگے۔ ہمارے خواجگان اور ہمارے مشائخ میں سے کسی نے بھی اس طرح کا کام نہیں کیا۔

بعدازاں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی جب سلطان ناصرالدین[1] انار اللہ برہانہ (اللہ ان کی دلیل و برہان کو روشن کرے) ملتان جاتے ہوئے اجودھن (پاک پتن) سے گزرے۔ سلطان غیاث الدین بلبن طاب اللہ ثراہ (اللہ ان کی قبر کو پاکیزہ بنائے) اس وقت الغ خاں کے نام سے معروف تھے وہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کے لیے آئے۔ اور آپ کی خدمت میں کچھ نقدی اور چار دیہات کی معافی کا شاہی فرمان پیش کیا۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا۔ میں یہ نقدی اور چار دیہات کی معافی کا شاہی فرمان حضرت شیخ کے لیے لایا ہوں۔ نقدی تو درویشوں کے مصارف کے لئے ہے اور دیہات کی معافی کا شاہی فرمان آپ کے لیئے۔ شیخ الاسلام مسکرائے اور فرمایا: یہ نقدی تو مجھے دے دو اسے درویشوں کے ساتھ مل کر خرچ کروں گا۔ لیکن معافی کا فرمان اٹھا لو اور لے جاؤ۔ اس کے طالب اور بہت سے ہیں۔ انہیں دے دو۔

یہ حکایت بیان کرتے ہوئے آپ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا دَخَلَ بَیْتًا اِلَّا دَخَلَ ذُلٌّ (یہ جس گھر میں داخل ہوا اس کے ساتھ ذلت بھی داخل ہوئی) حضرت خواجہ نے کہا کہ آپؐ نے یہ اس موقع پہ فرمایا تھا۔ جب ایک دفعہ آپؐ کسی شخص کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے دو لکڑیاں اور کچھ اور لکڑیاں دیکھیں جن سے ہل چلایا جاتا اور بیلوں کی جوڑی

---

[1] سن تخت نشینی ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء سن وفات ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء اس کے بعد سلطان بلبن برسر اقتدار آیا۔ سلطان ناصرالدین محمود سلطان التمش کا بیٹا تھا۔

ہانکی جاتی ہیں۔ جب آپ نے یہ چیزیں دیکھیں تو فرمایا: مَا دَخَلَ بَیْتاً اِلَّا دَخَلَ ذُلاًّ یعنی جس گھر میں یہ چیزیں داخل ہوئیں، ان کے ساتھ ذلت و خواری بھی داخل ہوئی۔

اس موقع پر شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عربی زبان میں لکھا ہوا ایک مکتوب بھیجا۔ میں نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے۔ میں نے اس میں سے یہ عبارت یاد کر لی تھی مَنْ اَحَبَّ افخاذ النساء لَا یفلح ابداً (جس نے عورتوں کی آغوش پسند کر لی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گا) اسی مکتوب میں شیخ جلال الدین تبریزی نے "ضیعۃ" کا ذکر بھی کیا تھا۔ ضیعۃ زمین، اس کے جوتنے، گاؤں اور اسی طرح کی چیزوں کو کہتے ہیں۔ اس کے متعلق عربی کے لفظ میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہے بہر حال اس کا مطلب یہ تھا کہ جس نے ضیعۃ سے دل لگایا اور اس کے چکر میں پڑ گیا وہ گویا دنیا کا غلام یعنی اہل دنیا کا غلام ہو گیا۔ بندے نے شیخ جلال الدین تبریزی نور اللہ مرقدہ (اللہ ان کی قبر کو منور کرے) کے بارے میں پوچھا کہ وہ کس کے مرید تھے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شیخ ابوسعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔

چند لمحے اوراد و وظائف کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ کیا حدیث ہے۔ صَاحِبُ الْوِرْدِ مَلْعُونٌ وَتَارِکُ الْوِرْدِ ملعون (ورد کرنے والا بھی ملعون ہے اور ورد کا تارک بھی ملعون ہے) حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ حدیث اہل کتاب میں سے ایک شخص کے متعلق ہے۔ ہوا یوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ فلاں یہودی یا عیسائی بہت ورد و وظائف کرتا ہے۔ اسے ان کی اصطلاح میں تمنیشا کہتے تھے جب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ سنا تو فرمایا: صَاحِبُ الورد ملعون (ورد کرنے والا ملعون ہوتا ہے)، یہ خبر اہل کتاب تک پہنچی تو اس نے اوراد و وظائف ترک کر دیئے۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے سنا تو فرمایا: تَارِکُ الْوِرْدِ مَلْعُوْنٌ (ورد و وظائف ترک کرنے والا بھی ملعون ہے)، بعض کا کہنا ہے کہ یہ حدیث عمومی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کی تاویل و تعبیر یہ ہوگی کہ اگر کوئی شخص عمداً اور جان بوجھ کر ورد و وظائف ترک کرتا ہے اور وہ بغیر

کسی عذر کے انہیں ترک کرتا ہے تو اس کے لیے کہا جائے گا تارک الورد ملعون (ورد ترک کرنے والا ملعون ہے) اگر کوئی ایسا شخص ہے جیسے کہ مثال کے طور پہ قوم کا کوئی سردار ہو اس کے پاس لوگ آتے جاتے ہوں اور مسلمانوں کے کام دھندے اس کے اقوال و احکام سے وابستہ ہوں اور وہ اوراد و وظائف میں مشغول رہے تو اس شخص کے بارے میں کہا جائے گا۔ صَاحِبُ الْوِرْدِ ملعون (ورد و وظائف کرنے والا ملعون ہے) اس موقع پر بندے نے عرض کیا کہ اگر ایک شخص کو بہت سے کام پیش آ جائیں یا اُسے کوئی ایسی مجبوری لاحق ہو کہ وہ مقررہ اوراد و وظائف نہ کر سکے تو اگر وہ رات کو وہی وظائف کرے تو کیسا رہے گا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ٹھیک رہے گا۔ اگر دن کے اوراد و وظائف فوت ہو جائیں اور انہیں سرانجام دینے کا موقع نہ ملے تو یہ اوراد رات کو سرانجام دے لیے جائیں۔ اسی طرح اگر رات کے اوراد رات کو نہ ہو سکیں تو وہ دن کو ہو جائیں۔ رات کا جانشین دن ہے۔ اور دن کی جانشین رات۔

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی معذوری کے بغیر ورد ترک کرتا ہے اس کا ایسا کرنا تین حال سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو کسی حرام چیز کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے۔ کسی بے محل خفگی کی وجہ سے ہوگا۔ یا وہ کسی مصیبت میں گھرا ہوگا۔ اس مناسبت سے آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ایک روز مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے سے گر پڑے۔ اور ان کا بازو اُتر گیا۔ انہوں نے ان سے ان کا حال پوچھا۔ کہنے لگے کہ میں ہر روز سورۃ یٰسین پڑھا کرتا ہوں آج میں نے نہیں پڑھی۔ اس وجہ سے یہ ٹھوکر لگی۔

آٹھویں مجلس

بدھ وار، سال مذکور کے ماہ جمادی الآخر کی چار تاریخ ـــــــ قدم بوسی کی دولت

میسر آئی، نظم اور غزل کے اشارات وکنایات اور اس کے محمولات وغیرہ پر گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی کسی شے پر محمول کرتا ہے، کوئی کسی شے پر۔ پھر ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے ؎

نظامی ایں چہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی
کسی سرش نمی داند زبان درکش زبان درکش

(اے نظامی! یہ کیا اسرار تھے۔ جو تم نے اپنے دل سے (نکال کے) آشکارا کر دیئے ہیں اس کا بھید کوئی نہیں جانتا، اپنی زبان بند رکھو۔ اس روز شیخ الاسلام یہی شعر بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ افطار کے وقت بھی آپ کی زبان مبارک پر یہی شعر تھا۔ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت بھی آپ یہی شعر پڑھ رہے تھے۔ اور ہر بار جب وہ یہ شعر پڑھتے تھے تو ان میں ایک نئی حالت رونما ہوتی تھی۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے کہ معلوم نہیں کہ اس شعر کو پڑھتے وقت ان کے قلب مبارک میں کیا احساسات تھے۔ اور کیا چیز ان سے یہ شعر بار بار دہروا رہی تھی۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکان کے اندر دروازے پر کھڑے تھے۔ ان کا ایک ہاتھ دروازے کے ایک پٹ پر تھا۔ اور دوسرا ہاتھ دوسرے پٹ پر۔ اور ان کی زبان مبارک بار بار یہ شعر دہرا رہی تھی ؎

کردی صنما بر سر ما بار دگر
ما ہیچ نکردیم خدا می داند

(اے محبوب تم نے ہمارے سر پہ ایک اور بوجھ ڈال دیا۔ خدا جانتا ہے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا)۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان گوہر افشاں سے فرمایا کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ شعر پڑھتے وقت ان کے دل میں کیا تھا۔ وہ کس پر اُسے محمول کر رہے تھے۔ اور ان کے پیش نظر کیا تھا۔

چند لمحے توکل کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیئے۔ کسی اور پر

نظر نہ رکھنی چاہیئے۔ بعد ازاں زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا، جب تک اس کے سامنے ساری خلقت اس طرح ظاہر نہ ہو گویا وہ اونٹ کی مینگنی ہے۔

بعد ازاں اس بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ زیارت کعبہ کے لیے جا رہے تھے۔ کہ ان کے ساتھ ایک لڑکا ہو لیا۔ وہ اس لڑکے کی طرف متوجہ ہوئے! اور اس سے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو! اس نے کہا کعبے کی زیارت کو۔ ابراہیم خواص نے فرمایا زاد سفر اور سواری کہاں ہے! اس نے جواب دیا۔ جب خدائے عزّ و جل نے انسان کو بغیر سامان کے دنیا میں بھیجا ہے۔ تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ مجھے بغیر زاد سفر اور سواری کے کعبے تک پہنچا دے۔ غرض جب ابراہیم خواص کعبے پہنچے تو اس لڑکے کو دیکھا کہ وہ ان سے پہلے وہاں پہنچ چکا ہے اور طواف کر رہا ہے۔ جب اس لڑکے کی نظر ابراہیم خواص پر پڑی تو اس نے ان سے کہا۔ اے کمزور یقین والے! کیا تو نے اس بات سے توبہ کی ہے۔ جو تو نے مجھ سے کہی تھی۔

اسی بارے میں آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ایک دفعہ ایک کفن چور خواجہ بایزید بسطامی[۱] رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان کے آگے اپنے افعال سے توبہ کی۔ خواجہ بایزید بسطامی نے اس سے پوچھا کہ تم نے کتنے مردوں کے کفن چرائے ہیں۔ اس نے کہا ایک ہزار مردوں کے۔ خواجہ بایزید نے پوچھا کہ ان میں سے کتنوں کو تم نے اس حالت میں پایا کہ ان کا منہ قبلے کی طرف ہو۔ اس نے کہا میں نے دو آدمیوں کے منہ قبلے کی جانب پائے۔ باقی سب کے منہ قبلے کی طرف سے مڑے ہوئے تھے۔ حاضرین نے خواجہ بایزید سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ صرف دو آدمیوں کے منہ قبلے کی طرف تھے۔ اور اوروں کے منہ ادھر سے مڑ گئے تھے! انہوں نے فرمایا ان دو کا حق تعالیٰ پر بھروسا تھا! اور باقیوں کا نہیں۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ مشائخ

۱؎ سن وفات ۲۶۱ھ / ۸۷۴ء

لہ رزق کی چار قسمیں بتائی ہیں۔ رزق مضمون، رزق مقسوم، رزق مملوک اور رزق موعود۔ رزق مضمون وہ ہے کہ آدمی کو کھانے پینے کے لیے اتنا کچھ مل جائے کہ اس کے لیے کافی ہو اسے رزق مضمون کہتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اس کا ضامن ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِی الاَرضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزقُھَا[1] (اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ کے ذمے ہے اس کی روزی) رزق مقسوم وہ ہے کہ ازل میں مقرر ہوگیا تھا۔ اور لوح محفوظ میں اُسے لکھ دیا گیا۔ رزق مملوک وہ رزق ہے جو درہم، لباس اور دوسرے سامان کی شکل میں جمع ہو اور رزق موعود وہ ہے جس کا حق تعالیٰ نے صالحین اور عبادت گزاروں سے وعدہ کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَن یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجعَل لَّہٗ مَخرَجًا وَّیَرزُقہُ مِن حَیثُ لَا یَحتَسِبُ۔[2]

اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشائش پیدا کر دیتا ہے۔ اور اُسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں کا اُسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ توکل رزق مضمون میں ہوتا ہے۔ رزق کی دوسری قسموں میں نہیں۔ اس لیے کہ جو رزق مقسوم و مقرر ہے۔ اس میں توکل کا کیا کام اور جو رزق مملوک ہے۔ اس میں توکل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح رزق موعود میں بھی توکل نہیں ہے کیونکہ جس رزق کا وعدہ ہے وہ تو ملے گا ہی غرض توکل صرف رزق مضمون میں ہے۔ یعنی آدمی یہ جانے کہ جس رزق کی قطعی طور پر مجھے ضرورت ہے۔ وہ مل کر رہے گا۔ یہ اس کا توکل ہوگا۔

---

[1] سورۂ ہود آیت ۶

[2] سورۂ الطلاق۔ آیت ۲

نویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ جمادی الآخر کی انتیس (۲۹) تاریخ

سعادت پائے بوسی میسر آئی، نماز با جماعت کی فضیلت کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی حضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا باقاعدگی سے نماز باجماعت پڑھ رہے ہو؟ بندے نے عرض کیا کہ میرے گھر کے نزدیک مسجد تو ہے لیکن جس جگہ ہم رہتے ہیں اگر ہم وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں تو کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان کاغذات اور کتابوں کا دھیان رکھے جو وہاں موجود رہتی ہیں اس لیے گھر ہی میں نماز باجماعت ادا کر لی جاتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ نماز با جماعت ہی ادا ہونی چاہیئے۔ لیکن افضل نماز باجماعت وہ ہے جو مسجد میں پڑھی جائے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا اس سے قبل سابق انبیاء کے عہد میں مسجد کے سوا کہیں اور نماز جائز نہ تھی۔ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں یہ سہولت روا کی گئی کہ ہر جگہ نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ نیز اگلے لوگوں کے ہاں زکوٰۃ مال کا چوتھا حصہ تھی۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں دو سو درہموں میں پانچ درہم زکوٰۃ مقرر کی گئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص دو سو درہموں میں سے پانچ درہم زکوٰۃ دیتا ہے۔ اسے بس بخیل تو نہیں کہیں گے اور اس سے بخیل ہونے کا الزام بھی دور ہو جائے گا۔ البتہ اسے سخی بھی نہیں کہیں گے۔ سخی اس کو کہتے ہیں جو زکوٰۃ سے زیادہ بھی کچھ دے۔ اس ضمن میں بندے نے عرض کیا کہ یہ حدیث کس طرح ہے السَّخِیُّ حَبِیبُ اللّٰہ وَاِن کَانَ فَاسِقاً۔ (سخی اللہ کا پیارا ہوتا ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو) فرمایا کہ ایسا ہی کہا گیا ہے۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ جو حدیث صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے وہ صحیح ہے بعد ازاں آپ نے سخی اور جواد کا فرق بتایا۔ ارشاد ہوا کہ سخی وہ ہے جو زکوٰۃ سے کچھ زیادہ دیتا ہے۔ لیکن جواد وہ ہے

جو کثرت سے دیتا اور بخشش کرتا ہے۔ مثلاً وہ دو سو درہموں میں سے پانچ اپنے پاس رکھتا ہے اور باقی دے دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد کیا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ زکوٰۃ تین نوع کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت وہ ہے جو دو سو درہموں کے پیچھے پانچ درہم دی جاتی ہے، زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو درہموں میں سے پانچ درہم رکھ لیے جائیں اور باقی دے دیئے جائیں اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ دے دیا جائے اور کچھ بھی رکھا نہ جائے۔

زکوٰۃ ہی کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ[1] نے اپنے عہد کے علماء سے خطاب کرتے ہوئے کہا یا علماءُ السّوءِ ادّوا زکوٰۃ العلم۔ اے عالمانِ سوء! اپنے علم کی زکوٰۃ ادا کرو۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس زکوٰۃ سے آپ کا مقصود کیا ہے! انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے جو دو سو مسئلے پڑھے ہیں ان میں سے پانچ پر عمل بھی کریں اور دو سو حدیثوں میں سے پانچ پر کاربند بھی ہوں۔

بعدازاں احادیث کی مناسبت سے مولانا رضی الدین صنعانی[2] رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت کا جو کتاب مشارق الانوار کے مصنف ہیں۔ ذکر آیا اور اس بات کا بھی کہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب میرے اور اللہ کے درمیان حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ کہ کسی حدیث کے متعلق فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ تو وہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھتے اور آپ سے اس حدیث کی تصحیح کرا لیتے تھے۔ یہ ذکر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولانا رضی الدین صنعانی بدایوں کے تھے۔ بعد میں وہ اکول (موجودہ علی گڑھ) گئے اور وہاں نائب مُشرِف[3] ہو گئے۔ انکا افسر اعلیٰ

---

[1] سال وفات ۹۱۰ء

[2] سال پیدائش ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء۔ وفات ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء مولانا بدایوں میں پیدا ہوتے بعد میں بغداد پہنچے وہاں سے عباسی خلیفہ الناصر نے اپنے سفیر کی حیثیت سے التمش کے دربار میں بھیجا تھا وہ ۶۲۴ھ میں واپس بغداد گئے! اور ۶۳۷ھ میں پھر ایک بار دہلی تشریف لائے۔

[3] صدر محرر، میر محرر، یہ اس عہد کا ایک اچھا منصب ہوتا تھا۔

مُشرف تھا۔ وہ بھی باصلاحیت آدمی تھا۔ مگر ایک روز یوں ہوا کہ اس مشرف نے کوئی بات کی جس پر مولانا رضی الدین مسکرا دیئے۔ مشرف نے ان پر دوات کھینچ ماری۔ انہوں نے منہ موڑ لیا اور مشرف سے گھبرانے لگے۔

بہرحال جب مولانا نے یہ رنگ دیکھا تو اس جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے اور کہا کہ ہمیں جاہلوں کے ساتھ مزید نشست برخاست نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس کے بعد زیادہ علم حاصل کرنے کے درپے رہے۔ والی کول کے بیٹے کو تعلیم بھی دیتے رہے۔ اس سے وہ سو تنکے[1] پاتے تھے اور اس پر قانع تھے۔ وہاں سے وہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ حج کے بعد بغداد گئے۔ وہاں سے دہلی کو لوٹے ان دنوں دہلی میں بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ مولانا رضی الدین دوسرے تمام علوم میں ان سب علماء کے برابر تھے۔ لیکن علم حدیث میں وہ سب سے ممتاز تھے۔ اور اس میں کوئی عالم بھی ان کے ہم پلّہ نہ تھا۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ ان کا ایک حدیث کی وجہ سے کام بنا تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ جب انہوں نے کول سے حج پر جانے کا عزم کیا تو جوتا خریدا اور پاؤں میں پہن لیا۔ جب وہ ایک منزل پر پہنچے تو تھک گئے۔ اور انہوں نے سوچا کہ ان سے پیدل نہیں چلا جائے گا۔ وہ اسی سوچ میں تھے کہ والی کول کا بیٹا سوار ہو کر بھاگا بھاگا آیا۔ تاکہ انہیں واپس لے جائے جب وہ اس جگہ پہنچا تو مولانا کی نظر اس پر پڑی مولانا نے دیکھا کہ وہ ایک بڑے ہی اچھے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا ہے۔ اسی وقت ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ مجھے یہ گھوڑا دے دے تو میں آرام سے سفر کر سکتا ہوں۔ مولانا یہی سوچ رہے تھے کہ والی کول کا بیٹا ان کے پاس پہنچ گیا اور اس نے مولانا کو واپس لے جانے کے لیے اصرار کرنا شروع کر دیا۔ مولانا نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ جب والی کے بیٹے نے دیکھا کہ وہ بالکل واپس نہیں جائیں گے اس نے مولانا سے کہا اچھا اگر آپ نہیں مانتے تو یہ گھوڑا جس پر میں سوار ہو کر آیا ہوں قبول کیجئے مولانا

---

[1] اس زمانے کا ایک سکہ۔

نے گھوڑا لے لیا اور روانہ ہو گئے۔

الغرض وہ حج کے لیے گئے اور وہاں سے فارغ ہو کر بغداد آئے تو بغداد میں ایک بڑے نامور محدث تھے جنہیں ابن زہری کہتے تھے۔ ان کے لیے ایک منبر رکھ دیا جاتا تھا جس پر وہ بیٹھ جاتے تھے اور احادیث بیان کرتے تھے۔ علماء ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ اور ان کے اِرد گرد حلقے بنا کر بیٹھ جاتے تھے۔ اس طرح ان کے کئی حلقے بن جاتے تھے۔ جو علماء سب سے اہل ہوتے وہ ان کے سامنے بیٹھتے جو ان سے ذرا کم درجے کے ہوتے وہ دوسرے حلقے میں بیٹھتے اور باقی علماء پیچھے کے حلقوں میں بیٹھتے۔ اس طرح علماء ایک دوسرے کے پیچھے ترتیب وار بیٹھا کرتے وہ نامور محدث حدیث املا کراتے یعنی لکھواتے اور ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے علماء لکھتے جاتے۔ ایک دن مولانا رضی الدین صنعانی بھی اس مجمع میں پہنچے۔ اور وہ حلقہ جو سب سے دور تھا اس میں بیٹھ گئے۔ ابن زہری ایک حدیث بیان کر رہے تھے۔ جس میں مؤذن کے ساتھ ساتھ اذان کے کلمات سے موافقت کرنے کا ذکر ہے۔ یعنی مؤذن جو کچھ کہے سننے والے کو چاہیئے کہ وہ بھی وہی کہے۔ ابن زہری نے اس حدیث کا آغاز یوں کیا۔ اذا سکبَ المؤذن سکوب کے معنی ہیں پانی گرانا، مطلب یہ ہے۔ جب موذن کی آواز تمہارے کانوں میں پہنچے تم بھی وہی کہو جو وہ کہے — جب ابن زہری نے یہ حدیث بیان کی تو مولانا رضی الدین نے اسی جگہ جہاں وہ بیٹھے تھے۔ آہستہ سے دوسروں سے کہا کہ اذ سکتَ المؤذن یعنی جب مؤذن اذان دیتے ہوئے ایک کلمہ کہہ کر چپ ہو جائے تو پھر اذان سننے والے کو چاہیئے کہ اس کلمہ میں مؤذن کی موافقت کرے۔ یعنی وہ کلمہ دہرائے جو مؤذن نے کہا تھا۔ مولانا رضی الدین کے پاس بیٹھے ہوؤں میں سے ایک نے یہ بات سنی۔ اس نے دوسرے سے کہی، دوسرے نے تیسرے سے یہاں تک کہ یہ بات ابن زہری کے کانوں تک پہنچ گئی۔ انہوں نے آواز دی کہ کس شخص نے یہ بات کہی ہے۔ مولانا رضی الدین بولے، میں نے کہی ہے۔ ابن زہری نے کہا۔ ہر دو لفظ بامعنی ہیں ہمیں کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو کتابیں دیکھی گئیں۔ ہر دو لفظ کو صحیح بتایا گیا۔ لیکن اذا سکبُ کے بجائے اذا سکتَ صحیح تر تھا۔ یہ خبر خلیفہ تک پہنچی مولانا رضی الدین کو اس کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے ان کی

عزت وتکریم کی اور تبرک کے طور پر ان سے کچھ پڑھا۔

غرض وہ بغداد سے دہلی آ گئے۔ جب وہ بدایوں میں تھے وہاں ان کے ایک استاد تھے۔ بڑے بزرگ اور صاحب ولایت۔ حدیث کے موضوع پر ان کی ایک کتاب تھی جسے ملخص کہا جاتا ہے۔ مولانا رضی الدین نے ان سے وہ کتاب مانگی انہوں نے کتاب دینے میں قدرے تنگی کا اظہار کیا۔ جب مولانا وافر علم اور معارف حاصل کر کے دہلی آ گئے۔ تو انہوں نے کسی سے کہا ایک وقت تھا کہ میرے استاد نے مجھے ملخص دینے میں تامل کیا تھا۔ اور آج اس کتاب کے مصنف جیسے سینکڑوں اشخاص مجھ سے پڑھتے ہیں۔ کسی نے یہ بات ان کے استاد کو پہنچا دی۔ انہوں نے سُنکر کہا کہ ان کا حج قبول نہیں ہوا ہوگا۔ کیونکہ اگر ان کا حج قبول ہوا ہوتا تو وہ یہ بات نہ کہتے۔ حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے! اور فرمایا کہ یہ بات اس بزرگ کے صدق اعتقاد پر دلالت کرتی ہے۔

بعدازاں کھانا سامنے لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ روٹی کے ٹکڑے کر کے شوربے میں ڈال لیجئے۔ اس موقع پر آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ درویشوں کی ایک جماعت شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کہ کھانا سامنے لایا گیا۔ شیخ بہاءالدین زکریا نے سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ آپ نے ان میں سے ایک کو دیکھا کہ روٹی کے ٹکڑے شوربے میں ڈال کر کھا رہا ہے۔ آپ نے کہا بہت خوب! درویشوں میں سے یہ درویش کھانا کھانا جانتا ہے۔ بعدازاں حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ دوسرے تمام کھانوں پر ثرید (شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈالنا) کو ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی مجھے دوسرے تمام پیغمبروں پر اور عائشہ کو دوسری تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم

دسویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ رجب مبارک کی چودہ تاریخ

سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ نماز با جماعت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ اس پر آپ نے بہت زیادہ زور دیا فرمایا کہ اگر نماز پڑھنے والے دو بھی ہوں تو وہ با جماعت نماز پڑھیں اگرچہ دو سے جماعت نہیں ہوتی۔ لیکن اس سے نماز با جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ دو آدمیوں کو چاہیئے کہ برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاہا کہ نماز ادا کریں۔ آپ کے پاس عبداللہ بن عباس کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ آپؐ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور نماز میں اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ جب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کی نیت کر کے پہلی تکبیر کہی تو تو عبداللہؓ بن عباسؓ (آپؐ کے احترام کے خیال سے) اپنی جگہ سے ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز توڑ دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے برابر کھڑا کیا۔ اور نماز شروع کر دی۔ عبداللہ بن عباس پھر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ ایک دو بار اسی طرح کیا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم پیچھے کیوں ہٹ جاتے ہو۔ عبداللہ بن عباس نے جواب دیا کہ میری کیا مجال کہ میں رسول رب العالمین کے برابر کھڑا ہوں۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کا یہ حسن ادب پسند آیا اور ان کے حق میں دعا کی۔ اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّین (اے اللہ! اسے دین میں تفقہ اور سمجھ دے) بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ صحابہؓ میں سے امیر المومنین حضرت علیؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس دین کے سب سے

بڑے فقیہہ تھے۔ رضی اللہ عنہما۔

انہی عبداللہ بن عباس کی مناسبت سے آپ نے کہا کہ تین عبداللہ ہیں۔ انہیں عبادلہ ثلاثہ کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر۔ بعدازاں آپ نے عبداللہ بن مسعود کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شروع میں بکریاں چراتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام والتحیہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن مسعود وہاں بکریاں چرا رہے تھے۔ جب رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ان کے قریب پہنچے تو ان سے آپ نے تھوڑا سا دودھ مانگا انہوں نے جواب دیا کہ میں بکریوں کا امین ہوں۔ میں دودھ کیسے دے سکتا ہوں! حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آپ سے کہا کہ آپ رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور میں آپ کا ساتھی ہوں۔ اگر تم تھوڑا سا بکری کا دودھ دے سکتے ہو تو دے دو اس میں کیا حرج ہے۔ انہوں نے کہا میں تو امانت دار ہوں۔ مجھے کسی کو دودھ دینے کی اجازت نہیں۔ میں اس بارے میں کیا کر سکتا ہوں۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسی بکری لاؤ جسے اب تک کسی نر نے نہ چھوا ہو عبداللہ بن مسعود نے ایسا ہی کیا۔ وہ ایک ایسی بکری لاتے جسے اب تک کسی نر نے نہ چھوا تھا۔ رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے دست مبارک اس بکری کی پشت پر پھیرا اس میں دودھ پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے وہ دودھ دوہ لیا اس کے بعد حضرت رسالت مآبؐ نے عبداللہ بن مسعود سے فرمایا کہ آؤ اور میرے پاس رہو۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ یہ عبداللہ بن مسعود چھوٹے قد کے تھے۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ وہ کُنَیفَةُ العِلم یعنی علم کی تھیلی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھوٹے قد کے تھے بعدازاں حضرت خواجہ نے کہا کہ وہ چھوٹی سی تھیلی جسے درویش سی کر تیار کرتے ہیں۔ اُسے وہ کنف کہتے ہیں یہ غلط ہے یہ کنف نہیں کنیف ہے۔ اسی بنا پر حضرت رسالت مآبؐ نے عبداللہ بن مسعود کو کُنَیفَةُ العلم فرمایا۔

اسی لفظ کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک شخص تھا جس کا نام رئیس تھا۔ اس نے شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس رئیس نے

رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک قبہ یعنی گنبد ہے اس کے اردگرد بہت سے لوگ جمع ہیں اور ایک چھوٹے قد کا آدمی بار بار اس گنبد کے اندر جاتا اور ان سے باہر آتا ہے۔ لوگ اُسے اپنے پیغامات دیتے ہیں۔ وہ باہر آتا ہے اور ان کے پیغامات کے جوابات لاتا ہے۔ اس رئیس نے کہا کہ میں نے پوچھا اس گنبد کے اندر کون ہے؟ اور وہ چھوٹے قد کا شخص جو اندر جاتا اور باہر آتا ہے کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ اس گنبد کے اندر رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ شخص عبداللہ بن مسعود ہیں جو اندر باہر آجا رہے ہیں۔ لوگوں کے پیغامات اندر لے جاتے ہیں اور ان کے جوابات لاتے ہیں۔ رئیس نے بتایا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے قریب پہنچا اور ان سے کہا۔ وہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کریں کہ میں آپؐ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن مسعود اندر گئے اور باہر آکر مجھ سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں ابھی اتنی اہلیت پیدا نہیں ہوئی۔ کہ تم مجھے دیکھ سکو۔ البتہ جاؤ میرا سلام بختیار کاکی کو پہنچاؤ! اور کہو کہ ہر رات جو تم درود کا تحفہ بھجواتے ہو پہنچ رہا ہے۔ لیکن تین دن سے وہ تحفہ نہیں پہنچا۔ مانع خیر ہو۔ رئیس نے کہا کہ میں بیدار ہوا شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ رسالت مآبؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو سلام کہتے ہیں۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے جب میرا یہ پیغام سلام سُنا تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ اور کہا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔ میں نے کہا آپؐ فرماتے ہیں کہ ہر رات جو درود کا تحفہ میری طرف بھیجتے ہو وہ مل رہا ہے مگر تین راتیں ہو گئیں کہ وہ تحفہ درود نہیں پہنچا، مانع خیر ہو۔ اسی دم شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے اس عورت کو اپنے روبرو بلوایا جس سے انہوں نے تین روز قبل نکاح کیا تھا۔ اور اُسے اس کا حق مہر ادا کر کے رخصت کر دیا۔ یوں ہوا تھا کہ حضرت شیخ تین رات شادی منانے میں معروف رہے۔ اس لیے درود کا تحفہ رسالت مآبؐ کی خدمت میں نہ بھیج سکے۔ لبعد ازاں حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ شیخ قطب الدین طاب ثراہ (ان کی قبر ٹھنڈی ہو) ہر رات تین ہزار بار درود پڑھتے۔ اور پھر سوتے تھے۔

شیخ قطب الدین بختیار رحمتہ اللہ علیہ رحمتہ واسعتہ کی بزرگی کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ قطب الدین بختیار رحمتہ اللہ علیہم اجمعین ملتان میں تھے۔ کافروں کا لشکر ملتان کے مینارے کے نیچے تک پہنچ گیا۔ اس وقت ملتان کا والی قباچہ تھا۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک رات کو ایک تیر قباچہ کو دیا اور کہا کہ اس تیر کو اندھا دھند کافروں کے لشکر کی طرف پھینکو۔ قباچہ نے ایسا ہی کیا۔ جب دن نکلا تو کافروں کے لشکر کا ایک آدمی بھی موجود نہ تھا۔ سب کے سب چلے گئے تھے۔

گیارہویں مجلس

بدھوار، سال مذکور ماہ رجب المبارک کی چوبیس تاریخ

پائے بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ تفسیر کشاف[1] کا ذکر آیا، فرمایا کہ اس میں اَلْحَمْدُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حسن بصری کی قرأت میں اَلْحَمْدِ لِلّٰہ ہے یعنی دال کے نیچے زیر ہے اور دال کے نیچے زیر کا سبب یہ بتاتے ہیں۔ کہ اس کے بعد لِلّٰہِ میں جو لام ہے وہ دال سے قریب ہے اور چونکہ لام کے نیچے زیر ہے۔ اس لیے دال کے نیچے زیر ہوگی۔ لیکن ابراہیم نخعی کی قرأت میں الحمدَ لَلّٰہ کی دال اور لام دونوں پہ زبر ہے۔ یہ ابراہیم نخعی کی قرأت ہے یا کسی

---

[1] تفسیر کشاف کا پورا نام "الکشاف عن حقائق التنزیل" ہے۔ صاحب تفسیر ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری مشہور معتزلی عالم ہیں۔ (۱۰۷۵ء — ۱۱۴۳ء)

اور کی۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ غرض تفسیر کشاف کے مصنف زمخشری لکھتے ہیں کہ حسن بصری کی قرأت سے ابراہیم نخعی کی قرأت بہتر ہے۔ اس لیے کہ حسن بصری الحمد کی دال کے نیچے زیر کا سبب لِلّٰہ کے لام کے نیچے کی زیر کو بتاتے ہیں چونکہ لِلّٰہ میں لام کے نیچے زیر ہے اس لیے ان کے نزدیک الحمد میں دال کے نیچے زیر ہونی چاہیئے۔ البتہ ابراہیم نخعی للہ کے لام کی زبر کو الحمد کی دال کی زبر کا سبب بتاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ دونوں باہم قریب قریب ہیں، کشاف کے مصنف کہتے ہیں کہ الحمد للہ کی دال کی حرکت ایک عامل کی وجہ سے ہے۔ اور ہر اعراب جو کسی عامل کی وجہ سے بدلتا ہے۔ وہ بہتر ہوتا ہے۔ اس اعراب سے جو دوسرے پر مبنی ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس امر کی وضاحت کرنے کے بعد فرمایا۔ میں نے اس جگہ ایک استنباط کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گویا الحمد کا دال اس شخص کی طرح ہے جو بوڑھا ہو اور اس سے یہ کہا جائے کہ اس طرح رہو اور اس طرح رہو۔ اور لِلّٰہ کا لام اس شخص کی مثال ہے۔ جو بوڑھا نہ ہو اور وہ ویسا ہی ہو جیسا کہ وہ ہے۔

اس تفسیر کشاف کی مناسبت سے تفسیر کے مصنف زمخشری اور اس کے عقیدے کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ افسوس کہ کشاف کا مصنف جو اس قدر علوم کا حامل تھا۔ اس کا عقیدہ باطل[1] تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ ایک چیز کفر ہے ایک بدعت اور ایک معصیت۔ پس بدعت زیادہ سنگین ہے معصیت سے۔ اور کفر زیادہ سنگین ہے بدعت سے اور بدعت کفر سے نزدیک ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ میں نے مولانا صدر الدین قونوی سے سُنا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ ایک دفعہ میں مولانا نجم الدین سنامی کے پاس تھا انہوں نے مجھ سے پوچھا تمہاری مشغولیتیں

---

[1] تفسیر کشاف کے مصنف جار اللہ زمخشری معتزلی تھے۔

کیا ہیں! میں نے جواب دیا۔ کہ تفسیر کا مطالعہ کرتا ہوں۔ پوچھنے لگے کون سی تفسیر کا۔ میں نے کہا کشاف ایجاز اور عمدہ کا۔ مولانا نجم الدین سنامی نے فرمایا کشاف اور ایجاز کو آگ لگاؤ بس عمدہ کا مطالعہ کرو۔ مولانا صدرالدین کہتے تھے کہ مجھ پر یہ بات گراں گزری چنانچہ میں نے ان سے کہا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں کہنے لگے شیخ بہارالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔ مولانا صدرالدین کہتے تھے کہ مجھ پر یہ بات گراں گزری جب رات ہوئی تو میں یہ تینوں کتابیں چراغ کے سامنے پڑھنے لگا۔ ایجاز و کشاف کو میں نے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اور ان دونوں کے اوپر عمدہ تھی۔ اسی اثنا میں مَیں سو گیا۔ ناگاہ کوئی شعلہ بھڑکا۔ میں بیدار ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ کشاف اور ایجاز جو دونوں نیچے پڑی تھیں جل گئی ہیں۔ اور عمدہ سلامت ہے۔

اسی سلسلہ میں آپ نے ایک اور حکایت بیان کی۔ فرمایا کہ شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ علم النحو میں مفصل[1] پڑھنی چاہی انہوں نے والد سے اس کے بارے میں عرض کیا۔ شیخ بہارالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج کی رات صبر کرو، رات گزار لو۔ جب رات ہوئی تو شیخ صدرالدین نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص قیدی ہے۔ زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ اور اُسے گھسیٹ کر لے جایا جا رہا ہے لوگوں نے پوچھا، یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مفصل کا مصنف زمخشری ہے اسے ہم دوزخ میں لیے جا رہے ہیں۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

---

[1] یہ زمخشری کی علم نحو پر تصنیف ہے۔

بارہویں مجلس

منگلوار سال مذکور کے ماہ شعبان مبارک کی سات تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ سفر کے دوران میں میرا اس سرزمین سے گزر ہوا۔ جہاں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ وہ قبر بڑی بلند، بڑی عظیم اور دراز تھی۔ اس علاقے میں ایک ایسی قوم آباد تھی کہ وہ نہ ہماری زبان سمجھتی تھی اور نہ ہم ان کی زبان سمجھتے تھے۔ غرض میں چند دن کا بھوکا وہاں پہنچا انہوں نے میرے لیے جوار کی قسم کی کوئی چیز دلیہ کی شکل میں پکائی! اور اس کے اوپر دودھ ڈالا۔ میں بھوکا تھا۔ میں نے بڑی رغبت سے کھایا۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا ایسی سرزمین میں ایسے لوگوں کی طرف سے ایسی مروّت بہت بڑی بات ہے۔ اس حکایت کو بیان کرنے والا تھوڑا سا گاجر کا حلوا بھی لایا تھا۔ اس حکایت کی مناسبت سے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں اور مولانا برہان الدین کابلی جو دہلی کے نائب قاضی تھے۔ ایام گذشتہ میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایک دفعہ سونے کے دو ٹنکے مولانا برہان الدین کابلی کے ہاتھ لگے انہوں نے کہا ان دو تنکوں میں سے ایک سے میں قرآن خریدوں گا۔ تاکہ میں صاحبِ نصاب یعنی تونگر ہو جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ایک ٹنکے سے قرآن خرید لیا۔ مگر اسی دن انہیں دہلی سے کوتوال سپہ سالار جمال الدین نیشاپوری کے ہاں لے جایا گیا۔ جب کھانا لایا گیا تو اس میں گاجر کا حلوا بھی تھا۔ کوتوال نے وہ حلوا مولانا برہان الدین کابلی کے سامنے رکھا اور کہا کہ اسے کیسے کھاتے ہیں۔ مولانا برہان الدین نے جواب دیا کہ طالب علم خشک روٹی اس طرح کھاتے ہیں گویا وہ گاجر کا

حلوا ہے پس وہ گاجر کا حلوا کیسے کھائیں گے۔ کوتوال کو یہ بات بہت اچھی لگی اور اس پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے کسی کو اشارہ کیا کہ وہ بیس یا تیس تنکہ لائے۔ جو مولانا برہان الدین کو دے دیئے گئے۔ غرض مولانا کے پاس اس کے بعد مال ونعمت کی فراوانی ہوگئی۔ وہ دہلی کے نائب قاضی بنائے گئے۔ انہیں اور بھی بہت سی نعمتیں میسر آئیں۔ چونکہ ان کی نیت صادق تھی اس لیے اس نے بڑے اثر دکھائے۔

تیرہویں مجلس

جمعۂ سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی یکم تاریخ

اس ماہ کی برکتیں عام ہوں۔ قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ عدل اور ظلم کے مسئلے پر گفت گو ہونے لگی۔ فرمایا خلق کے ساتھ تو حق تعالیٰ کے معاملے کی دو قسمیں ہیں اور خلق کے ایک دوسرے کے ساتھ معاملے کی تین قسمیں ہیں۔ حق تعالیٰ کا خلق کے ساتھ معاملہ یا تو عدل ہے یا فضل لیکن خلق کا باہم ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ یا عدل ہے یا فضل یا ظلم اگر خلق ایک دوسرے کے ساتھ عدل یا فضل کا معاملہ کرتی ہے۔ تو حق تعالیٰ ان پر فضل کرتا ہے اگر خلق ایک دوسرے پر ظلم کرتی ہے تو حق تعالیٰ ان کے ساتھ عدل کرتا ہے۔ جس شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ عدل کرے گا۔ وہ عذاب میں ماخوذ ہوگا۔ خواہ وہ وقت کا پیغمبر ہی ہو۔ اس پر بندے نے عرض کیا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اگر کل قیامت کے دن حق تعالیٰ مجھے اور میرے بھائی عیسیٰ کو دوزخ میں ڈال دے۔ تو یہ اس کا عدل ہوگا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ تمام جہان اس کی ملک ہیں جو بھی اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ وہ ظلم نہیں ہوتا، ظلم وہ ہوگا کہ دوسرے کی ملک میں تصرف کیا جائے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا، اشعری مذہب کلام میں یوں ہے کہ اگر حق تعالیٰ ایک مومن کو دوزخ

میں ڈال دے اور وہاں اُسے ہمیشہ ہمیشہ رکھے تو یہ روا ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ ایک کافر کو بہشت میں ڈال دے اور وہاں اُسے ہمیشہ ہمیشہ رکھے تو یہ بھی جائز ہوگا۔ یہ اس بنا پر کہ وہ خود اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے لیکن ہمارے مذہب میں ایسا نہیں ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ[1] (تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ) اور قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ[2]۔ (تو کہہ دے کب برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا) کہ ناداں دانا کے برابر نہیں اور نابینا بینا (دیکھنے والے) کے برابر نہیں۔ اسی طرح اللہ نے چند اور مثالیں دی ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لیے یہ واجب ہوگیا کہ وہ مومن کو بہشت میں لے جائے۔ اور اُسے وہاں رکھے اور کافر کو دوزخ میں لے جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے اور وہ حکمت کے تقاضوں کے مطابق کام کرتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس مال ہے تو وہ اُسے جس طرح چاہے خرچ کرتا ہے۔ البتہ اگر وہ جاکر اپنا مال کنویں میں پھینک دیتا ہے۔ تو اس کا ایسا کرنا حکمت نہیں ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر ایک مومن بغیر توبہ کیے دنیا سے رحلت کر جاتا ہے۔ تو آخرت میں اس کے معاملے میں تین چیزوں کا احتمال ہے۔ روا ہوگا کہ خدا تعالیٰ اس کے ایمان کی برکت کی بنا پر اُسے بخش دے۔ یا وہ اپنے فضل سے اس کو بخش دے یا کسی کی شفاعت پر اُسے بخش دے یا خدا تعالیٰ اس کو دوزخ میں لے جائے اور اس کے گناہ کی مقدار کے مطابق اسے عذاب دے۔ پھر اس کو بہشت میں لے جائے البتہ مومن ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اس لیے کہ وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا ہے۔

---

[1] سورۂ الزُمر۔ آیت ۹

[2] سورۂ الانعام۔ آیت ۵۰

چودہویں مجلس

منگل وار سنہ مذکور کے ماہ شوال مبارک کی گیارہ تاریخ

سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ اس روز بندہ ایک غلام کو جس کا نام بشیر تھا حضور کی خدمت میں لے گیا اور آپ سے عرض کیا کہ یہ غلام نماز پڑھتا ہے اور کافی عرصے سے برابر میری منت کر رہا ہے کہ مجھے حضرت کی خدمت میں لے چلو اور بیعت کی نعمت سے سرفراز کراؤ۔ اس وقت حضرت خواجہ کا ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فضل و کرم عام تھا۔ آپ نے میری یہ عرضداشت قبول کر لی۔ بعدازاں آپ نے فرمایا کہ تم اسے اجازت دو تاکہ وہ بیعت کر لے۔ بندے نے کہا ہاں۔ اسے اجازت ہے۔ بعدازاں آپ نے اپنا ہاتھ بیعت کے لیے اُسے دیا۔ اس کی بیعت لی اور کلاہ عطا فرمائی اُسے حکم دیا کہ جاؤ، دوگانہ نماز پڑھو اور پھر آؤ۔ جب یہ غلام آپ کے ہاں سے باہر گیا تو حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کی۔ پچھلے دنوں ایک درویش بہار سے آیا وہ بڑا مکلف خرقہ پہنے ہوئے تھا۔ اور خانقاہ علی سجزی[1] علیہ الرحمۃ والغفران میں ٹھہرا تھا۔ وہ ہر جگہ

---

[1] انہی شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں محفل سماع ہو رہی تھی۔ کہ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ایک فارسی شعر سنا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را!

ہر زماں از غیب جان دیگر است

اس شعر کے سننے سے آپ پر وجد کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اسی میں انتقال فرما گئے۔

جا کر دق کرتا اور بھیک مانگتا، شیخ علی سجزی نے اس سے کہا کہ جب تم اس لباس میں ہو تو گدائی نہ کرو۔ میں تمہیں ایک چیز دیتا ہوں تم اس پر اکتفا کرو اور اس سے تجارت کرو۔ بس شرط یہ ہے کہ جب تم آسودہ حال ہو جاؤ تو اس میں سے درویشوں کو کچھ دو یہ کہا اور اس کو پانچ سو جیتل دیئے اس درویش نے ان پانچ سو جیتل سے کچھ عرصہ تجارت کی اس سے اس کے پاس تیس تنکے ہو گئے۔ پھر اس نے یہ تیس تنکے تجارت میں لگا دیئے اور وہ ایک سو ہو گئے۔ ان تنکوں سے اس نے غلام خریدے۔ شیخ علی سجزی نے اس سے کہا کہ ان غلاموں کو غزنی لے جاؤ تاکہ تمہیں زیادہ فائدہ ہو۔ درویش نے ویسا ہی کیا اس درویش کے پاس ایک قابل اعتماد غلام تھا۔ اس نے اس غلام سے کہا میرے مرید ہو جاؤ۔ غلام اس کا مرید ہوگیا۔ درویش نے اس غلام کا سر منڈوا دیا۔ اس کے سر پر کلاہ رکھی اور اس سے کہا کہ یہ کلاہ سیدی احمدؒ کی ہے۔ درویش کا خود اس خاندان (سیدی احمدؒ) سے تعلق تھا۔ الغرض وہ درویش غلاموں کو لے کر غزنی پہنچا وہاں اس نے غلام فروخت کئے اُسے بڑا فائدہ ہوگیا بعض لوگ اس (مرید) غلام کو بھی خریدنا چاہتے تھے۔ درویش نے کہا کہ میں اسے کیسے فروخت کروں۔ وہ تو میرا مرید ہوگیا ہے۔ بعد ازاں درویش کے دل میں کچھ آیا اور وہ اُسے فروخت کرنے پر رضامند ہوگیا۔ وہی سوداگر جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے اُسے خریدنا چاہا۔ غلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے اس درویش سے کہا کہ اے خواجہ! جس دن میں تمہارا مرید ہوا تھا۔ اور تم نے میرے سر پر کلاہ رکھی تھی تم نے کہا تھا کہ یہ کلاہ سیدی احمد کی ہے۔ آج تم مجھے فروخت کر رہے ہو۔ کل قیامت کے دن سیدی احمد کے سامنے میرا تم سے سوال و جواب ہوگا۔ جب غلام نے یہ بات کہی تو اس درویش کا دل نرم ہوگیا اس نے حاضرین سے کہا تم گواہ رہنا میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے۔

جب حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے تو بندے نے عرض کیا۔ میں نے بھی اس غلام کو آزاد کر دیا۔ حضرت خواجہ۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔ یہی واجب تھا۔ جو تم نے کیا۔ بعد ازاں بڑی شفقت و رحمت سے اپنے سر مبارک سے کلاہ

اتاری اور بندے کے سر پر رکھ دی۔ والحمدللہ رب العالمین۔

پندرہویں مجلس

جمعرات سال مذکور کے ماہ شوال کی ستائیس تاریخ

سعادت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ مال خرچ کرنے کا ذکر ہوا۔ فرمایا جب کبھی کسی شخص کی طرف دنیا کا رخ ہو اور اسے دولت ملے تو وہ اُسے خرچ کرے کہ اس سے وہ کم نہیں ہوگی اور جب کبھی دنیا اس سے منہ موڑے تو پھر بھی اُسے خرچ کرنا چاہیئے کہ جب وہ اس سے منہ موڑ ہی رہی ہے تو بہتر ہے کہ وہ لوگوں کو خود اپنے ہاتھ سے دے دے۔

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمتہ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے۔ جب دنیا آئے تو دو کہ کم نہیں ہوگی اور جب وہ جا رہی ہو تو اس پر نگاہ نہ رکھو کیونکہ وہ نہیں ٹھہرے گی۔

سولہویں مجلس

جمعہ سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ مبارک کی گیارہ تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ گفتگو اس بارے میں ہوئی کہ مردانِ حق جو کھانا بھی کھاتے

ہیں اس میں ان کی نیت میں حق ہوتا ہے۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا۔ شیخ شہاب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ ایک درویش تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے ہر لقمے کے ساتھ یہ کہتا تھا۔ اَخَذْتُ باللّٰہ (یہ لقمہ میں اللہ کی خاطر لے رہا ہوں۔

ستر ہویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ مبارک کی اکیس تاریخ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم لشکر گاہ سے آرہے ہو یا شہر سے بندہ نے عرض کیا کہ لشکر گاہ سے آ رہا ہوں۔ اور میں نے وہاں گھر بنا لیا ہے۔ فرمایا، کیا تم شہر کی طرف بھی جایا کرتے ہو؟ بندے نے کہا کہ بہت کم جاتا ہوں۔ بس دس بارہ دن کے بعد جانا ہوتا ہے۔ اکثر لشکر گاہ میں ہی رہتا ہوں۔ اور نماز جمعہ مسجد کیلوکھری میں ادا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا کرتے ہو۔ لشکر گاہ کی آب و ہوا شہر سے بہتر ہے اور شہر میں بدبو اور عفونت بھی ہوتی ہے۔

اس مناسبت سے آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ جس طرح بعض گھڑیاں بعض دوسری گھڑیوں کے مقابلہ میں خصوصی امتیاز رکھتی ہیں۔ جیسا کہ عید کا دن دوسرے تمام دنوں کے مقابلے میں عام خوشی کے لیے مخصوص ہے۔ اسی طرح کوئی ایسی جگہ ہوتی ہے کہ جو راحت اس میں ملتی ہے کسی دوسری جگہ میں ایسی راحت نہیں ملتی۔ لیکن درویش وہ ہوتا ہے جو زمان و مکان کی حدود سے باہر نکل جائے۔ نہ کسی نوع کی خوشی اسے شادمان کرتی ہے۔ نہ کوئی غم اُسے غمگین کرتا ہے۔ وہ ایسا شخص ہوتا ہے جو مال و دولت کی

ملکیت سے گزر جاتا ہے۔ درویش کو چاہیئے کہ بات کرتے وقت اس کا دل حق کی طرف مائل ہو۔ اس کی زبان دل سے مدد لے اور اس کا دل حق سے مدد لے۔

بعد ازاں آپ کی زبانِ گوہر افشاں سے ارشاد ہوا میں نے اوائل عمر میں یہ کلمات مولانا عماد الدین سنامی سے سنے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں حومِ سلطان کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ بھی وہاں آگئے ہم اکھٹے بیٹھ گئے۔ وہ اس موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔ ہم دونوں کا وقت بہت اچھا کٹا۔ لیکن اس سے کم وبیش تین چار سال بعد ہم پھر اسی جگہ اکھٹے ہوئے۔ اس وقت ان معانی کا ایک ذرہ بھی ان میں باقی نہ رہا تھا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ وہ خلق کے معاملات میں الجھ گئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز دہلی آئے۔ اور کچھ عرصہ رہنے کے بعد وہ یہاں سے جانے لگے۔ تو وہ فرماتے تھے کہ میں جب دہلی آیا تو خالص سونا تھا۔ اور اب اس وقت چاندی ہوں۔ اس کے بعد معلوم نہیں کیا ہو جاؤں۔

پھر سماع کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ بندے نے عرض کیا کہ شکستہ حال اپنے بارے میں حیران و پریشان ہے۔ اس لیے کہ طاعت وعبادت جیسی کہ چاہیئے مجھ سے نہیں ہوتی اور نہ مجھ سے اوراد و وظائف اور درویشوں کے اشغال سرانجام پاتے ہیں۔ البتہ جب سماع سنتا ہوں تو پوری رقّت و راحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس طرح جب میں حضرت مخدوم کے پاس ہوتا ہوں اس وقت نفسانیت، دنیا اور اہل دنیا کی خواہشات میں سے کوئی چیز بھی دل میں نہیں آتی۔

آپ نے فرمایا: کیا اس وقت دل تمام علائق دنیوی سے خالی ہوتا ہے! بندے نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا: سماع کی دو قسمیں ہیں:۔ اول ہاجم اور اس کے بعد غیر ہاجم۔ سماعِ ہاجم اس کو کہتے ہیں کہ شروع میں سماع جوش لاتا ہے۔ مثلاً جب بول اور شعر سنا جاتا ہے تو وہ سننے والے شخص کو حرکت وجنبش میں لاتا ہے اس حالت کو ہاجم کہتے ہیں اور اسکی شرح و وضاحت نہیں ہوسکتی غیر ہاجم وہ ہے کہ سننے کے بعد سننے والا اُسے کسی مفہوم ومقصود پر محمول کرے حضرت حق تعالیٰ پر اپنے پیر پر یا کسی ایسی چیز پر جو اس کے دل میں سمائی ہو۔

جلد چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ نور کے اوراق کی سطریں اور سرور و مسرت کی تختیوں کے حروف خواجہ بندہ نواز، سلطان دار الملکِ راز، ملکُ المشائخ علی الاطلاق، قطب اقطاب العالم بالاتفاق، نظام الحق والہدیٰ والدین کے۔ اللہ ان کی طول بقا سے مسلمانوں کو متمتع کرے آمین۔ کامل کلمات اور جامع اشارات سے اکھٹے کئے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ ۷۱۴ھ کے ماہِ محرم کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔

لفظ متینِ خواجہ را حبلِ متین گرفتہ ام ! کس نرہد ز چاہ غم جز کہ بسعی این رسن
گفتۂ شیخ کرد جمع وامید آنکہ حق در گزارند از کرم گفتہ و کردہ حسن

(میں نے خواجہ کے محکم الفاظ کو مضبوط[1] رسی کی طرح پکڑا ہے چاہ غم سے اس رسی کی سعی وکوشش کے بغیر کوئی نجات نہیں پا سکتا شیخ کے ارشادات جمع کئے گئے ہیں اور امید ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حسن (کاتب الحروف) کے کہے اور کیے کی غلطیاں معاف کردے گا۔)

---

[1] اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف :۔ وَاعتَصِمُوْا بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعًا۔ ۳-۱۰۳
(سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو)

پہلی مجلس

بدھوار ۷۱۴ھ کے ماہ مبارک محرم کی چوبیس (۲۴) تاریخ

سعادت پائے بوسی میسر ہوئی اس روز بندے نے فوائد الفواد کی پہلی جلد جو مرتب ہوچکی تھی آپ کے فرمان کے مطابق آپ کے سامنے پیش کی۔ جب آپ نے اس کا مطالعہ فرمایا تو اسے بہت پسند کیا فرمایا تم نے خوب لکھا ہے، درویشانہ انداز میں لکھا ہے اور نیک نامی بھی حاصل کی ہے۔

بعدازاں اسی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے موقع پر ایمان لائے تھے۔ اور فتح خیبر کے بعد پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام، تین سال سے زیادہ نہیں جیئے۔ انہوں نے اس تین سال کے عرصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی حدیثیں روایت کی ہیں کہ اگر تمام صحابہ کی روایت کردہ احادیث اکٹھی کی جائیں تو ان کی روایت کردہ احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا یہ کیا بات ہے کہ آپ کو اتنے تھوڑے سے عرصے میں اس قدر حدیثیں یاد ہو گئیں اور وہ صحابہ جو آپ سے کئی سال پہلے رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں رہے ان کو اتنی حدیثیں یاد نہ رہیں۔ آپ نے کہا کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ہر صحابی کو ایک نہ ایک کام دے رکھا تھا۔ لیکن میں آپؐ کی خدمت میں برابر رہتا تھا۔ اس لیے مجھے اتنی حدیثیں یاد ہو گئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! میں جو آپ کی زبان سے سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں لیکن بعض حدیثیں یاد نہیں رہتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہتے

ہو کہ جو کچھ میں کہوں تمہیں یاد رہے تو جب میں حدیث بیان کر رہا ہوں تو تم اپنے پیراہن کا دامن پھیلا لیا کرو یا جو تمہارے پاس چادر ہو اُسے سامنے پھیلا لیا کرو۔ اور جب میں حدیث پوری کر لوں تو تم آہستہ سے اس دامن یا چادر کو سمیٹ لیا کرو۔ اور ہاتھ اپنے سینے پر پھیر لیا کرو۔

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ خلیفۂ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مدت عمر میں صرف تین یا چار حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے دس سے کم، باقی حضرت عبداللہ بن مسعود نے اتنے بڑے فقیہہ ہونے کے باوجود جتنے کہ وہ تھے۔ اپنی مدت عمر میں صرف ایک حدیث روایت کی۔ اور جس روز انہوں نے یہ حدیث روایت کی ان کا چہرہ خوف و ہیبت سے زرد ہو گیا، جسم کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور وہ گوشت جو دو کندھوں کے درمیان ہوتا ہے اور خوف کی حالت میں تھرتھرانے لگتا ہے۔ وہ تھرتھرانے اور جنبش کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہا:۔ سمعتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہ (میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے) حدیث کو روایت کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ آپ کے اپنے الفاظ ہیں۔ یا آپؐ نے جو کچھ فرمایا اس کے معنی ہیں۔ حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے زبانِ مبارک سے ارشاد کیا کہ واعظین اور مذکرین حدیث بیان کرنے کے بعد یہ جو کہتے ہیں کہ ھٰذا اللفظ او معناہٗ۔ (یہ الفاظ حدیث ہیں، یا ان کے معنی ہیں) تو یہ اس سے ماخوذ ہے۔

اس کے بعد آپ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف و مناقب بیان کرتے ہوئے۔ کہا کہ ایک دفعہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کا ذکر صحابہ سے ان الفاظ میں کیا: اقضٰکُم عَلیٌّ۔ اقضٰی سے مراد دوسروں سے بڑا قاضی ہونا ہے پس اقضٰی وہی ہو سکتا ہے جو دوسروں سے بڑا عالم بھی ہو۔

بعدازاں آپ نے صحابہؓ کے باہمی الفت و محبت کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک صحابی ایک جماعت میں موجود تھے ایک شخص ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا یہ شخص جو ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ہر بار یہ کہتا تھا کہ میں نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے سُنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ ایک دن میں فلاں جگہ پر تھا اور میرے ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے۔ پھر میں وہاں گیا اور میرے ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے اسی طرح اس شخص نے کئی بار کہا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں فلاں جگہ پر تھا۔ اور میرے ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے۔ ان صحابی نے سر پیچھے کیا تھا کہ دیکھیں یہ بات کون کر رہا ہے۔ انہوں نے دیکھا تو وہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس حکایت کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ صحابہ کی باہمی الفت و محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرنے کا کیا عالم تھا حضرت خواجہ نے ارشاد کیا کہ صحابہ کی باہمی الفت و محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ انصاف روا رکھنے کی کیفیت یہ تھی۔

بعد ازاں اسی حکایت کی مناسبت سے آپ نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ کاش میں ابوبکر کے سینے کا ایک بال ہوتا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسری مجلس

اتوار، سال مذکور کے مہینے محرم کی اٹھائیس۲۸ تاریخ

دست بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ ایک درویش کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ ایک قابل عزت شخص ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا کی دولت و ثروت کی بنا پر باعزت ہوتا ہے۔ تو اس عزت کو بقا حاصل نہیں ہوتی۔ بعد ازاں آپ نے زبان مبارک سے یہ دو مصرعے ارشاد کئے۔ ؏

تا پاک نگردی بتو آتش ندہند

(جب تک تم پاک نہ ہو تمہیں آتش (شوق) نہیں دیں گے۔)

اس کے بعد یہ دوسرا مصرعہ ارشاد فرمایا ؎

تا نہ خاک نگردی بتو آبش ندہند

(جب تک تم خاک نہ ہو تمہیں اس کا پانی نہیں دیں گے۔)

بعد ازاں یہ ذکر آیا کہ آج مہینے کی اٹھائیس[۲۸] ہے یا انتیس[۲۹] اس موقع پر آپ نے فرمایا ایک دفعہ لاہور میں مجھے رمضان المبارک کی ستائیسویں یا اٹھائیسویں رات آئی ہوا یوں کہ اس سال نئے چاند کے معاملے میں تین ماہ تک برابر گڑ بڑ رہی نو دن تک برابر بادل اور غبار کی وجہ سے نکلا ہوا چاند نظر نہ آیا۔ چنانچہ شہر والے ہر ماہ کے تیس دن شمار کرتے رہے۔ جب تین ماہ گزر گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ غلطی پر تھے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ لاہور کی تباہی کی وجہ یہ منحوس بات تھی۔ دوسری منحوس بات یہ ہوئی کہ ان دنوں لاہور کے بعض سوداگر گجرات (کاٹھیاواڑ) کی طرف گئے۔ ان ایام میں گجرات پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ جب ہندوؤں نے اس کپڑے کو جو لاہور سے سوداگر لے کر گئے تھے خریدنا چاہا تو ان سوداگروں نے کپڑے کی قیمت زیادہ بتائی۔ مثلاً جس کپڑے کی قیمت دس درہم تھی اس کی قیمت بیس درہم بتائی۔ اور جس کی قیمت بیس درہم تھی اس کی چالیس درہم بتائی۔ اسی طرح ہر کپڑے کی قیمت دوگنی بتائی۔ بعد ازاں ان کپڑوں کو ان کی اصلی قیمت پر بیچ دیا۔ جو قیمتیں بتائی تھیں ان سے نصف پر بیچ دیا۔ گجرات کے ہندوؤں کے ہاں یہ طریقہ نہ تھا کہ وہ جس سامان کو بیچنا چاہتے تھے۔ اس کی ٹھیک ٹھیک قیمت بتاتے تھے۔ اور ایک ہی بات کرتے تھے۔ الغرض جب گجرات کے ہندوؤں نے یہ لین دین دیکھا تو ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ تم کس شہر کے ہو! انہوں نے بتایا کہ ہم لاہور کے ہیں۔ اس ہندو نے کہا کہ کیا تمہارے ہاں شہر میں اسی طرح لین دین ہوتا ہے! لاہور کے سوداگروں نے کہا کہ ہاں اسی طرح۔ بعد ازاں اس ہندو نے کہا کہ کیا وہ شہر اب تک آباد ہے ؟ انہوں نے کہا کہ ہاں آباد ہے۔ ہندو کہنے لگا کہ وہ شہر جہاں اس طرح کاروبار ہوتا ہے، آباد نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب وہ سوداگر واپس ہوئے تو ابھی راستے ہی میں تھے کہ تاتاریوں نے لاہور پر حملہ کیا۔ اور لاہور کو تباہ برباد کر کے رکھ دیا۔

تیسری مجلس

سال مذکور کے ماہ مبارک صفر کی بارہ تاریخ

سعادت دست بوسی نصیب ہوئی اس گروہ کا ذکر ہوا جو کرامت کا دعوے کرتے ہیں۔ اور خود کو صاحب کشف مشہور کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس بات میں کوئی حقیقت نہیں۔ بعد ازاں زبان مبارک سے ارشاد ہوا فرض الله تعالیٰ علیٰ اولیائہ کتمان الکرامۃ کما فرض علیٰ انبیائہ اظہار المعجزۃ (اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر کرامت کا چھپانا اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح اپنے انبیاء پر معجزے کا ظاہر کرنا فرض کیا ہے)، پس اگر کوئی شخص اپنی کرامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ ایک فرض کو ترک کرتا ہے ایسا کر کے اس نے کون سا اچھا کام کیا بعد ازاں آپ نے فرمایا۔ سلوک کے سو درجے مقرر کئے گئے ہیں ان میں سترہواں درجہ کشف و کرامت ہے اگر سالک اسی درجے میں رہ جائے تو وہ باقی کے تراسی درجوں تک کیسے پہنچے گا۔

پھر دوسروں کی خدمت کرنے کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ساقی القوم آخرھم شربا یعنی جو لوگوں کو پانی پلاتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ سب سے آخر میں پانی پیئے۔ بعد ازاں فرمایا کہ کھانے میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے یہ مناسب نہیں کہ کھانا تقسیم کرنے والا دوسروں سے پہلے کھانا کھالے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میزبان کے لیے واجب ہے کہ وہ خود مہمان کے ہاتھ دھلائے اور جب وہ دوسروں کے ہاتھ دھلوائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ پہلے اپنے ہاتھ دھوئے۔ اس لیے کہ جب وہ دوسروں کے ہاتھ دھلوائے گا۔ تو ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے ہاتھ صاف کر لے۔ کھانے کے لیے میزبان کو دوسروں سے پہلے ہاتھ دھونے کا حکم پانی پلانے والے کے

حکم کے مخالف ہے۔ یہاں تو پہلے اسے خود اپنے ہاتھ دھونے ہوں گے۔ اور بعد میں دوسروں کے ہاتھ دھلوانا ہوں گے۔ مگر پانی پلاتے وقت پہلے دوسروں کو پلانا ہوگا۔ اور بعد میں خود پینا ہوگا۔ بعد ازاں فرمایا اس سلسلے میں یہ بھی سوال کیا گیا ہے کہ جو شخص دوسروں کے ہاتھ دھلواتا ہے وہ کھڑے ہوکر ہاتھ دھلوائے یا بیٹھ کر۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کھڑے ہوکر دھلوائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پانی لایا تاکہ وہ ان کے ہاتھ دھلوائے وہ ہاتھ دھلوانے کے لیے بیٹھ گیا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو شیخ جنید اٹھ کھڑے ہوئے، کہا گیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں! شیخ جنید نے جواب دیا۔ اس کے لیے واجب تھا کہ وہ کھڑے ہوکر ہاتھ دھلواتا۔ چونکہ وہ بیٹھ گیا ہے۔ اس لیے میرے لیے ضروری ہوگیا کہ میں اٹھ کھڑا ہو جاؤں۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ امام شافعی[1] رحمۃ اللہ علیہ ایک دوست کے ہاں مہمان ہوئے۔ اس دوست نے کھانے جو وہ خود پکوانا چاہتا تھا انہیں ایک کاغذ پر لکھا اور وہ کاغذ اپنی لونڈی کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور اس سے کہا اس کاغذ پر جو کھانے میں نے لکھے ہیں انہیں تیار کر لینا یہ کہہ کر وہ کسی کام کے باعث گھر سے باہر چلا گیا۔ امام شافعی نے وہ کاغذ اس لونڈی سے لے کر اس پر چند اور کھانے جو انہیں پسند تھے لکھ دیئے جب لونڈی نے اس کاغذ پر لکھے ہوئے کھانے پڑھ لیے تو اس نے وہ سب کھانے بھی جن کا امام شافعی نے اضافہ کیا تھا پکا لیے اور پہلے کھانوں پر ان کا اضافہ کر دیا۔ جب صاحب خانہ آیا اور کھانا چنا گیا تو اس نے بہت سے کھانے دیکھے اور جو کھانے وہ لکھ کر دے گیا تھا ان سے زیادہ کھانے موجود پائے ——— لہذا وہ دسترخوان سے اٹھا، لونڈی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لونڈی نے وہ کاغذ اس کے حوالے کر دیا۔ جب اس شخص نے کھانوں کی فہرست میں امام شافعی کی طرف سے اضافہ کردہ کھانوں کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور اس لونڈی کو مع دوسرے غلاموں کے آزاد کر دیا۔

---

[1] پیدائش ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ۔

پھر ضیافت کرنے اور مہمانوں کی خبر گیری اور انہیں کھانا کھلانے کے بارے پر گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا بغداد میں ایک درویش تھے۔ ہر روز ان کے دستر خوان پر ایک ہزار دو سو پیالے کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ ان کے اٹھارہ باورچی خانے تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے خدمت گاروں سے پوچھا کہیں ایسا تو نہیں ہوتا کہ تم کھانا تقسیم کرتے وقت کسی کو بھول جاؤ انہوں نے کہا ہم سب کو یاد رکھتے ہیں اور انہیں کھانا پہنچاتے ہیں اور آنے والوں میں سے جسے کھانا دینا ہوتا ہے کھانا دیتے ہیں شیخ نے پھر تاکید کی کہ اس معاملہ میں کوئی سستی اور بے پرواہی نہیں ہونی چاہیئے۔ خدمت گاروں نے کہا کہ آپ یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں۔ شیخ نے بتایا کہ آج تیسرا دن ہے تم لوگوں نے مجھے کھانا نہیں دیا جب تم مجھے بھول گئے ہو تو دوسروں کو کیسے نہ بھولو گے۔ ہوا یوں کہ ان تین دنوں میں برابر خدمت گار شیخ کے سامنے افطار کے وقت کچھ بھی کھانا نہ لائے چونکہ باورچی خانے بہت سے تھے۔ کسی باورچی نے خیال کیا کہ دوسرے باورچی خانے سے شیخ کو کھانا آگیا ہوگا اور اسی طرح دوسرے باورچی خانے والوں نے بھی گمان کیا ان میں سے ہر ایک باورچی خانے والوں نے یہ سمجھا کہ دوسرے کے ہاں سے کھانا آگیا ہوگا۔ اس طرح مسلسل تین دن تک شیخ کے سامنے از قسم طعام کوئی چیز بھی نہ پہنچی۔ جب تین دن ہوگئے تو شیخ نے یہ بات کہی۔

اس کے بعد حوض سلطان[1] کے پانی اور اس کی شیرینی و برکت کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا:

---

[1] یہ حوض سلطان شمس الدین التمش نے بنایا تھا اسی لیے اس کو حوض شمس بھی کہتے تھے اس حوض کی تعریف امیر خسرو اپنی مثنوی "قران السعدین" میں یوں کرتے ہیں۔ "حوض شمس دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اس کا پانی ایسا صاف اور شفاف تھا کہ رات کے وقت بھی اس کی تہ کی ریگ دکھائی دیتی تھی پہاڑی زمین ہونے کے باعث اس کا پانی اندر جذب نہیں ہوتا تھا اس کی موجیں دامن کوہ سے ٹکراتی تھیں شہر کے تمام لوگ اسکا پانی پیتے تھے دریائے جمنا سے اس حوض تک بہت سی نہریں نکالی گئی تھیں۔ اس کے بیچ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک عمارت بھی تھی حوض کے مرغ و ماہی کی وجہ سے بڑا دلکش منظر رہتا تھا۔ اس لیے شہر کے لوگ تفریح کے لیے آتے اور دامن کوہ میں خیمہ زن ہوتے تھے (بزم مملوکیہ از سید صباح الدین عبدالرحمٰن)

کہا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین کے انتقال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا ان سے پوچھا گیا کہ خدائے عزّ و جل نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مومن کے طفیل بخش دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

چوتھی مجلس

بدھوار، سال مذکور کے مہینے صفر کی ستائیس تاریخ

قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس سے ایک روز پہلے نصیر الدین محمود سلمہ اللہ تعالیٰ سے جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں اور جو خوش اعتقاد مریدوں میں سے ہیں۔ بندے نے مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ کل آخری چہار شنبہ (آخری بدھ) ہے اور لوگ اس دن کو منحوس سمجھتے ہیں آئیے اس دن ہم حضرت خواجہ کی ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ خدمت میں چلیں تاکہ وہاں یہ سب نحوستیں سعادت میں بدل جائیں، غرض اس مشورے کے بعد جب آخری چہار شنبہ آیا تو بندہ اور نصیر الدین محمود دونوں حضرت خواجہ کی ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور گذشتہ کل کو جو ہم دونوں میں جو کچھ طے پایا تھا اس کا ذکر کیا۔ آپ مسکرائے اور کہا لوگ اس دن کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ یہ دن بڑی سعادت والا ہے۔ آج کے دن میں بڑی برکت ہے یہاں تک کہ اس دن اگر فرزند پیدا

لہ آپ چراغ دہلی کے لقب سے مشہور تھے۔ اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیا کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ اور مرشد نے آپ کو خواجگان سے جو خرقہ، عطا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں۔ عطا کیں ــــ سن وفات ۷۵۷ھ۔

ہوتو وہ بہت بڑا آدمی بنتا ہے۔

پھر اس بارے میں گفتگو ہونے لگی کہ بعض لوگوں کا مزاج بڑی جلدی بدلتا ہے۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی طبیعت لطیف و نازک ہوتی ہے وہ جلد متغیر ہو جاتا ہے۔ اس باب میں زبان گوہر افشاں سے یہ رباعی ارشاد ہوئی اور فرمایا کہ یہ مولانا فخرالدین رازی کی ہے ۔

آنم کہ بہ نیم ذرہ ناخوش گردم   وز نیمۂ نیم ذرہ دل کش گردم
از آبِ لطیف تر مزاجے دارم   دریاب مرا وگرنہ آتش گردم

(میں وہ ہوں کہ نصف ذرے سے ناخوش ہو جاتا ہوں اور نصف سے نصف ذرہ سے خوش ہو جاتا ہوں۔ میں پانی سے لطیف تر مزاج رکھتا ہوں، میری خبر لو ورنہ میں آگ ہو جاؤں گا۔)

اس کے بعد بادشاہوں کے تغیر مزاج کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کلماتِ قدسیہ میں سے ایک یہ ہے قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ بِیَدِیْ (بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ یعنی جب مخلوق کے دل ٹھیک ہوتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دلوں کو مخلوق پر مہربان کر دیتا ہوں ۔ اور جب مخلوق کے دل میرے (منن میں) ٹھیک نہیں رہتے تو میں بادشاہوں کے دلوں کو مخلوق پر نامہربان کر دیتا ہوں ۔ بعد ازاں زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ نظر اللہ تعالیٰ پر رکھنی چاہیئے ۔ اور تمام چیزوں کو اسی کی طرف سے سمجھنا چاہیئے۔

اس کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ جب قباچہ[1] اُچ اور ملتان کا حاکم

---

[1] ناصرالدین قباچہ۔ یہ اور شمس الدین التمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے قباچہ بائیس سال تک ملتان اور اس کے نواح کا حاکم رہا۔ اس کا دار السلطنت اُچ تھا اس کا دربار علماء، فضلاء اور شعراء کا مرکز و مرجع تھا۔ اس زمانے میں ملتان ایک بہت بڑا مذہبی، علمی اور ثقافتی مرکز تھا۔ جب التمش تخت دہلی پر بیٹھا تو قباچہ کے خلاف اس نے فوج کشی کی اور قباچہ اس کے ہاتھوں شکست کھا کر ۶۲۵ھ میں دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا۔

تھا اور سلطان شمس الدین دہلی میں تھا۔ تو ان دونوں کے درمیان نزاع پیدا ہو گیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ اور قاضیٔ ملتان ہر دو نے سلطان شمس الدین کو اس بارے میں خط لکھے۔ یہ دونوں خط قباچہ کے ہتھے چڑھ گئے۔ قباچہ بگڑ گیا۔ اس نے قاضی کو قتل کرا دیا اور شیخ کو اپنے کاشانے پر طلب کیا۔ شیخ بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ اسی طرح گئے۔ جس طرح پہلے بارہا بے خوف و ہراس جایا کرتے تھے۔ اور جا کے حسب دستور قباچہ کی دائیں طرف بیٹھ گئے۔ قباچہ نے ان کا خط اُنکے ہاتھ میں دیا۔ شیخ نے اُسے پڑھا اور کہا کہ ہاں یہ میرا ہی خط ہے میں نے ہی لکھا ہے اور یہ میری ہی تحریر ہے۔ قباچہ نے کہا کہ یہ آپ نے کیوں لکھا۔ شیخ نے کہا جو کچھ میں نے لکھا ہے مبنی بر حق لکھا ہے اور تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کر گزر، آخر تو کر ہی کیا سکتا ہے۔ تیرے ہاتھ ہی میں کیا ہے؟ قباچہ نے جب یہ بات سنی تو سوچ میں پڑ گیا۔ اور اس نے کھانا لانے کا اشارہ کیا۔ شیخ کا دستور تھا کہ وہ کسی کے گھر میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ قباچہ کا مقصد یہ تھا کہ شیخ چونکہ کھانا کھانے سے انکار کر دیں گے اس بنا پر میں انہیں اذیت پہنچاؤں گا۔ الغرض جب کھانا سامنے لایا گیا اور ہر کسی نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شیخ نے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور اپنا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھایا اور کھانا شروع کر دیا۔ قباچہ نے جب یہ دیکھا تو اس کا تمام غصہ جاتا رہا۔ اور وہ شیخ سے کچھ نہ کہہ سکا۔ اور شیخ بہ سلامت اپنے گھر واپس آ گئے۔

اس بندۂ ناچیز کے دل میں ایک عرصے سے ایک بات کھٹک رہی تھی۔ وہ اس روز حضرت خواجہ کے حضور پیش کر دی۔ وہ بات یہ تھی کہ فرض کیا ایک مرید ہے وہ صرف پانچ وقت نماز پڑھتا ہے۔ اور تھوڑا سا ورد و وظیفہ بھی کر لیتا ہے۔ لیکن اس کے دل میں شیخ کی محبت بہت ہے۔ اور پیر کے متعلق اس کا اعتقاد بڑا پکا ہے۔ اور ایک اور مرید ہے وہ بہت زیادہ طاعت و عبادت اور بے اندازہ تسبیح اور وظائف کرتا ہے۔ اس نے حج بھی کیا ہے لیکن شیخ کی محبت میں اس میں کمی پائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح شیخ سے عقیدت میں بھی۔ ان دو مریدوں میں سے کس کا درجہ برتر ہے؟ فرمایا کہ وہ جو شیخ سے محبت کرنے والا اور اس کا عقیدت مند ہے۔ بعد ازاں زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ وہ شیخ سے محبت کرنے والا

اور اُس کا معتقد ہے اس کا ایک لمحہ اس عبادت گزار کے تمام لمحات کے برابر ہے۔ وہ اپنی اس محبت و عقیدت کی وجہ سے اُس پر فضیلت و شرف رکھتا ہے۔

بعد ازاں فرمایا بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ اولیاء اُس لحاظ سے انبیا پر فضیلت رکھتے ہیں کہ انبیاء اکثر خلق کے احوال و معاملات میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ مسلک اس بنا پر باطل ہے کہ اگرچہ انبیاء مخلوق کے معاملات میں مشغول رہتے ہیں لیکن وہ ایک گھڑی جس میں وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔ اولیاء کے جملہ اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔

اُس بات کی مناسبت سے آپ نے ایک اور حکایت بیان کی۔ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا جس نے خدائے عزّوجل کی ستر سال تک طاعت و عبادت کی تھی۔ ستر سال کی اس طاعت و عبادت کے بعد اُسے اللہ سے ایک کام آن پڑا اُس نے خدا تعالیٰ سے کامگاری چاہی مگر وہ کام نہ بنا۔ بعد ازاں وہ ایک کونے میں گیا اور اپنے نفس سے یہ بحث و مجادلہ کرنے لگا کہ اے نفس! تو نے ستر سال خدا کی طاعت و عبادت کی۔ یقیناً تیرے اخلاص میں کوئی کمی ہوگی۔ اگر تو نے کامل اخلاص سے طاعت و عبادت کی ہوتی تو یقینا تیری یہ حاجت پوری ہو جاتی۔ جب وہ زاہد اپنے نفس سے یہ بحث و مجادلہ کر رہا تھا تو اُس عہد کے پیغمبر کو یہ فرمان ملا کہ اُس زاہد سے کہو اُس گھڑی تمہارا خود اپنے نفس پر (اسی طرح) عتاب کرنا ہمارے نزدیک تیری ستر سال کی طاعت و عبادت سے بہتر ہے۔

پانچویں مجلس

منگل وار، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی سترہ تاریخ

سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک نے عرس کے معنی پوچھے۔ فرمایا

عرس سے مراد عروسی یعنی دلہن کو لانا، شادی کرنا ہے۔ اور عرس کے معنی رات کو کاروان کے کسی جگہ اترنے اور پڑاؤ کرنے کے بھی ہیں۔

پھر مشائخ کی بزرگی، ان کے صدق و صفا اور اپنے ستر کی نگہداشت کرنے اور طلب حق کے بارے میں گفتگو ہونے لگی، اس موقع پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سوال کیا کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جب آپ نماز ادا کر کے یارب کہتے ہیں تو لبیک عبدی دھیرے کہ بندے میں حاضر ہوں اسنا جاتا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد کیا کہ افواہیں کائنات کا مقدمہ ہوتی ہیں۔ بعد ازاں شیخ نجیب الدین متوکل نے پھر سوال کیا کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مردان غیب[1] آپ کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس بات کی آپ نے تردید نہ کی۔ صرف اتنا فرمایا تم بھی تو ابدال میں سے ہو۔

اس موقع پر شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہ کی بزرگی اور آپ کی والدہ محترمہ کی بزرگی کا ذکر ہوا علیہما الرحمۃ والرضوان۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ماں باپ کی اچھائیوں اور صلاحیتوں کا بیٹے پر بڑا قوی اثر ہوتا ہے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ شیخ کبیر شیخ فرید الدین کی والدہ بڑی بزرگ تھیں۔ ایک رات ایک چور ان کے گھر میں آگھسا۔ سب گھر والے سو رہے تھے بس حضرت شیخ کی والدہ جاگ رہی تھیں۔ جب چور گھر کے اندر آیا تو اندھا ہو گیا اور باہر جانے کے قابل نہ رہا۔ اس نے آواز دی کہ اگر اس گھر میں کوئی مرد ہے تو میرا باپ اور بھائی ہے اور اگر کوئی عورت ہے تو وہ میری ماں اور بہن ہے۔ بہر حال جو بھی ہے میں جانتا ہوں کہ اس کی بزرگی کے رعب نے مجھے اندھا کیا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ میرے لیے دعا کرے تاکہ میری بینائی واپس آ جائے۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ باقی ماندہ عمر کے دوران میں چوری نہیں کروں گا۔ حضرت شیخ کی والدہ نے دعا کی اس کی بینائی واپس آگئی۔ اور وہ چلا گیا جب دن نکلا تو

---

[1] اولیائے مستورین جو عام نظروں سے غائب رہتے ہیں۔

والدۂ شیخ نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد لوگوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ دہی کا ایک مٹکا سر پر اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے گھر والے اس کے ساتھ ساتھ ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تم کون ہو! کہنے لگا رات کو میں اس گھر میں چوری کرنے آیا تھا ایک بزرگ عورت اس گھر میں جاگ رہی تھیں۔ میں ان کی ہیبت اور رعب سے اندھا ہو گیا پھر اس نے میرے لیے دعا کی اور میری بینائی مجھے واپس مل گئی۔ میں نے عہد کیا تھا کہ اگر میری بینائی مجھے واپس مل گئی تو میں چوری سے توبہ کر لوں گا۔ اب میں اس وقت آیا ہوں اور اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ لایا ہوں تاکہ ہم مسلمان ہو جائیں۔ میں نے چوری سے پوری طرح توبہ کر لی ہے الغرض والدۂ شیخ کی برکت سے وہ سب مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے چوری سے توبہ کر لی۔ والحمد للہ رب العالمین

بعد ازاں آپ نے پھر حضرت شیخ کی والدۂ محترمہ کی بزرگی کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے کہ جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز اجودھن (پاک پتن) میں بس گئے۔ تو آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل کو بھیجا کہ والدہ کو اسی جگہ سے جس جگہ وہ اس وقت تھیں اجودھن لے آئیں۔ شیخ نجیب الدین گئے اور والدہ کو جہاں وہ تھیں سے کر روانہ ہو گئے۔ راستے میں وہ ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اسی دوران میں والدہ کو پانی کی ضرورت پڑی۔ شیخ نجیب الدین پانی کی تلاش میں نکل گئے۔ جب وہ اس جگہ واپس آئے تو انہوں نے وہاں والدہ کو نہ دیکھا چنانچہ بڑے پریشان ہوئے، دائیں بائیں بھاگے ہر طرف والدہ کو تلاش کیا۔ بڑی دوڑ دھوپ کی لیکن والدہ کا انہیں کوئی نشان نہ ملا۔ اسی اضطراب و پریشانی کی حالت میں وہ شیخ کبیر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس آئے۔ اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کھانا پکایا جائے۔ اور صدقہ جو دیا جاتا ہے، دیا جائے۔

ایک عرصے کے بعد شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ ان اطراف سے گزرے۔ جب وہ اسی درخت کے نیچے آئے تو ان کے دل میں آیا کہ میں اس جگہ کے دائیں بائیں جا کر دیکھوں ہو سکتا ہے کہ مجھے والدہ کی کوئی نشانی مل جائے انہوں نے ایسا ہی کیا اور اسی درخت کے ارد گرد گھومنے لگے۔ انہوں نے ایک جگہ چند ہڈیاں دیکھیں اور وہ انسانی ہڈیاں تھیں انہوں

نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ میری والدہ کی ہڈیاں ہیں۔ شیر یا کسی اور جانور نے انہیں ہلاک کیا ہوگا۔ شیخ نجیب الدین نے وہ ہڈیاں جمع کیں۔ انہیں ایک تھیلے میں رکھا اور شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا اس تھیلے کو میرے سامنے لاؤ۔ جب وہ تھیلا آپ کے سامنے لایا گیا اور اُسے جھاڑا گیا تو اس میں سے ایک ہڈی بھی نہیں نکلی۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب اس واقعہ کو بیان کرتے ان الفاظ پر پہنچے تو آبدیدہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ یہ بات زمانے کے عجائبات میں سے ہے۔

پھر مردان غیب کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اوائل عمر میں کبھی کبھی دل میں خیال آتا تھا کہ اسے کاش مردان غیب سے ملنا جلنا اور بیٹھنا اٹھنا ہو۔ پھر خود ہی سوچا کہ یہ بھی کیا خواہش ہے اس سے بہتر کوئی کام کرنا چاہیئے۔

اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ شیخ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً ابتدائے عہد میں اوش میں تھے۔ اس شہر کے ایک کنارے پر ایک غیر آباد مسجد تھی۔ اس مسجد میں ایک مینار تھا۔ جسے ہفت مینار کہتے تھے۔ تھا وہ ایک منارہ لیکن اسے کہتے تھے ہفت منارہ۔ شیخ قطب الدین کو ایک دعا بتائی گئی۔ اور ان سے کہا گیا کہ جو شخص اس منارہ کے اوپر جاکر یہ دعا پڑھے اس کی حضرت خضر سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ یہ دعا اگرچہ ایک دعا تھی لیکن اسے ہفت دعا کہتے تھے۔ اس کے ساتھ دو رکعت نماز بھی پڑھی جاتی تھی۔ اور یہ کہا جاتا تھا کہ جو اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے گا۔ وہ حضرت خضر کو دیکھ لے گا۔ الغرض شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو اشتیاق ہوا کہ وہ حضرت خضر کو دیکھیں چنانچہ وہ رمضان کی ایک رات کو اس مسجد میں گئے۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور منارہ پر چڑھ گئے۔ وہاں جاکر وہ دعا پڑھی۔ اور نیچے اتر آئے۔ تھوڑی دیر انتظار کیا لیکن کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ ناامیدی کی حالت میں مسجد سے باہر آگئے۔ جب انہوں نے مسجد سے باہر قدم رکھا تو ایک شخص کو وہاں کھڑے دیکھا۔ اس شخص نے شیخ قطب الدین بختیار کو آواز دی کہ تم بے وقت یہاں کیا کرتے ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ میں اس جگہ آیا تھا

کہ حضرت خضر سے ملاقات کرسکوں۔ میں نے دو رکعت نماز بھی پڑھی ہے اور وہ دعا جو پڑھی جانی چاہیئے وہ بھی پڑھی ہے۔ وہ نعمت مجھے میسّر نہیں آئی۔ اب میں واپس گھر جارہا ہوں اس شخص نے کہا کہ خضر سے مل کر کیا کروگے۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح کے سرگرداں لوگوں میں سے ایک ہے۔ اس کو دیکھنے سے کیا ہوگا۔ اسی دوران میں اس شخص نے شیخ سے پوچھا کیا تم طالب دنیا ہو؟ شیخ نے کہا نہیں۔ پھر اس نے کہا کسی کا قرض دینا ہے۔ شیخ نے بتایا کہ نہیں۔ بعد ازاں اس شخص نے کہا تو پھر خضر کو کس لیے تلاش کرتے ہو؟ اس کے بعد وہی شخص بولا اس شہر میں ایک آدمی ہے۔ جس کے دروازے پر خضر بارہ دفعہ گئے ہیں مگر انہیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ ایک نورانی آدمی پاکیزہ لباس پہنے نمودار ہوا۔ وہ شخص اس نورانی شخص کی طرف بڑی تعظیم کے اسلوب میں بڑھا اور اس کے قدموں پر گر پڑا۔ شیخ قطب الدین طالب اللہ ثراہ (اللہ آپ کی قبر پاک کرے) فرماتے ہیں کہ جب وہ آدمی میرے نزدیک آیا تو وہ اس شخص کی طرف جو پہلے سے موجود تھا۔ متوجہ ہوا اس شخص نے اس سے کہا اس درویش کو نہ قرض دینا ہے۔ اور نہ اُسے دنیا کی طلب ہے۔ صرف آپ کی ملاقات کی آرزو رکھتا ہے۔ اسی دوران میں نماز کی اذان ہوگئی۔ ہر طرف سے درویش اور صوفی نمودار ہونے لگے۔ اور نماز کے لیے جماعت مرتب ہوگئی، تکبیر کہی گئی، ایک نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ اور اس نے نماز تراویح میں بارہ سورتیں پڑھیں۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اگر وہ اور سورتیں بھی پڑھے تو بہتر ہو۔ الغرض جب نماز ختم ہوگئی تو ہر شخص اپنی اپنی راہ چل دیا۔ میں بھی اپنی جگہ پر آگیا۔ جب اگلی رات آئی۔ تو میں نے صبح سے بہت پہلے وضو کیا اور اس مسجد میں گیا۔ تاکہ مجھے صبح وہاں ہو۔ مگر وہاں کسی آدمی کا نشان نہ تھا۔

چھٹی مجلس

جمعہ سال مذکور کے ماہ جمادی الاول کی دس تاریخ
سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ تحمل و بردباری اور جھگڑے سے بچنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی میں ایک قلب ہوتا ہے۔ اور ایک نفس۔ جب بھی کبھی کوئی آدمی از رہِ نفس پیش آئے تو اس سے از رہِ قلب پیش آنا چاہیئے۔ یعنی نفس میں لڑائی جھگڑا، شور غوغا اور فتنہ و فساد ہوتا ہے۔ اور قلب میں سکون، رضا اور خوشنودی اور نرمی و لطافت جب کوئی شخص از رہِ نفس پیش آئے مگر (جواباً) اس کے ساتھ از رہِ قلب پیش آئیں تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دوسرے کے نفس کا مقابلہ نفس ہی سے کرتا ہے۔ تو پھر لڑائی جھگڑے اور فتنے کی کوئی حد نہیں رہتی۔ اس موقع پر تحمل و بردباری کی فضیلت کے بارے میں زبان مبارک سے آپ نے یہ شعر ارشاد کیا ؎

زہر بادی چو کاہی گر بلرزی
اگر کوہی بکاہی ہم نیرزی

(اگر تم ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ ایک تنکے کی طرح کانپنے لگو گے۔ تو پھر پہاڑ ہو کر بھی ایک تنکے کے برابر قیمت نہ پاؤ گے)

ساتویں مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہ جمادی الآخر کی چودہ تاریخ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی فتوح یعنی بزرگوں کو جو نیاز اور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اسے قبول کرنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی بندے نے عرض کیا کہ میں نے ہرگز کبھی کسی شخص سے کوئی چیز نہیں چاہی اور نہ تمام عمر دوسروں سے کسی چیز کی توقع کا در کھلا رکھا لیکن اگر کوئی شخص بغیر طلب کے مہربان ہو اور کوئی چیز دے دے تو کیا کرنا چاہیئے! فرمایا لے لینی چاہیئے۔ بعد ازاں آپ نے کہا ایک دفعہ حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز دی۔ امیرالمومنین نے عرض کیا کہ رسول اللہ! میرے پاس یہ چیز ہے آپ اسے اہل صفہ[۱] میں سے کسی فقیر کو یا کسی اور کو مرحمت فرما دیں حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی نہیں اگر بغیر مانگے کچھ دے تو لے لو۔ کھاؤ بھی اور اسے کسی اور کو صدقے کے طور پر بھی دے دو۔ والحمد للہ رب العالمین

---

۱ یہ وہ صحابہ کرام تھے جنہوں نے گھر بار چھوڑ کر علم دین سیکھنے اور جہاد کرنے کے لیے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اختیار کر لی تھی۔ ان کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا قرآن مجید میں ان کا ذکر یوں آیا ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۷۳

(خیرات) ان فقیروں کے لیے ہے۔ جو رکے ہوئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں۔ سمجھے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے نہیں سوال کرتے وہ لوگوں سے لپٹ کر۔

آٹھویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ مبارک رجب کی انیس تاریخ

شرف قدم بوسی حاصل ہوا اس ہفتے کو بندہ ناچیز کی تنخواہ جو ایک مدت سے رُکی ہوئی تھی۔ مل گئی اور حضرت خواجہ کو ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ میری ملازمت کی مستقلی اور تنخواہ پانے کا علم ہو گیا۔ الغرض جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا کاموں میں مستقل اور ثابت قدم رہنے کا بڑا اچھا اثر ہوتا ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام کے نواسے کبیر کا کئی بار ملک نظام الدین کو قوال کے گھر آنا جانا ہوا یہاں تک کہ یہ امر لازمی معمول بن گیا۔ نوبت بانیجا رسید کہ ملک نظام الدین اس سے اتنا تنگ آگیا کہ اس نے اس سے کہا کہ تم پھر اس گھر میں نہ آنا مگر وہ اس طرح ملک نظام الدین کے گھر جاتا رہا اور کسی طرح بھی وہاں جانے سے باز نہ آیا۔ انہی دنوں نظام الدین نے مجھے سونے کے چھ تنکے بھیجے تھے۔ جنہیں میں نے قبول نہیں کیا تھا۔ اور واپس کر دیئے تھے جب نظام الدین کو وہ چھ تنکے زر واپس ملے تو اس نے وہ اسی کبیر کو دے دیئے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ کسی کام کو بھی بالالتزام کرتے رہنا اور اس میں استقامت دکھانا ضرور بار آور ہوتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے بندے کو تنخواہ ملنے کی مناسبت اگرچہ یہ دیر سے ملی تھی۔ حکایت بیان فرمائی۔ جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ آخر یاد تو کیا گیا۔ وہ حکایت یہ تھی۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا۔ اس نے سالہا سال خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادت کی۔ یہاں تک کہ اس زمانے کے پیغمبر کو یہ وحی آئی کہ اس زاہد سے کہدو کہ تم اس طاعت و عبادت کے باب میں اتنی

تکلیف کیوں اٹھاتے ہو، اس لیے کہ ہم نے تو تمہیں عذاب کے لیے پیدا کیا ہے۔ جب زاہد کو یہ پیغام پہنچایا گیا تو وہ اٹھا اور ناچنے لگا۔ اس پیغمبر نے اس سے کہا کہ اس پیغام پر تمہیں ایسی کیا خوشی ہوئی کہ تم ناچنے لگے! زاہد نے کہا کہ انہوں نے مجھے یاد تو کیا اور میں ان کے حساب کتاب میں تو ہوں ؂

او سخن از کشتن من می کند
من ہمیں خوش کہ سخن می کند

(وہ مجھے قتل کرنے کے بارے میں بات کرتا ہے۔ میں اتنی بات پر خوش ہوں کہ وہ میرے بارے میں بات تو کرتا ہے۔)

بعد ازاں تحمل و بردباری کا ذکر ہوا۔ اس موقع پر آپ نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز ان کے تحمل و بردباری اور یہ کہ وہ ایذا دینے والوں کا کس طرح اور کیسے انسداد کرتے تھے۔ ان امور کو بیان کیا اس کے بعد آپ نے زبان مبارک سے فرمایا: جو قتل کرتا ہے کرے، مگر قاتل قاتل ہے (مطلب یہ کہ ظالم کو آگے چل کے اس کے ظلم کی سزا بہر حال مل کر رہے گی۔)

بعد ازاں بندے نے عرض کیا کہ لوگ جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اَعِیْنُونِی عِبَادَاللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ۔ (اے اللہ کے بندو، میری مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے) یہ دعا کیسی ہے! اس سوال سے بندے کا مقصد یہ تھا کہ غیر خدا سے یہ مدد چاہنا کیسا ہے فرمایا کہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں اور یہاں اللہ کے بندوں (عِبَادَاللّٰہ) کا اشارہ مسلمین اور مخلصین کی طرف ہے تو ایسی دعا کرنا ٹھیک ہے اور بزرگ اس طرح دعا کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اس موقع پر شیخ نجیب الدین متوکل کی بزرگی کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا میں نے اس شہر میں کسی کو ان کے مثل نہیں دیکھا وہ اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ آج کون سا دن ہے، کونسا مہینہ ہے یا غلہ کس بھاؤ بک رہا ہے یا گوشت کن داموں دے رہے ہیں ان میں سے کسی چیز سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا وہ بہت زیادہ مشغولِ حق رہتے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ،

بعد ازاں اسی مناسبت سے فرمایا کہ حاجت کو پورا ہونے کے لیے مسبّعات عشرہ کا پڑھنا بھی مردی ہے، بندے نے عرض کیا کہ کیا ہر روز اسے وقت معین پر پڑھنا ہوگا، فرمایا کہ اگر کوئی

دینی یا دنیوی اہم دھندا پیش آجائے تو اس کے لیے علیحدہ مسبّعات عشرہ پڑھیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ اہم کام بخیر و خوبی انجام کو پہنچے گا۔

نویں مجلس

جمعرات، سنہ مذکور کے ماہ رمضان مبارک کی چوتھی تاریخ

دولت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ نماز تراویح اور ان لوگوں کا جو اس نماز میں قرآن ختم کرتے ہیں ذکر ہونے لگا آپ نے فرمایا ایک دفعہ ایک درویش شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا۔ اس رات رمضان مبارک کا پہلا چاند ہوا تھا اس درویش نے کہا نماز تراویح کی امامت میں کروں گا، شیخ جنید نے اُسے اجازت دے دی۔ وہ ہر رات نماز تراویح میں ایک قرآن ختم کرتا تھا۔ شیخ نے فرمایا اس درویش کے حجرے میں ایک عدد نان اور ایک کوزہ پانی کا رکھا جائے۔ چنانچہ شیخ کے حکم کے مطابق ہر رات ایک عدد نان اور ایک کوزہ پانی کا اس درویش کے حجرے میں رکھ دیا جاتا تھا۔ الغرض جب تیس راتوں کی تراویح ہو چکیں اور عید آئی۔ تو عید کے دن شیخ جنید نے اُسے رخصت کیا اور وہ چلا گیا جب وہ جا چکا تو اس کے حجرے کو دیکھا گیا وہاں تیس کے تیس نان اُسی طرح پڑے ہوئے پائے گئے۔ وہ ہر رات صرف پانی کے کوزہ پر گزارا کرتا تھا۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ امام اعظم کوخی رحمۃ اللہ علیہ ماہ رمضان کی تیس راتوں میں تراویح میں ایک بار قرآن ختم کرتے تھے۔ وہ ایک قرآن ہر روز اور اسی طرح ایک قرآن ہر رات کو ختم کرتے تھے الغرض وہ مجموعی طور پر ماہ رمضان میں اکسٹھ بار قرآن ختم کرتے۔ ایک بار نماز تراویح میں اور تیس بار ماہ رمضان کے تیس دنوں میں اور تیس بار اس کی تیس راتوں میں۔

دسویں مجلس

منگل: اسی سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ مبارک کی گیارہ تاریخ

چونکہ یہ یوم، ایام تشریق[1] میں سے تھا۔ میں مخدوم جہانیاں حضرت خواجہ کے آسمان مرتبہ آستاں پر حاضر ہوا تاکہ آپ سے ملاقات کی نعمت حاصل ہو۔ جب آپ کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی، تو آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا جمعہ کو عید تھی۔ اس موقعہ کی خوشی و تہنیت میں کچھ کہا ہوگا۔ بندے نے عرض کیا کہ عید سے چار پانچ روز پہلے نوروز تھا۔ اور بندے نے اس موقعہ کے لیے کچھ شعر کہے تھے ان میں نوروز اور عید کا ذکر ایک ساتھ کر دیا تھا۔

اس مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی ایک دفعہ شمس دبیر[2] نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں کچھ شعر پیش کئے۔ وہ حضرت شیخ کی تعریف میں تھے اور کافی تعداد میں تھے اس نے آپ سے انہیں پڑھنے کی اجازت چاہی۔ شیخ طاب اللہ ثراہ (اللہ آپ کی قبر خوشگوار کرے) نے فرمایا پڑھو۔ شمس دبیر نے وہ اشعار کھڑے ہو کر پڑھے۔ جب وہ پڑھ چکا تو شیخ نوراللہ مرقدہ (اللہ آپ کی قبر منور کرے) نے اُسے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو اسے پھر یہ اشعار پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ شمس دبیر نے وہ شعر پڑھے بعدازاں شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نے ہر شعر کے مفہوم کی وضاحت فرمائی بعض جگہ اصلاح کی اور اشعار پر داد دی۔ چنانچہ اس سے شمس دبیر کا دل باغ باغ ہوگیا۔

اس سلسلے میں حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا: مشائخ

---

[1] عید الضحیٰ کے بعد کے تین دن یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ایام تشریق ہیں۔

[2] پورا نام شمس الدین تھا بس نام ان کا وطن تھا ان کا شمار ممتاز علماء اور شعراء میں ہوتا ہے وہ سلطان بلبن کے لڑکے بغرا خاں کے دبیر (سیکرٹری) مقرر ہوئے اور اس طرح لفظ دبیر نام کا ایک جزو بن گیا۔ ان کا انتقال اپنے آقا بغرا خاں کی راجدھانی لکھنوتی (بنگال) میں ۷۰۷ھ میں ہوا۔

بہت کم شعر سنتے ہیں! اور خاص کروہ جو ان کی تعریف میں ہوں ۔حضرت شیخ کا کمال ملاحظہ ہو کہ انہوں نے اشعار سنے انہیں پسند کیا اور ان کی داد دی ۔ غرض حضرت شیخ نے شمس دبیر کے وہ اشعار سُن کر فرمایا، تمہاری احتیاج کیا ہے! اس نے کہا ہاتھ تنگ ہے اور میری ایک بوڑھی ماں ہے ۔ جس کی کفالت کرتا ہوں ۔ حضرت شیخ نے فرمایا جاؤ اور شکرانہ کے طور پر نیاز لاؤ ۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ زبان مبارک سے ارشاد کیا ۔ جس کام کے متعلق حضرت شیخ کسی کو کہتے تھے کہ جاؤ اور نیاز لاؤ وہ کام یقینی طور پر ہو جاتا تھا ۔ الغرض شمس دبیر گیا اور چند جیتل لے آیا ۔ ان دنوں یکانی جیتل ہوتے تھے ۔ وہ کم و بیش پچاس جیتل لے آیا ۔ شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا انہیں تقسیم کردو ۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرماتے ہیں کہ شمس دبیر نے وہ جیتل تقسیم کر دیئے ان میں سے مجھے چار درہم ملے پھر حضرت شیخ نے فاتحہ پڑھی اس کے بعد شمس دبیر کو رزق میں بڑی وسعت ہوئی ۔ اور اسے خوب مال و منال ملا ۔ وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے کا معلم و اتالیق بن گیا لیکن جب اس کے حالات ٹھیک ہو گئے ، اس کو حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز کے انتقال فرمانے کے بعد آپ کے بیٹوں اور گھر والوں کی خدمت کی توفیق نہ ہوئی ۔ ہو سکتا ہے کہ اُسے ان کی حالت کا علم نہ ہوا ہو ، یا اس بارے میں کسی نے اس سے نہ کہا ہو ۔

بعد ازاں شمس دبیر کے حسن طبیعت اور اس کے اخلاق کا ذکر آیا بندے نے عرض کیا کہ بندے کی اس سے رشتہ داری ہے ۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ کیا تم کبھی ایک دوسرے کے ساتھ بھی رہے ہو، بندے نے کہا کہ ہاں رہے ہیں ۔ جس سال سلطان غیاث الدین لکھنوتی (بنگال) گئے ۔ اس لشکر میں وہ اور بندہ دوران سفر میں کیا کشتی میں اور کیا خشکی میں یکجا رہے ۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ پوچھا کیا صوفیہ کی اعانت کرنے میں بھی یکجا رہے ۔ بندے نے عرض کی کہ جی ہاں ۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا ، شمس دبیر نے لوائح قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز سے پڑھی تھی ۔ اس کے بعد آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا : میں شمس دبیر اور شیخ جمال الدین ہانسوی ایک دفعہ ایک ساتھ حضرت شیخ کبیر کے ہاں سے واپس آ رہے تھے چند منزلوں تک ہمارا سب کا ساتھ رہا پھر ہم ایک

ایسے مقام پر پہنچے جہاں دو راستے ہو جاتے تھے۔ شمس دبیر سنام کی طرف جانا چاہتا تھا۔ اور ہم سرسہ[1] کی طرف۔ جب ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ نے منہ شمس دبیر کی طرف کر کے یہ مصرعہ پڑھا ؎

اے یار قدیم راست میردی

(اے پرانے دوست سیدھے راستے پر چلے چلو)

اس وقت اس مصرعے کے لطف نے اس کے دل پر، اسی طرح شیخ جمال الدین ہانسوی اور میرے دل پر بڑا اثر کیا۔

گیارہویں مجلس

ہفتہ سن مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی انتیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ بندہ اس روز اس گمان کی وجہ سے قدرے پریشان سا تھا کہ کسی نے اس بندۂ ناچیز کے بارے میں حضرت مخدوم کی خدمت میں کوئی نازیبا بات کہہ دی ہے جب مجھے آپ کے روبرو بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ تو سب سے پہلی بات جو آپ نے زبان مبارک سے فرمائی یہ تھی۔ اگر کسی شخص کے سامنے کوئی شخص کسی دوسرے کے بارے میں کوئی نازیبا یا بری بات کہتا ہے تو جس کے سامنے یہ بات کہی گئی ہو۔ اس میں اتنی عقل اور تمیز ہونی چاہیئے اور اسے اتنا جاننا چاہیئے کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط، نیز یہ کہ آیا اس میں کہنے والے کی کوئی خاص غرض تو نہیں۔ بندے نے خیر آپ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی تو بہت خوش ہوا اور یہ عرضداشت کی کہ ہم خدمت گاروں کا اس پر تو بھروسا ہے کہ حضرت مخدوم کا باطن حاکم ہے یعنی خود فیصلہ کرنے والا ہے کسی کا محکوم نہیں۔

تھوڑی دیر اولیاء کے کشف و کرامات کا ذکر رہا۔ اس موقع پر آپ نے شیخ سعد الدین حمویہ[2]

۱۔ ہندوستان کی ریاست ہریانہ میں ایک قصبہ ہے۔

۲۔ شیخ سعد الدین حمویہ، شیخ سیف الدین باخرزی اور شیخ مجد الدین بغدادی اور اس دور کے ایک مشہور صوفی بزرگ اور مصنف شیخ نجم الدین کبریٰ (۵۴۰ھ - ۱۲۲۸ء) کے مرید تھے۔

رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان کی، فرمایا وہ ایک مرد بزرگ تھے مگر شہر کا والی ان سے عقیدت نہیں رکھتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والیٔ شہر شیخ کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچا اور خانقاہ کے اندر اپنا حاجب (چوبدار) بھیجا اور حاجب سے یہ الفاظ کہے اس صوفی بچے کو باہر بلالو۔ میں اسے دیکھوں تو۔ چوبدار اندر گیا اور اس نے شیخ سعدالدین کو والی کا پیغام پہنچایا۔ شیخ نے اس کی بات کی طرف مطلق توجہ نہ دی اور نماز میں مشغول رہے۔ چوبدار نے باہر آکر صورت حال بتائی والی کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اور وہ خود شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ والی آرہا ہے تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خوشی کا اظہار کیا۔ چنانچہ دونوں اکٹھے بیٹھ گئے۔ پاس ہی ایک باغیچہ تھا شیخ سعدالدین حمویہ نے وہاں سے کچھ سیب لانے کے لیے اشارہ کیا چنانچہ جب سیب لائے گئے شیخ نے اُسے کاٹا اور والی اور شیخ نے اُسے کھایا سامنے پڑی ہوئی طشتری میں ایک موٹا سا سیب دھرا تھا۔ والی کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ شیخ کرامت اور صفائی باطن کا مالک ہے تو یہ موٹا سیب مجھے دے دے۔ جیسے ہی والی کے دل میں یہ خیال گزرا شیخ نے ہاتھ بڑھایا اس سیب کو اٹھایا اور والی کی طرف منہ کر کے کہا ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ دوران سفر میں، میں ایک شہر میں پہنچا۔ شہر کے دروازے پر بھیڑ لگی تھی۔ ایک بازی گر کرتب دکھا رہا تھا اس بازی گر کے پاس ایک گدھا تھا اس نے کپڑے سے گدھے کی آنکھیں باندھ رکھی تھیں اسی اثنا میں اس نے اپنے ہاتھ میں ایک انگشتری لی۔ اور وہ انگشتری تماشائیوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں ڈال دی۔ اس وقت بازی گر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ جس کے ہاتھ میں انگشتری ہے یہ گدھا اُسے ڈھونڈ نکالے گا۔ اس پر وہ گدھا اس بھیڑ کے اندر چکر لگانے لگا اور اس کی آنکھوں پر اسی طرح پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ ہر ایک کو سونگھتا سونگھتا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا جس کے ہاتھ میں انگشتری تھی۔ گدھا وہاں کھڑا ہوگیا اور برابر کھڑا رہا۔ بازی گر آیا اور اس نے اس آدمی سے انگشتری لے لی۔ اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد شیخ سعدالدین حمویہ نے والی شہر سے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے کشف و کرامت کا ذکر کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو اس بازی گر کے گدھے کے درجے پر رکھتا ہے اور اگر وہ اس بارے میں کچھ نہیں کہتا اور کوئی کرامت نہیں دکھاتا تو تمہارے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اس شخص میں صفائی باطن نہیں۔ شیخ سعدالدین حمویہ نے یہ فرمایا اور سیب والی شہر کے سامنے رکھ دیا۔

بعد ازاں آپ نے شیخ سعدالدین حمویہ کے انتقال اور شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی ایک رات شیخ سعدالدین حمویہ کو خواب میں کہا گیا کہ جاؤ اور شیخ سیف الدین کو جاکر دیکھو جب شیخ سعدالدین بیدار ہوئے وہ اپنی جگہ سے روانہ ہو پڑے جس جگہ وہ تھے وہاں سے وہ جگہ جہاں سے شیخ سیف الدین باخرزی تھے ۔کوئی تین مہینے کے راستے پر تھی ۔ اسی طرح شیخ سیف الدین کو بھی خواب میں یہ دکھایا گیا کہ ہم نے شیخ سعدالدین کو تمہاری طرف بھجوایا ہے ۔ الغرض شیخ سعدالدین نے تین ماہ کا راستہ طے کر لیا اور شیخ سیف الدین تک پہنچنے کے لیے صرف تین منزلیں رہ گئیں۔ تو انہوں نے کسی آدمی کو شیخ سیف الدین کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں آپ کو دیکھنے کے لیے تین ماہ کا راستہ طے کر کے آیا ہوں ، آپ تین منزلوں پر تو میرے استقبال کے لیے آئیں ، جب یہ پیغام شیخ سیف الدین باخرزی کو ملا انہوں نے کہا کہ یہ بے کار آدمی ہے وہ مجھے نہ دیکھے بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ جس جگہ اس وقت شیخ سعدالدین حمویہ تھے ۔ وہیں ان کا انتقال ہو گیا اور رحمت حق سے ہمکنار ہوئے وہ شیخ سیف الدین باخرزی تک نہ پہنچ سکے ۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرمایا شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا اس میں نے سنا ہے کہ ایک دن شیخ بہاؤالدین پنے مکان سے باہر آئے اور کہا اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ ارشاد کیا کہ پہلے شیخ سعدالدین حمویہ کا انتقال ہوا ۔ اس کے تین سال بعد شیخ فریدالدین انتقال فرما گئے ۔ رحمۃ اللہ علیہم

بارہویں مجلس

جمعرات ۷۱۵ھ کے مہینے محرم الحرام کی گیارہ تاریخ

سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی ۔ دنیا کی تعریف کیا ہے ؟ اس پر گفتگو ہونے لگی کہ یہ دنیا

کیا چیز ہے اور کیا چیز نہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک تو صورتاً و معناً دنیا ہے اور صورتاً و معناً دنیا نہیں ہے ، ایک صورتاً دنیا نہیں ہے اور معناً دنیا ہے ایک صورتاً دنیا ہے اور معناً دنیا نہیں ۔ بعد ازاں فرمایا : جو صورت اور معنی دونوں میں دنیا ہے ۔ وہ کیا چیز ہے ! وہ ہے ضرورت سے زیادہ ہونا ۔ جو صورت اور معنی دونوں میں دنیا نہیں وہ ہے اخلاص کے ساتھ طاعت و عبادت کرنا ، جو صورتاً دنیا نہیں اور معناً دنیا ہے ۔ وہ ہے وہ طاعت و عبادت جسے لوگ منفعت کے حصول کے لیے کرتے ہیں ۔ اور وہ چیز جو صورتاً دنیا ہے اور معناً دنیا نہیں وہ ہے اپنی بیوی کا حق ادا کرنا یعنی آدمی اپنے گھر والوں کی ضروریات اس نیت سے فراہم کرے کہ وہ ان کا حق ادا کر رہا ہے ۔ اگر چہ یہ فعل صورتاً دنیا ہے ۔ لیکن معناً دنیا نہیں ہے

تیرہویں مجلس

ہفتہ ، سال مذکور کے ماہ صفر مبارک کی پانچ تاریخ

اللہ اس مہینے کو خیر و برکت اور کامیابی سے ختم کرے ۔ دولت پائے بوسی حاصل ہوئی اوراد و وظائف پر گفتگو ہونے لگی حضرت خواجہ نے بندے سے پوچھا کہ تم کون سے اوراد و وظائف کرتے ہو ۔ بندے نے عرض کیا جو کچھ حضرت مخدوم کی زبان مبارک سے سُنا ہے وہی پڑھتا ہوں ۔ ہر نماز کے بعد پانچ وقت وہ سورتیں جن کا پڑھنا مروی ہے پڑھی جاتی ہیں ۔ نماز عصر کے بعد پانچ بار سورۂ انبیاء اور وہ معین سورتیں جن کا پڑھنا مسنون بتایا گیا ہے " پڑھتا ہوں ۔ اور دو وقت دس مسبعات اور سو بار یہ کلمہ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیر ؛

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ دس تسبیحیں اور بھی ہیں ان میں سے ہر ایک کو سو بار سے لیکر ایک ہزار بار تک پڑھ لیا جائے اگر سو بار نہ پڑھ سکیں تو دس بار ہی پڑھیں اس سے دس تسبیحوں کا دس بار پڑھنا سو بار ہو جائے گا ۔ الغرض ان دس تسبیحوں میں سے آٹھ تسبیحیں بندہ کو یاد رہ گئی ہیں ۔ اور وہ میں پڑھ لیتا ہوں

اوّل لَا اِلٰهَ اِلّا اللہ وحدہٗ لَا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یُحی وَیُمِیْت وھو حیّ لا یموت ذوالجلال والاکرام بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شیٔ قدیر، دوم سبحانَ اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الّا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلیّ العظیم، سوم سُبْحَانَ اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم العلی العظیم وبحمدہ استغفر اللہ من کلّ ذنب واتوب الیہ، چہارم استغفر اللہ الّذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واسألہ التوبۃ استغفر اللہ من کل ذنب اذنبتہ عمدًا او خطأً سرًّا وعلانیۃً واتوب الیہ، پنجم سبحان اللہ الملک القدّوس سبّوح قدّوس ربّنا وربّ الملٰئکۃ والرّوح، ششم اللّٰھمّ لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا رادّ لما قضیت ولا ینفع ذا الجد منک الجد، ہفتم اللّٰھمّ اغفر لی ولوالدیّ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منہم والاموات، ہشتم اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وعلیٰ اٰل محمّد وبارک وسلّم وصلّ علیٰ جمیع الانبیآء والمُرسلین اور دو دوسرے ورد جو یاد نہیں رہے ہیں، نہم اَعوذُ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرّجیم واعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک ربّ ان یّحضرون، دہم بسم اللہ خیر الاسماء بسم اللہ ربّ الارض والسّماء بسم اللہ الّذی لا یضرّ مع اسمہٖ شیٔ فی الارض ولا فی السّمآء وھو السّمیع العلیم

نماز کے بعد آپ نے کہا جس دن شیخ الاسلام فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے یہ دس تسبیحیں پڑھنے کے لیے فرمایا، اس روز وہ بہت خوش تھے۔ مجھ سے ارشاد ہوا کہ میں نے تمہیں خزانے بخش دیئے ہیں۔ ان بلند مرتبہ تسبیحوں کو پوری پابندی سے پڑھتے رہنا۔

چودھویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ صفر کی ستائیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ عشق و عقل پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا عشق اور عقل کے درمیان تضاد ہے۔ علماء اہل عقل ہیں۔ اور درویش اہل عشق۔ علماء کی عقل عشق پر غالب ہوتی ہے اور اس قوم یعنی درویشوں کا عشق عقل پر غالب ہوتا ہے۔ انبیاء میں عقل اور عشق دونوں ہوتے ہیں۔ بعد ازاں غلبہ عشق کے وصف میں یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد کیا ؎

عقل را با عشق گوشی نیست زد دوش پنبہ کن

تا چہ خواہی کرد آں اشتر دل جولاہ را

(عشق کی بات عقل کے کام کی نہیں لہٰذا عقل کے کانوں میں روئی دے دو ورنہ وہی کچھ کروگے جو اس اشتر نے جولاہے کے ساتھ کیا۔)

اس بات کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ملتان میں ایک صاحب علی کھوکھری تھے۔ وہ کسی ایسے شخص پر جس میں درد اور عشق نہ ہوتا اعتماد نہ رکھتے تھے خواہ وہ زاہد اور عبادت گزار ہی ہوتا۔ وہ کہا کرتے کہ فلاں شخص کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ وہ عشق نہیں رکھتا ان کی زبان سے صحیح لفظ ادا نہیں ہوتا تھا۔ وہ عشق کو اشک کہتے تھے۔ انہی الفاظ کی مناسبت سے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محبت کا ایک ذرہ تمام آدمیوں اور پریوں کی طاعت و عبادت سے بہتر ہے اس کی مناسبت سے حضرت خواجہ نے ارشاد کیا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک شخص سے بار بار یہ فرمایا کہ خدائے عزّ و جل تمہیں درد (دل) عطا کرے۔ وہ شخص حیران ہوگیا کہ یہ کیا دعا ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی بڑی دعا تھی۔

پھر جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب وہ بدایوں میں تھے تو ایک دن اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے ۔ دہی بیچنے والا ایک شخص دہی کا مٹکا سر پر رکھے اس گھر کے سامنے سے گزرا ۔ وہ دہی بیچنے والا علاقہ مواسی کا تھا جو بدایوں کے قریب ہے اس علاقے کو کیتھر (کاٹھیر) کہتے تھے ۔ وہاں بڑی کثرت سے ڈاکو و رہزن رہتے تھے ۔ وہ دہی بیچنے والا بھی ان میں سے تھا ۔ جب اس کی نظر شیخ جلال الدین کے مبارک چہرے پر پڑی ، پہلی ہی نظر میں اس کے اندر تاثیر سرایت کر گئی ۔ جب اس نے دوبارہ شیخ کے چہرے کو تیز نگاہوں سے دیکھا تو اس نے کہا دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایسے لوگ بھی ہیں وہ فوراً ایمان لے آیا شیخ نے اس کا نام علی رکھا ۔ جب وہ مسلمان ہوگیا تو اپنے گھر گیا مگر اسی وقت واپس آگیا ۔ اور شیخ کی خدمت میں اس نے ایک لاکھ جیتل پیش کئے شیخ نے انہیں قبول کیا اور کہا کہ اس تمام رقم کو تم اپنے پاس ہی رکھو میں جہاں کہوں گا خرچ کرنا ۔ شیخ ہر ایک کو اس رقم میں سے عطا کرتے کسی کے لیے سو درہم کہتے ، کسی کے لیے پچاس درہم ، کسی کو اس سے کچھ زیادہ یا کم دینے کا نہ کہتے ۔ جسے کم دینے کا کہتے ۔ وہ رقم پانچ جیتل ہوتی ۔ شیخ کا کم سے کم عطیہ پانچ جیتل ہوتا اور وہ کسی شخص کو پانچ جیتل سے کم دینے کا نہ کہتے ۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد وہ ساری رقم خرچ ہوگئی ۔ اور صرف ایک درہم باقی رہ گیا ۔ علی کا بیان ہے کہ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ میرے پاس ایک درہم سے زیادہ نہیں اور شیخ کا کم سے کم عطیہ پانچ درہم ہوتا ہے ۔ اگر انہوں نے کسی کو کچھ دینے کے لیے کہا تو میں کیا کر دوں گا ۔ میں اسی فکر میں تھا کہ ایک سائل آگیا ۔ اور اس نے سوال کیا ۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا اس کو ایک درہم دے دو ۔

حضرت خواجہ نے شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف و مناقب کے ذیل میں حکایت بھی بیان کی ۔ جب انہوں نے بدایوں سے لکھنوتی جانے کا عزم کیا تو یہ علی بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا ۔ شیخ نے اُسے واپس جانے کو کہا ۔ علی کہنے لگا کہ میں کس کے پاس واپس جاؤں ، میرا آپ کے سوا کون ہے اور میں آپ کے سوا کسے جانتا ہوں ۔ جب علی کچھ اور دور چلا گیا تو شیخ نے پھر اس سے کہا کہ تم واپس جاؤ ۔ اور علی نے پھر کہا ، آپ ہی تو میرے مخدوم ہیں اور پیر ہیں آپ کے بغیر میں اس جگہ کیا کروں گا ۔ شیخ نے فرمایا واپس

جاؤ یہ شہر تمہاری زیر حمایت ہے۔

پھر ان عبادت گذاروں کا ذکر آیا جو بہت طاعت و عبادت کرتے ہیں لیکن ان کے اندر شغل بہ حق زیادہ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا خلق کی چار قسمیں ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہوتا ہے۔ بعض کا ظاہر و باطن ہر دو خراب ہوتا ہے۔ اور بعض کا ظاہر و باطن ہر دو آراستہ۔ وہ گروہ جن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے اور باطن خراب ان عبادت گزاروں کا گروہ ہے جو بہت طاعت و عبادت کرتے ہیں مگر ان کے دل دنیا کے معاملات میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ گروہ جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہے وہ مجنون ہیں کہ ان کا باطن مشغول حق ہوتا ہے۔ اور ظاہر میں بے سر و سامان ہوتے ہیں وہ گروہ جن کا ظاہر و باطن ہر دو خراب ہوتا ہے وہ عوام ہیں، اور وہ گروہ جن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے اور اسی طرح ان کا باطن بھی، وہ مشائخ ہیں۔

پندرہویں مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی بائیس تاریخ

دولت پائے بوسی دستیاب ہوئی، آپ نے فرمایا کہ راہِ حق میں ہر رنگ اور ہر لباس میں آنا چاہیئے۔ اور امید یہ رکھنی چاہیئے کہ انجام، باطنی صدق و صفاہی پہ ہوگا۔ اس مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، ایک دفعہ ایک درویش کی نظر ایک بادشاہ کی بیٹی پر پڑگئی، بادشاہ کی بیٹی کا بھی اس درویش کی طرف میلان ہوگیا! اور دونوں میں محبت ہوگئی۔ بادشاہ کی بیٹی نے کسی کے ذریعے درویش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم مرد درویش ہو تمہارا مجھ سے وصال کا راستہ بہت دشوار نظر آتا ہے۔ البتہ ایک طریقہ ہے کہ تم عبادت گزار بن جاؤ، کسی مسجد میں جاکر بیٹھ جاؤ اور

اس حد تک طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاؤ کہ تمہاری شہرت پھیل جائے جب تم زہد و پارسائی میں مشہور ہو جاؤ گے تو میں اپنے باپ سے اجازت لے کر بطور تبرک تمہیں دیکھنے کو آؤں گی۔ اس درویش نے اس تجویز کے مطابق عمل کیا وہ ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گیا اور سب سے کنارہ کش ہو کر طاعت و عبادت میں مشغول ہو گیا جب اُسے طاعت و عبادت میں لذت حاصل ہوئی تو اُس نے اپنا دل کلی طور پر حق سے وابستہ کر دیا، کچھ عرصہ بعد اس کا نام لوگوں کی زبان پر آ گیا۔ اس پر بادشاہ کی بیٹی نے اپنے باپ سے اجازت لی اور اُسے ملنے کے لیے گئی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو وہی درویش تھا اور وہی اس کا حسن و جمال۔ بادشاہ کی بیٹی نے اس کے اندر اپنے لیے نہ تو کوئی جنبش حرکت دیکھی اور نہ کوئی میلان۔ اس نے درویش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کیا میں نے ہی تمہیں یہ حیلہ نہیں بتایا تھا اب کیا ہو گیا کہ تم میری طرف بالکل التفات نہیں کرتے۔ اگرچہ اس نے اس بارے میں بہت کچھ کہا لیکن درویش نے صرف اتنا کہا تم کون ہو۔ میں تمہیں کیا جانوں اور کیسے پہچانوں یوں اس نے بادشاہ کی بیٹی سے منہ موڑ لیا اور پوری طرح مشغول بہ حق ہو گیا۔

حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تو آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا جسے یہ ذوق لذت مل جائے وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے کیا الفت و محبت کرے گا۔

اسی سلسلے میں آپ نے یہ حکایت بھی بیان فرمائی۔ شیخ عبداللہ مبارک[1] جوانی کے دنوں میں ایک عورت پر عاشق ہو گئے۔ ایک رات وہ اس عورت کے مکان کی دیوار کے نیچے آئے اس عورت نے بھی کھڑکی میں سے سر نکال لیا دونوں شروع رات سے آخر رات تک ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف رہے یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوئی عبداللہ مبارک یہ سمجھے کہ نماز عشاء کی اذان ہے جب انہوں نے اچھی طرح سے دیکھا کہ پو پھوٹ رہی تھی۔ اس دوران میں ہاتف نے آواز دی کہ اے عبداللہ! ایک عورت کی محبت میں تم اوّل شب سے آخر شب تک جاگتے رہے ہو۔ حق تعالیٰ کے لیے بھی کبھی ایک رات جاگے ہو! عبداللہ مبارک نے جب

---

[1] غالباً مراد مشہور محدث ہیں جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔

یہ آواز سُنی تو اس دھندے سے توبہ کر لی۔ اور کلّی طور پر مشغول بہ حق ہو گئے۔ یہ تھا سبب ان کی توبہ کا۔

اس دوران میں کھانا لایا گیا اتنے میں ایک شخص آگیا اس نے سلام کیا اور بیٹھ گیا اس مناسبت سے حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان فرمائی ایک دفعہ شیخ ابوالقاسم نصر آبادی جو شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے پیر تھے۔ اپنے اصحاب کے ساتھ کھانے میں مشغول تھے امام الحرمین[1] جو امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ آئے اور انہوں نے سلام کیا۔ شیخ ابوالقاسم اور ان کے اصحاب نے ان کی طرف التفات نہ کیا جب کھانا ختم ہو چکا تو امام الحرمین نے کہا۔ جب میں آیا اور میں نے سلام کیا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ کیا ہے! شیخ ابوالقاسم نے کہا کہ دستور یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت میں آئے جو کھانا کھانے میں مشغول ہو۔ تو اس آدمی کو چاہیئے کہ سلام نہ کہے آئے اور بیٹھ جائے جب وہ کھانے سے فارغ ہو جائیں ہاتھ دھو لیں تو اس وقت وہ شخص اُٹھے اور سلام کہے۔ امام الحرمین نے پوچھا کہ یہ بات آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں۔ عقل کی رو سے کہہ رہے ہیں یا کسی روایت یا نقل کی بنا پر۔ شیخ ابوالقاسم نے جواب دیا کہ عقل کی رو سے، اس لیے کہ کھانا طاعت و عبادت کی قوت کے حصول کی خاطر کھایا جاتا ہے۔ پس جو شخص اس نیت سے پوری دل جمعی سے کھانا کھاتا ہے، وہ کھانا کھاتے وقت عین طاعت و عبادت میں ہوتا ہے۔ پس جو شخص طاعت و عبادت میں مشغول ہو مثلاً وہ نماز پڑھ رہا ہو، وہ السلام علیکم کا جواب وَعلیکم السلام میں کیسے دے گا۔

حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ ایک ہندو ہے وہ کلمہ پڑھتا ہے۔ خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کو مانتا ہے لیکن مسلمان آتے ہیں تو خاموش ہو جاتا ہے اس کا انجام کیسے ہو گا حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا اس کا معاملہ حق تعالیٰ سے ہے

---

[1] عبدالملک نیشاپوری امام الحرمین (۱۰۲۸ء / ۱۰۸۵ء) آپ نیشاپور میں پیدا ہوئے سلجوقی فرمانرواؤں کے مشہور عالم وزیر نظام الملک نے نیشاپور میں ایک مدرسہ نظامیہ کھولا تھا۔ جہاں امام الحرمین تعلیم دیتے تھے ایک مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی تھا۔

حق تعالیٰ جو چاہے، اس سے کرے اگر چاہے تو اُسے بخش دے اور چاہے تو اسے عذاب دے۔ اس معنی و مفہوم کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ بعض ہندو جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے لیکن وہ مسلمان نہیں ہوتے۔

اس موقع پر ابو طالب[1] کا ذکر آیا آپ نے کہا کہ جب وہ بیمار ہوتے، حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس گئے اور ان سے کہا۔ آپ ایک بار حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لیجئے خواہ زبان سے خواہ صدقِ دل سے تاکہ میں خدا تعالیٰ سے بطور حجت کہہ سکوں کہ اے اللہ! یہ ایمان لے آئے تھے ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا لیکن ابو طالب پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اسی طرح حالتِ کفر میں رحلت کر گئے۔ یہاں تک کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی موت کی خبر ان الفاظ میں دی۔ عمّك الضالّ مات یعنی آپ کے گمراہ چچا انتقال کر گئے۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں غسل دو، کفن میں لپیٹو، ان کے لیے بغیر لحد کے قبر کھودو اور انہیں اوپر سے قبر میں ڈال دو، یعنی قبر کے اندر جاکر انہیں لحد میں نہ رکھا جائے۔

سولھویں مجلس

سوموار سن مذکور کے ماہ جمادی الاول کی نو تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ اس گروہ کا ذکر ہوا جس کے افراد خراج، جزیہ اور فصلوں کا لگان وصول کرنے میں خلقِ خدا پر زیادتیاں کرتے ہیں اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ پہلے لاہور کی حدود میں ایک گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں ایک درویش رہتا تھا۔ وہ کھیتی باڑی کرتا تھا۔

---

[1] آپ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا اور حضرت علیؓ کے والد تھے۔

اسی پر اس کا گزارا تھا۔ اس سے کوئی شخص از قسم محصول وغیرہ کچھ نہیں لیتا تھا ایک دفعہ وہاں ایک کوتوال مقرر ہوا اور درویش سے حصہ مانگنے لگا۔ کوتوال نے اس سے کہا تم کئی سال سے کھیتی باڑی کر رہے ہو تم نے کبھی حصہ نہیں دیا۔ اور سارا غلّہ لے جاتے ہو اب یا تو تمام گذشتہ برسوں کا محصول دو یا کوئی کرامت دکھاؤ۔ درویش نے کہا کہ میں کیا کرامت دکھاؤں گا۔ میں تو ایک غریب و مسکین آدمی ہوں، کوتوال نے اس پر سختی کی اور کہا میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک یا تم گذشتہ اتنے سالوں کا محصول ادا کرو یا اپنی کوئی کرامت دکھاؤ۔ جبتک تم یہ نہ کرو گے۔ اس وقت تک تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ درویش پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا۔ لبعد ازاں وہ کوتوال کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے کہا کہ تم کیا کرامت چاہتے ہو بتاؤ۔ اس وقت اس گاؤں کے نزدیک ایک دریا بہتا تھا۔ کوتوال نے اس سے کہا کہ اگر تمہارے پاس کوئی کرامت ہے تو اس دریا کے پانی کے اوپر سے گزرو۔ درویش نے پانی کے اوپر قدم رکھا اور وہ اس پر اس طرح چل کر گزر گیا جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے۔ جب وہ گزر گیا تو اس نے دوسرے کنارے سے ادھر آنے کے لیے کشتی مانگی لوگوں نے اس سے کہا کہ جس طرح تم آئے ہو اسی طرح واپس کیوں نہیں چلے جاتے، اس نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوگا اس سے نفس فربہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔

کچھ دیر کھانا کھلانے اور مہمانوں کا خیال رکھنے کے بارے میں گفتگو رہی۔ آپ نے فرمایا، ایک حدیث ہے مَنْ زَارَ حَيًّا وَلَمْ يَذُقْ مِنْهُ شَيْئًا فَكَانَّمَا زَارَ مَيِّتًا۔ (جو کسی زندہ آدمی کے پاس گیا اور اس کے ہاں کوئی چیز چکھی تک نہیں تو وہ گویا ایک مردہ آدمی کے پاس گیا) اس سلسلے میں آپ نے شیخ بہاالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا، ان میں یہ چیز نہیں تھی۔ خلقت ان کے پاس آتی جاتی۔ اس میں کھانے پینے کا کوئی معاملہ نہیں ہوتا تھا۔ ان سے ایک شخص نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ مَنْ زَارَ حَيًّا وَلَمْ يَذُقْ مِنْهُ شَيْئًا فَكَانَّمَا زَارَ مَيِّتًا۔ شیخ بہاءالدین نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہے اس سوال کرنے والے نے کہا کہ پھر آپ اس حدیث پر کیوں عمل نہیں کرتے! شیخ نے جواب دیا کہ لوگ اس کے معنی نہیں جانتے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عوام اور ایک خواص۔ مجھے عوام سے کوئی سروکار نہیں البتہ جب خواص آتے

ہیں۔ میں ان سے خدا، اس کے رسولؐ، سلوک و معرفت اور اس طرح کے اور وسائل کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں اس سے ان کو فائدہ ہوتا ہے۔

اسی مناسبت سے حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب آپؐ کی خدمت میں آتے تھے تو ان کو کوئی نہ کوئی چیز ضرور پیش کی جاتی تھی وہ اُسے کھاتے اور پھر واپس جاتے ۔ وہ چیز روٹی ہوتی یا کھجوریں، یا اس طرح کی کوئی اور چیز ۔ غرض حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں جب وہ جاتے تو کچھ کھائے بغیر واپس نہ لوٹتے ۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ دستور تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو وہ کہتے ۔ کہ آنے والوں کو پانی ہی پلاؤ ۔

اسی موقع پر شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل پڑا جس کے ضمن میں حضرت نے یہ حکایت بیان فرمائی، ایک بزرگ تھے، جنہیں عبداللہ رومی کہتے تھے وہ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا ۔ ایک دفعہ میں شیخ شہاب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں موجود تھا ۔ کہ انہوں نے سماع سُنا ۔ اس پر شیخ بہاء الدین نے کہا کہ جب شیخ شہاب الدین نے سماع سنا ہے تو زکریا کو بھی چاہیئے کہ وہ سماع سُنے بعد ازاں آپ نے عبداللہ رومی کو روک لیا ۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی ۔ جب رات ہو گئی تو آپ نے ایک آدمی کو کہا کہ عبداللہ کو حجرے میں لے جاؤ ۔ اور اس کے ایک ساتھی کو بھی؛ اس حجرے میں صرف ان دو کو لے جاؤ ۔ تیسرا کوئی نہ ہو ۔ عبداللہ رومی کہتے تھے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ مجھے اور میرے ایک ساتھی کو حجرے میں لے گئے ۔ جب رات ہوئی اور نماز عشاء ادا کر لی گئی ۔ تو شیخ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر اس حجرے میں گئے ۔ ہم دو آدمی تھے اور خود شیخ تھے ۔ اس کے علاوہ اور کوئی آدمی نہ تھا ۔ شیخ بیٹھ گئے ۔ پھر وہ اوراد و وظائف کرنے لگے ۔ اور آپ نے قرآن مجید کا آدھا سیپارہ پڑھا اس کے بعد آپ نے حجرے کو اندر سے زنجیر لگا دی اور مجھ سے کہا کہ کچھ سماع شروع کر دو ۔ میں نے سماع کا آغاز کیا ۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ شیخ میں جنبش اور حرکت پیدا ہوئی، شیخ اٹھے اور انہوں نے چراغ بجھا دیا ۔ اس سے حجرے میں اندھیرا ہو گیا ۔ میں اسی طرح

سماع میں مصروف رہا۔ حجرے کی تاریکی میں میں صرف اتنا اندازہ کر سکا کہ شیخ وجد میں آکر چکر لگا رہے ہیں۔ جب وہ چکر لگاتے لگاتے ہمارے نزدیک آتے تو ان کا دامن نظر آتا جس سے ہم سمجھتے کہ شیخ جنبش اور حرکت میں ہیں لیکن چونکہ حجرے میں تاریکی تھی اس لیے میں یہ نہ جان سکا کہ ان کا چکر لگانا ضرب[1] پر تھا یا بے ضرب۔

الغرض جب مجلس سماع ختم ہوئی شیخ نے دروازہ کھولا اور اپنی قیام گاہ پر واپس چلے گئے میں اور میرا ساتھی اسی حجرے میں رہے نہ ہمیں کچھ کھانے کو دیا گیا اور نہ پینے کو۔ جب رات گزر گئی اور دن ہوا تو ایک خادم آیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک معمولی سا جامہ اور بیس تنکے لایا اور مجھے دے کر کہا کہ یہ شیخ نے دیا ہے اسے لو۔ یہ کہہ کے وہ واپس چلا گیا۔

اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا یہی عبداللہ رومی شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس آیا تھا اور اس نے یہ واقعہ سنایا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اسی عبداللہ نے پھر ملتان جانے کا قصد کیا۔ وہ جانے سے پہلے شیخ الاسلام فریدالدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ میرا ملتان جانے کا عزم ہے، راستہ خطرناک ہے دعا کریں کہ میں خیریت سے ملتان پہنچ جاؤں شیخ الاسلام نے فرمایا اس جگہ سے اس موضع تک کہ اتنے کوس ہوتے ہیں اور وہاں ایک حوض ہے۔ میری حد ہے وہاں تک تم باخیریت پہنچ جاؤ گے۔ اور اس موضع سے لے کر ملتان تک شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار میں ہے۔ عبداللہ رومی کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات شیخ سے سنی اور روانہ ہو گیا۔ جب میں اس حوض کے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے کہا کہ یہاں مار دھاڑ ہوتی ہے یعنی ڈاکو تیار رہتے ہیں کہ مسافروں پر ٹوٹ پڑیں۔ مجھے شیخ کی بات یاد آگئی اور میں ادھر ادھر التفات کیے بغیر برابر چلتا گیا، حق تعالیٰ ان ڈاکوؤں کو اس راستے سے دور لے گیا۔ اور وہ راستہ بھول گئے چنانچہ میں بہ سلامت اس حوض پر پہنچ گیا میں نے حوض پر پہنچتے ہی وضو

---

[1] کسی کلمے کو ادا کرتے وقت اس پر خاص زور دینا۔ جس سے کہ وہ سننے والے کے دل پر چوٹ لگے، ضرب ہے۔

کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، بعدازاں میں نے شیخ بہاء الدین کو یاد کیا اور کہا کہ وہاں تک یہاں تک شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی حد تھی میں امن وسلامتی سے آگیا ہوں۔ اب یہاں سے ملتان تک آپکی حد ہے اب آپ جانیں۔ عبداللہ رومی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس حوض سے روانہ ہو گیا راستے میں مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی اور میں باخیریت ملتان پہنچ گیا۔ جب میں شیخ بہاء الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں ایک بوسیدہ کمبل اوڑھے ہوئے تھا۔ جب شیخ نے مجھے یہ کملی اوڑھے ہوئے دیکھا تو وہ ناراض ہوئے اور کہا یہ تم نے کیا اوڑھ رکھا ہے! یہ تو شیطان کا لباس ہے آپ نے اس طرح کی اور بھی باتیں کہیں۔ میں غصے میں آگیا اور کہا کیا ہوا اگر میں نے گلیم اوڑھ رکھی ہے۔ بعض لوگوں کے پاس اتنا سونا چاندی، دنیا اور ذخیرے ہیں، میں انہیں کچھ نہیں کہتا۔ اگر میرے پاس یہ گلیم ہے اس پر اتنا کچھ کیوں کہا جاتے۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں یک بارگی پھٹ پڑا ہوں انہوں نے میری طرف رخ کیا اور کہا یہ تم کیوں کہہ رہے ہو آخر حوض سے ادھر کے راستے کو یاد کرو۔ کیا زکریا نے تمہارے بارے میں کوئی کوتاہی کی ہے یعنی میں تمہاری اس راستے میں نگہداشت کرتا رہا ہوں۔

ستر ہویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ جمادی الآخر کی سولہ تاریخ

قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ غصے اور شہوانی جذبات کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا جس طرح شہوانی جذبات کی تسکین اس کے جائز محل کے بغیر حرام ہے اسی طرح غصہ آنا بھی بغیر اس کے محل کے حرام ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔ کہ اگر ایک شخص دوسرے پر ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے اور دوسرا تحمل وبردباری سے کام لیتا ہے تو یہ اس شخص کی

خوبی ہوگی جوکہ تحمل و بردباری کرتا ہے۔ نہ کہ اس کی جو غضب میں آتا ہے۔

پھر یہ بات ہوئی کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو نصیحت کرتا ہے۔ تو اُسے یہ نصیحت سب کے سامنے نہیں کرنی چاہیئے کہ اس سے فضیحت یعنی بدنامی ہوتی ہے اگر کسی کو نصیحت یا ملامت کرنی ہے تو خلوت یعنی اکیلے میں کرنی چاہیئے۔ سب کے سامنے نہیں۔

اس موقع پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی ایک دفعہ قاضی ابویوسفؒ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اپنے اصحاب اور شاگردوں کو سبق کا املا کرا رہے تھے۔ وہ سر پر صوفیوں کی کلاہ پہنے ہوئے تھے۔ وہ کلاہ سفید رنگ کی تھی سیاہ رنگ کی نہ تھی۔ لاطیہ نہ تھی ناشزہ تھی لاطیہ کلاہ وہ ہوتی ہے جو سر کے برابر اور اس کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی ہے اور ناشزہ کلاہ سر سے کچھ اونچی اور اوپر نکلی ہوئی ہوتی ہے۔ الغرض قاضی ابویوسف سبق املا کرا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور ان سے سوال کیا، کیا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح کی کلاہ سر پر اوڑھی تھی۔ قاضی ابویوسف نے کہا کہ ہاں۔ پھر سوال کرنے والے نے پوچھا کہ آپؐ نے سفید کلاہ پہنی تھی یا سیاہ۔ انہوں نے کہا سفید۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلاہ لاطیہ سر پہ رکھی تھی یا کلاہ ناشزہ، قاضی ابویوسف نے کہا کہ لاطیہ۔ اس پر سوال کرنے والے نے کہا کہ تم نے سر پر سیاہ اور ناشزہ کلاہ اوڑھ رکھی ہے۔ اور اس طرح دو اعتبار سے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے اس حالت میں تم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا کیسے املا کرا رہے ہو، قاضی ابویوسف کو اس سے رنج ہوا انہوں نے اس سوال کرنے والے سے کہا کہ تم نے مجھ سے یہ بات جو کہی ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو تم نے حق کی خاطر کہی ہے یا مجھے ایذا دینے کے لیے اگر تم نے یہ بات حق کی خاطر کہی ہے تو چونکہ تم نے سب کے سامنے کہی ہے اس لیے تمہیں اس سے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ اور اگر تم نے یہ بات مجھے اذیت دینے کیلئے کہی ہے تو تم پر افسوس ہے، تم پر افسوس ہے اور تم پر افسوس ہے۔

لہ آپ تاریخ اسلام میں پہلے قاضی القضاۃ ہیں تین عباسی خلفاء مہدی ہادی ہارون کے عہد میں منصب قضا پر فائز رہے امام ابویوسف امام ابوحنیفہ کے ممتاز ترین شاگرد تھے۔ (پیدائش ۱۳۱ء وفات ۱۹۸ء)

اٹھارہویں مجلس

بدھوار سال مذکور کے ماہ رجب کی سات تاریخ

دولت قدم بوسی حاصل ہوئی. توبہ کے بارے میں گفتگو ہوئی. آپ نے فرمایا کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں :۔ حال، ماضی، استقبل ۔ حال یہ ہے کہ آدمی معصیت پر جو اس نے کی ہے پشیمان اور نادم ہو۔ توبۂ ماضی یہ ہے کہ آدمی اپنے مخالفوں کو راضی کرے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر ایک نے دوسرے کے دس درہم غصب کئے ہیں اور اس پر وہ توبہ کرتا ہے تو یہ اس کی توبہ نہیں ہوگی۔ اس کی توبہ یوں ہوگی . کہ جس کے اس نے دس درہم غصب کئے ہیں اسے وہ واپس دے دے اور مزید یہ کہ اس کو راضی کرے . اس وقت اس کی توبہ صحیح معنیٰ میں توبہ ہوگی . یا اگر ایک شخص نے دوسرے کو بُرا کہا ہے تو وہ اس کے پاس جائے اس سے معذرت کرے، معافی مانگے اور اُسے راضی کرے جس شخص کو اس نے برا کہا ہو اگر وہ وفات پا چکا ہو تو پھر وہ کیا کرے ! اس شخص کو اس نے اس کی زندگی میں جس قدر بُرا کہا تھا . اسی قدر مرنے کے بعد اس کو اچھا کہے اور اُسے نیکی کے ساتھ یاد کرے ۔ اگر کسی شخص کو اس نے مار ڈالا ہو اور مارے جانے والے کا کوئی والی اور وارث نہ ہو تو اس صورت میں وہ کیا کرے ! وہ ایک غلام آزاد کرے یعنی وہ مُردے کو تو زندہ نہیں کر سکتا بس ایک غلام آزاد کر دے ۔ اس آدمی نے جب ایک غلام آزاد کر دیا تو گویا ایک مردہ زندہ کر دیا ۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کی منکوحہ بیوی یا مملوکہ لونڈی سے زنا کیا تو پھر وہ توبہ کے سلسلے میں کیا کرے ! اس جگہ یہ ٹھیک نہیں کہ وہ دوسرے آدمی کے پاس جائے اور اس سے معذرت کرے ۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں وہ کیا کرے ! وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرے ۔

اس کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ اگر شراب پینے والا تائب ہوتا ہے تو وہ کیا کرے! وہ خلقِ خدا کو اچھے اور لطیف شربت اور ٹھنڈا پانی پلائے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر گناہ کی توبہ قبول ہونے میں اس گناہ کی مناسبت ملحوظ رکھنی پڑتی ہے۔ توبہ کی دوسری قسم، توبۂ ماضی کی خصوصیت تو قلم بند ہو گئی۔ اب رہی توبہ کی تیسری قسم جو توبۂ مستقبل سے موسوم ہے وہ یہ ہے کہ آدمی یہ نیت کرے کہ اس سے پہلے جو وہ معصیت کر چکا ہے پھر نہیں کرے گا۔

اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی فرمایا جب میں تائب ہو کر شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وابستہ ہو گیا تھا تو آپ نے کئی بار زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ مخالفوں اور دشمنوں کو راضی کرنا چاہیئے۔ آپ حق داروں کو ان کا حق دے کر انہیں راضی کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔ مجھے اس وقت یاد آیا کہ مجھے ایک کا بیس جیتل قرض دینا ہے اور یہ کہ میں نے ایک شخص سے ایک کتاب عاریتاً لی تھی اور وہ کتاب مجھ سے کھو گئی ہے جب شیخ کبیر شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ مخالفوں کو راضی کرنے اور حق داروں کو ان کا حق دینے پر اس قدر تاکید فرما رہے تھے تو میں سمجھ گیا کہ حضرت مخدوم رازوں کو جانتے ہیں۔ اور ان پر سب اسرار عیاں ہیں۔ میں نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس دفعہ دہلی جاؤں گا۔ تو ان لوگوں کو جن کا مجھ پہ حق ہے راضی کروں گا چنانچہ میں اجودھن سے دہلی آیا۔ وہ شخص جس کا مجھے بیس جیتل قرض دینا تھا وہ بزاز تھا۔ اور میں نے اس سے کپڑے لیے تھے۔ اس عرصے میں کبھی بھی میرے پاس بیس جیتل اکھٹے نہیں ہوئے تھے۔ کہ میں اُسے یہ قرض ادا کرتا۔ میرا ہاتھ تنگ تھا اس دوران میں کبھی پانچ جیتل میرے پاس آ گئے اور کبھی دس جیتل۔ ایک دفعہ پورے دس جیتل میرے پاس آ گئے میں بزاز کے گھر پر پہنچا اور اُسے آواز دی، وہ گھر سے باہر آیا میں نے اس سے کہا کہ میرے ذمے تمہارے بیس جیتل ہیں۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں تمہیں ایک ہی دفعہ یہ سب دے دوں میں اس وقت دس جیتل لایا ہوں۔ یہ لے لو۔ انشاءاللہ باقی دس بھی پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے جب یہ بات سنی تو کہا، ٹھیک ہے تم شیخ کے پاس سے آئے ہو۔ اس نے وہ دس جیتل مجھ سے لے لیے اور کہا کہ باقی دس جیتل میں نے تمہیں معاف کر دیئے۔

بعد ازاں میں اس آدمی کے پاس گیا جس سے میں نے کتاب عاریتاً لی تھی۔ اور وہ مجھ سے

کھو گئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور کہا کہ کیسے آئے، میں نے کہا کہ اے خواجہ! میں نے آپ سے کتاب عاریتاً لی تھی وہ مجھ سے کھو گئی تھی میں اس کتاب کا کوئی نسخہ حاصل کروں گا اور جیسی آپ کی کتاب تھی اسی طرح کی ایک کتاب اس نسخہ سے نقل کروں گا۔ اور آپ کو پہنچا دوں گا۔ اس آدمی نے میری بات سنی اور کہا کہ ٹھیک ہے تم جہاں سے آئے ہو وہاں کا یہی اثر ہے بعد ازاں اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تمہیں بخش دی۔

آپ نے توبہ کی مناسبت سے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کا منہ معصیت کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور گردن کی گدی یعنی پیٹھ حق کی طرف۔ جب وہ تائب ہو اور اس کی توبہ قبول ہو جائے تو چاہیئے کہ اس کی گردن کی گدی یعنی پیٹھ معصیت کی طرف ہو۔ اور منہ حق کی طرف اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص تائب ہو جائے۔ ضروری ہے کہ اُسے طاعت و عبادت میں بڑی لذت و ذوق ملے۔ اور جو پھر معصیت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ وہ طاعت ولذت اور ذوق نہیں پاتا۔

تھوڑی دیر مال خرچ کرنے کے بارے میں گفتگو رہی آپ نے ارشاد کیا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ساتھیوں اور رفقاء پر ایک درہم خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے فقراء پر دس درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ اسی طرح اگر وہ اپنے رفقاء پر دس درہم خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے فقراء پر سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ اپنے رفقاء پر سو درہم خرچ کرتا ہے۔ تو یہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے ایک غلام کو آزاد کیا۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

انیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ شعبان کی ستائیس تاریخ ـــــ سعادت پائے بوسی میسّر آئی۔

لوگوں کے بارے میں گفتگو ہوئی کہ ان میں سے نیک کیسے ہوتے ہیں! اور بُرے کیسے! آپ نے فرمایا کہ اس عہد میں جس میں کہ ہم ہیں اگر لوگ کسی آدمی کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ اتنا بُرا نہیں، تو اس کو اسی قدر نیک سمجھنا چاہیئے اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص لوگوں کے عیب نہیں نکالتا اور کسی کو بُرا نہیں سمجھتا اگرچہ وہ بُرا بھی ہو اُسے نیک سمجھنا چاہیئے بعد ازاں آپ نے زبان مبارک سے یہ دو مصرعے ارشاد فرمائے ؎

گر با عیبی و عیب نہ جوئی نیکی
ور بد باشی و بد نگوئی نیکی

(اگر تم عیب والے ہو اور دوسروں کے عیب نہیں ڈھونڈتے، تم نیک ہو اور اگر تم بُرے ہو اور دوسروں کو بُرا نہیں کہتے تو تم نیک ہو۔)

اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بُرا ہے اور خلق خدا کو بُرا کہتا ہے۔ تو اس کی بُرائی کی کوئی حد نہیں۔ اسی دوران میں آپ میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور پوچھا کہ کیا تم لشکر گاہ میں ہوتے ہو۔ بندے نے کہا جی ہاں۔ بعد ازاں فرمایا شہر میں نہ اس وقت آرام ہے اور نہ پہلے تھا۔ اس کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ بہت پرانی بات ہے میرے دل میں تھا کہ اس شہر میں نہ رہا جائے چنانچہ ایک دن میں حوض قتلغ خاں کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا وہیں میں نے ایک درویش کو مشغول بہ حق دیکھا میں اس کے نزدیک گیا اور اس سے پوچھا کیا آپ اس شہر کے رہنے والے ہیں! اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کیا آپ اپنی مرضی سے یہاں رہتے ہیں اس نے کہا نہیں۔ بعد ازاں اس درویش نے یہ واقعہ بیان کیا کہ میں نے ایک دفعہ ایک بزرگ درویش کو دروازۂ کمال کے پاس اس احاطے کے دروازے کے باہر جو خندق کے کنارے پر ہے دیکھا یہ دروازہ مذکور کے نزدیک ایک اونچی سی جگہ ہے اس احاطے میں شہید دفن ہیں اس درویش نے مجھ سے کہا اگر تم ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت اس شہر سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن بیچ میں ایسی رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں کہ آج پچیس سال ہو رہے ہیں گو میرا ارادہ اپنی جگہ قائم ہے۔ لیکن یہاں سے میرا جانا نہیں ہوا۔ حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا جب میں نے یہ بات

اس درویش سے سنی تو اپنے دل میں طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہیں رہوں گا۔ کبھی دل میں آتا کہ کہیں چلا چلا جاؤں، کبھی جی چاہتا پٹیالی چلا جاؤں ان دنوں ترک وہاں تھا۔ ترک سے مقصود امیر خسرو عصمہ اللہ (اللہ انہیں محفوظ رکھے) ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ دل میں آیا کہ بسالہ چلا جاؤں کہ وہ جگہ صاف ستھری ہے۔ الغرض میں بسالہ چلا گیا۔ وہاں تین دن رہا ان تین دنوں میں وہاں کوئی مکان نہ تھا نہ کرائے پر، نہ رہن اور نہ قیمتاً۔ ان تین دنوں میں ہر روز ایک ایک آدمی کا مہمان رہا۔ جب میں وہاں سے لوٹا دل میں یہی خیال تھا کہ اس شہر میں نہیں رہوں گا۔ ایک دفعہ میں حوض رانی کے کنارے ایک باغ میں جسے باغ جسرت کہتے ہیں خدائے عزوجل سے دعا و مناجات کر رہا تھا یہ بہت اچھا وقت تھا میں نے عرض کیا اے خدا! مجھے اس شہر سے چلا جانا چاہیئے اور میں کسی جگہ کو خود انتخاب کرنا نہیں چاہتا۔ جہاں تو چاہے میں وہیں رہوں گا۔ اسی دوران میں غیاث پور[۱] کا نام سننے میں آیا۔ میں نے غیاث پور کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ یہ جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے جب میں نے یہ نام سنا تو ایک دوست کے پاس گیا۔ اسکا ایک رازدار تھا۔ جو نیشاپور کا رہنے والا تھا —— جب میں اس کے گھر گیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ غیاث پور گیا ہے میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ وہی غیاث پور ہے الغرض میں شہر کو چھوڑ کر غیاث پور آگیا ان دنوں یہ جگہ اس طرح آباد نہ تھی۔ یہ ایک غیر معروف گاؤں تھا۔ جہاں بہت کم آبادی تھی۔ میں آگیا اور یہاں میں نے سکونت اختیار کر لی یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ کیقباد[۲] کیلوکھری میں آکر آباد ہوا۔ اور اس زمانے میں وہاں خلقت کا ایک ازدحام ہوگیا جن میں بادشاہ، امراء اور دوسرے افراد بھی تھے۔ غرض وہاں بڑی کثرت سے لوگوں کا آنا جانا ہونے لگا۔ اس وقت میں نے اپنے آپ سے

---

۱ حضرت خواجہ کے یہاں قیام فرمانے کے بعد اس کا نام بستی نظام الدین ہوگیا۔

۲ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے بغرا خاں کا بیٹا کیقباد تھا۔ بلبن کی وفات کے بعد یہ اپنے دادا کے تخت پر بیٹھا۔ بغرا خاں کو بنگال اتنا پسند آیا۔ کہ وہ وہاں کی حکومت پر مطمئن ہو کر لکھنوتی میں رہ پڑا۔ کیقباد کا زمانہ حکومت (۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء تا ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء) ہے۔

کہا کہ اس جگہ سے بھی جانا چاہیئے میرے دل میں یہی خیال تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے استاد رہ چکے تھے شہر میں انتقال ہوگیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل اس بزرگ کی وفات کا تیسرا دن ہوگا۔ میں فاتحہ کے لیے جاؤں گا۔ اور پھر شہر میں نہیں رہوں گا۔ میں نے اس کو اپنے جی میں بخوبی ٹھہرا لیا۔ اسی روز عصر کی نماز کے وقت ایک نوجوان آیا، بہت خوب صورت لیکن دبلا اور کمزور۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ مردانِ غیب میں سے تھا۔ یا کوئی اور تھا۔ الغرض جب وہ آیا تو اس نے پہلی بات جو مجھ سے کہی یہ تھی۔ اور وہ تھے یہ شعر

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی — کانگشت نمای عالمی خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلق بربود — درگوشۂ نشست نمی دارد سود

(جس روز تو چاند ہوا تمہیں معلوم نہ تھا کہ ایک دنیا کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی۔ آج کہ تیری زلف نے خلقت کا دل اپنی گرفت میں لے لیا ہے تیرا کسی گوشے میں بیٹھ رہنا بے فائدہ ہے)

حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے) فرماتے ہیں کہ اس نوجوان نے چند اور باتیں بھی کہی تھیں جنہیں میں نے کہیں لکھ لیا تھا۔ قصہ کوتاہ اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ اوّل تو مشہور نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اگر کوئی شخص مشہور ہو جاتا ہے تو اُسے ایسا ہونا چاہیئے کہ کل کو قیامت کے دن وہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو شرمندہ نہ ہو پھر اس نے یہ بات کہی کہ یہ کیسی قوت اور کیسا حوصلہ ہے کہ خلقت سے کنارہ کشی کر کے مشغول بہ حق ہوتے ہیں۔ یعنی قوت اور حوصلہ تو ایسا ہونا چاہیے کہ خلقت کے اندر رہتے ہوئے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہا جائے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ جب وہ نوجوان یہ باتیں ختم کر چکا تو میں نے تھوڑا سا کھانا اس کے سامنے رکھا اس نے کچھ نہ کھایا۔ میں نے اسی وقت یہ نیت کر لی کہ میں اسی جگہ مقیم رہوں گا۔ جیسے ہی میں نے یہ نیت کی اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے اُسے نہیں دیکھا۔

بیسویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی دس تاریخ

سعادت پائے بوسی ملی۔ سورۂ اخلاص کی فضیلت کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ سورۂ اخلاص قرآن مجید کی ایک تہائی ہے اس ضمن میں آپ نے کہا کہ جو شخص قرآن ختم کرنے کے بعد تین بار سورۂ اخلاص پڑھتا ہے اس میں فائدہ یہ ہے کہ اگر اس کے قرآن مجید ختم کرنے میں کوئی نقص رہ جاتا ہے تو اس طرح تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے قرآن کا ختم کامل ہو جاتا ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ قرآن ختم کرنے کے بعد سورۂ الحمد اور سورۂ بقرہ کی چند آیتیں جو پڑھتے ہیں۔ یہ کیا ہے! وہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ مَنْ خَیْرُ النَّاس (لوگوں میں سے بہتر کون ہے) حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الحال المرتحل۔ حال اُسے کہتے ہیں جو کسی منزل میں اترتا ہے۔ اور مرتحل وہ ہے جو منزل سے روانہ ہوتا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو قرآن پڑھ رہا ہے جب وہ اسے ختم کرتا ہے تو گویا وہ ایک منزل میں اترتا ہے۔ اور جب وہ اُسے دوبارہ پڑھنا شروع کرتا ہے تو گویا پھر وہ منزل سے روانہ ہو گیا۔ پس بہترین آدمی وہ ہے کہ جیسے ہی وہ قرآن ختم کرتا ہے فوراً پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس آدمی کو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الحال المرتحل سے موسوم فرمایا ہے۔

پھر اس امر پر گفتگو ہوئی کہ بعض لوگ غائب اور غیر موجود کے لیے نماز جنازہ پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ یہ جائز ہے حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ـــــــــــــــ

نجاشی[1] کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ اور اسکی میت یعنی جنازہ وہاں موجود نہ تھا اسی بنا پر امام شافعی غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دیتے ہیں اگر میت کا کوئی عضو، جیسے ہاتھ، پاؤں اور انگلی یا کوئی اور عضو موجود ہو تو اس پر بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

اس نماز جنازہ کی مناسبت سے آپ نے شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ واقعہ بیان کیا، جب شیخ نجم الدین صغریٰ دہلی کے شیخ الاسلام تھے، شیخ جلال الدین تبریزی سے عناد[2] ہو گیا۔ تو انہوں نے دہلی کے حاکم کو ان کے خلاف اتنا بھڑکایا کہ انہیں جبراً ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ الغرض شیخ جلال الدین نور اللہ مرقدہ بدایوں پہنچ گئے۔ ایک دن وہ بدایوں کے قریب ساتو ندی کے کنارے بیٹھے تھے کہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نئے سرے سے وضو کیا اور حاضرین سے کہا کہ آؤ دہلی کے شیخ الاسلام کی نماز جنازہ پڑھیں ان کا اسی وقت انتقال ہوا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا تھا۔ ویسا ہی ہوا، نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا کہ دہلی کے شیخ الاسلام نے تو ہمیں شہر سے باہر کر دیا تھا، ہمارے شیخ

---

[1] یہ افریقہ کے علاقے حبش کا بادشاہ تھا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے قبل چند صحابہؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔ نجاشی نے ان صحابہؓ کو پناہ دی تھی۔ اور انہیں کفر والوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

[2] اس عناد کا پس منظر یہ ہے، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ ابوسعید تبریزی کے خلیفہ تھے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت سے بھی فیض پایا تھا جب ہندوستان تشریف لائے تو التمش نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور محل شاہی میں ان کو مہمان رکھا۔ دہلی کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو ان سے حسد پیدا ہو گیا۔ اور ان کے متعلق سلطان کی رائے کو خراب کرنے کے لیے مختلف قسم کے الزام تراشے..... ایک رقاصہ گوہر کو پانچ سو دینار سرخ کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی پر ایک نہایت ہی رکیک اور ناشائستہ الزام لگائے..... دریافت کرنے پر مطربہ نے باآواز بلند کہا یہ سب محض دروغ اور افترا ہے..... التمش نے صغریٰ کو شیخ الاسلامی سے معزول کر دیا (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات)

نے انہیں اس جہان سے ہی باہر کر دیا۔

پھر تحیّر زدہ جماعت (جماعت متحیّران) کا ذکر ہوا کہ وہ لوگ حق تعالیٰ میں اس طرح مشغول ہو جاتے ہیں۔ کہ انہیں خلقت میں سے کسی کی خبر نہیں رہتی، حاضرین میں سے ایک نے یہ واقعہ بتایا کہ ایک دفعہ میں ایک جگہ پہنچا وہاں میں نے سات آٹھ آدمی اس حالت میں دیکھے کہ ان میں سے ہر ایک کی دونوں آنکھیں آسمان میں گڑی ہوئی ہیں۔ اور دن رات حیرت زدگی اور تحیّر کے عالم میں ہیں۔ مگر جب نماز کا وقت ہوتا وہ نماز ادا کرتے اور اس کے بعد پھر اسی عالم تحیّر میں گم ہو جاتے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے کہا، بے شک انبیا معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ، وہ ایسے ہی ہوں گے جیسا کہ تم نے کہا ہے اگرچہ وہ دن رات عالم تحیّر میں رہتے ہیں۔ لیکن ان کی نماز نہیں چھوٹتی۔

اسی تحیّر کی مناسبت سے آپ نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کا واقعہ بیان کیا۔ انتقال کے وقت چار دن اور چار رات برابر ان کی حالت تحیّر کی حالت تھی یہ یوں ہوا کہ شیخ علی سجزی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مجلس سماع تھی۔ اور شیخ قطب الدین بختیار نور اللہ مرقدہ وہاں موجود تھے۔ گانے والے نے ایک قصیدہ (مراد غزل) گایا جب وہ اس شعر پر پہنچا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را!
ہر زمان از غیب جانی دیگر است

(خنجر تسلیم سے مارے ہوؤں کو ہر لمحہ غیب سے ایک اور جان ملتی چلی جاتی ہے)

شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کو اس شعر نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ جب وہ شیخ علی سجزی کی خانقاہ سے اپنے مکان پر آئے تو مدہوش اور عالم تحیّر میں تھے، بار بار فرماتے تھے کہ یہی شعر پڑھو۔ چنانچہ ان کے سامنے یہی شعر پڑھا جاتا تھا۔ وہ اسی طرح عالم تحیر میں رہے۔ سوا اس کے کہ جب نماز کا وقت آتا، نماز ادا کرتے پھر وہی شعر پڑھواتے اور اس سے ان میں کیفیت اور تحیّر پیدا ہوتا۔ چار دن اور چار رات تک وہ برابر اسی حالت میں رہے۔ پانچویں رات کو انتقال فرما گئے۔ شیخ بدر الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس رات کو خدمت میں حاضر تھا۔ جب شیخ کی رحلت کا وقت نزدیک آیا، میری ذرا

آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز گویا اپنے مکان سے باہر نکلے ہیں۔ اور اوپر کی طرف جا رہے ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ بدرالدین دیکھو! خدا کے دوستوں کے لیے موت نہیں ہوتی۔ جب میں بیدار ہوا تو شیخ دارالبقا کی طرف رحلت فرما چکے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین،

اکیّسویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ شوال کی پندرہ تاریخ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ مشائخ کی طرف خلقت کی توجہ و رغبت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی، فرمایا کہ جب کیلی کی جنگ ہوئی تو میں چندروز شہر میں رہا۔ جمعہ کے دن میں جامع مسجد جاتا۔ خلقت کی بھیڑ میرا راستہ روک لیتی ایک دن کا واقعہ ہے میں مسجد سے باہر نکل کر ایک کوچے میں جا رہا تھا ایک آدمی پیچھے سے آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ کیا تم خلقت کی بھیڑ سے تنگ آگئے ہو میں نے کہا ہاں۔ بعدازاں اس آدمی نے کہا کہ میرا خسر شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کا مرید تھا۔ اس زمانے میں شیخ دہلی میں تھے۔ جب وہ نماز جمعہ کے لیے جاتے تو وقت سے پہلے ہی روانہ ہو جاتے تاکہ خلقت کی بھیڑ کی وجہ سے راستے میں مزاحمت نہ ہو، خلقت اس طرح آگے بڑھتی اور ان کے ہاتھ چومتی کہ لوگوں کا ایک حلقہ بن جاتا جس کے بیچ میں شیخ ہوتے، اس حلقے سے نکلتے تو خلقت کا ایک اور ہجوم آگے آجاتا اور ان کا ایک اور حلقہ بن جاتا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ یہاں تک کہ شیخ اس سے تنگ آگئے۔ اس پر میرے خسر نے ان سے کہا کہ یہ خدا کی نعمت ہے آپ اس سے تنگ کیوں

ہو رہے ہیں۔

اس مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ جس وقت سلطان ناصرالدین[1] اُچ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ تو راستے میں اجودھن گیا۔ سارا لشکر شیخ کی زیارت کو چل دیا۔ شیخ اجودھن میں آ چکے تھے۔ شیخ لوگوں کی کثرت سے جو اس موقعہ پر ہو گئی پریشان ہو گئے۔ اور وہ ایک جگہ جا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت شیخ کی آستین کو چھت سے گلی کی جانب لٹکا دیا گیا۔ خلقت آتی تھی، اُسے چومتی تھی! اور چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ کرتے کی وہ آستین پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ پھر آپ مسجد میں آ گئے۔ اور مریدوں سے کہا کہ تم میرے ارد گرد حلقہ بنا لو تاکہ خلقت اندر نہ آ سکے۔ اور لوگ باہر ہی سے سلام کریں اور چلے جائیں۔ چنانچہ مریدوں نے یہی کیا اس موقعہ پہ ایک بوڑھا فراش (فرش بچھانے والا) آیا۔ وہ مریدوں کے حلقے میں سے جوان کے ارد گرد تھا، گزر گیا۔ اور شیخ کے قدموں میں جا گرا، اس نے شیخ کے بابرکت قدم پکڑے، انہیں اپنی طرف کھینچا تاکہ چومے۔ شیخ کو یہ ناگوار گزرا۔ اس فراش نے کہا حضرت! آپ اس سے تنگ آ رہے ہیں۔ آپ کو تو اس پر خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے جب فراش نے یہ بات کہی تو شیخ نے بے ساختہ آہ بھری۔ فراش کو راضی کیا اور اس سے بہت معذرت کی۔

کچھ دیر اس امر پر گفتگو رہی۔ کہ آدمی کو نرم دل ہونا چاہیئے۔ اور خلق کے ساتھ محبت اور شفقت سے زندگی گزارنی چاہیئے اس موقعہ پر آپ نے کہا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے اِنَّ ابا بکرٍ اسیفٌ یعنی ابوبکر اسیف ہیں اور اسیف اُسے کہتے ہیں جو سریع البکا ہو یعنی اُسے جلد رونا آ جائے۔

اس مناسبت سے آپ نے اچھے اخلاق اور دوسروں کی خاطر تواضع کرنے کے بارے میں یہ حکایت بیان کی۔ عمرو بن عاص رضؓ نے اپنے ایام جاہلیت میں یعنی اسلام لانے سے قبل

---

[1] سلطان ناصرالدین بیٹا تھا سلطان شمس الدین التمش کا۔ سلطان ناصرالدین کی وفات کے بعد تخت دہلی پر سلطان غیاث الدین بلبن بیٹھا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجویہ اشعار کہے تھے۔ جب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سُنا تو فرمایا، اے اللہ! عاص کے بیٹے نے میری ہجو کی ہے۔ اور میں شاعر نہیں ہوں وَلستُ بشاعر۔ تو میری طرف سے اس کی ہجو کر، حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، ارشاد کیا کہ خدا تعالیٰ نے عمرو بن عاص کو جُر بُز کہلوا کر ان کی ہجو کی۔ جُر بُز اُسے کہتے ہیں جو گُر پُز ہو۔ یعنی عمرو بن عاص کا نام مکاری اور چالاکی (گُر پُزی) میں مشہور ہوا۔ اگرچہ وہ ایمان لے آئے لیکن ان کے نام کے ساتھ مکاری اور چالاکی کا ہجویہ وصف تاقیامت رہے گا۔ پس جب مکاری اور چالاکی کا وصف ہجو میں شمار ہوتا ہے تو لازماً نرمی، خوش خلقی اور خاطر تواضع کا وصف مدح و تعریف ہوگی۔

بائیسویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے مہینے ذی القعدہ کی ستائیس تاریخ

شرف قدم بوسی نصیب ہوا۔ کسی کا بھیجا ہوا ایک عزیز معذرت کا پیغام لے کر آیا تھا۔ شاید حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے کسی کی سفارش کے سلسلے میں کسی شخص سے کچھ کہا تھا۔ اور اس نے تعمیل میں کچھ دیر کی تھی۔ جب اس قاصد نے اس شخص کی طرف سے معذرت کی اور آپ سے معافی چاہی تو حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اُسے معاف کر دیا اور فرمایا کہ اگرچہ یہ موقعہ رنجیدہ ہونے کا ہے۔ لیکن میں رنجیدہ نہیں ہوں اور میں نے اسے معاف کر دیا۔ لبعدازاں آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص پیر سے رشتہ جوڑ لیتا ہے اور پیر سے اُسے عقیدت و ارادت ہو جاتی ہے۔ تو اسے تحکیم کہتے ہیں، یعنی اس نے اپنے پیر کو خود پر حاکم مقرر کر دیا۔ پس اگر پیر کچھ کہتا ہے اور

مرید اُسے نہیں سنتا تو یہ تحکیم نہ ہوئی، اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ موقعہ تکلیف و کوفت کا ہے لیکن میں نے معاف کر دیا۔ اس اثنا میں بندے نے عرض کیا کہ اگرچہ پیر اپنی بدرجہ عنائیت مہربانی سے مرید کی خطا معاف کر دے لیکن حضرت رب العزت اس خطا کو کیسے گوارا کرے گا۔ اور اسے کیسے معاف کریگا۔ اس موقعہ پر آپ نے کہا کہ پیر کا معاف کرنا حق تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے۔ جب پیر نے مرید کی خطا کو معاف کر دیا تو حق تعالیٰ بھی اُسے معاف کر دے گا۔

اسی وقت آپ نے فرمایا کہ جو کچھ پیر کہے مرید کو چاہیئے کہ وہی کرے۔ بعد ازاں آپ نے کہا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر پیر کسی ایسی چیز کے لیے کہتا ہے جو نامشروع یعنی شریعت کے خلاف ہے تو کیا مرید کو وہ کام کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے بیان کیا کہ اول تو پیر ہونا وہی چاہیئے جو شریعت، طریقت، حقیقت کے احکام کا عالم ہو اور جب پیر ایسا ہوگا تو وہ خود کسی خلاف شریعت امر کے لیے نہیں کہے گا۔ اگر پیر کوئی ایسی چیز کرنے کو کہتا ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے یعنی بعض کے نزدیک وہ جائز ہے تو اس صورت میں مرید وہی کرے جو پیر نے کہا ہے۔ اس لیے کہ پیر نے آخر کسی کے قول کو سامنے رکھ کر ہی ایسا کرنے کو کہا ہوگا۔ گو اس قول کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں مرید کو پیر کے ارشاد کے بموجب اس چیز پر عمل کرنا چاہیئے۔

اس موقعہ پر اسی مطلب کی وضاحت میں آپ نے فرمایا۔ ایک شخص ہے جو کسی دوسرے سے کوئی بات کہتا یا سفارش کرتا ہے اور وہ اس سفارش کو نہیں مانتا اس کو اس پر محمول کرنا چاہیئے کہ (اس سفارش کو قبول کرنے کے لیے موزوں، مناسب) وقت نہ تھا۔ یا یہ شخص جانتا نہ تھا کہ حقیقت کیا ہے)، آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں کسی غلطی کو اپنی طرف منسوب کر لینا چاہیئے۔ شاید یہ (سفارش قبول نہ کرنے کی) وجہ سے ہو۔

اس وقت آپ نے فرمایا کہ اجودھن میں ایک اہل کار تھا جسے اس موضع کا والی تنگ کرتا تھا۔ وہ اہل کار شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا اور آپ سے سفارش کرنے کی التماس کی۔ شیخ نے ایک شخص کو والی کی طرف بھیجا اور اس کے بارے میں کہلوایا۔ والی اس وقت اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اس نے انکی بات کی طرف دھیان نہ دیا۔ بعد ازاں شیخ نے

اس اہل کار سے کہا کہ میں نے والی سے تمہاری بات کہی ہے۔ اس نے نہیں سنی، ہو سکتا ہے وقت مناسب نہ تھا یا شاید کسی نے تمہارے پاس کسی کی سفارش کی ہو۔ اور تم نے نہ سنی ہو۔ لیکن جیسے ہی والی کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت شیخ نے اُسے کوئی پیغام بھیجا تھا وہ اس وقت آیا اور آپ سے معذرت کی، شیخ نے اس کی معذرت قبول کرلی۔ اور اسے معاف کر دیا۔

اسی سلسلۂ بیان میں عفو و درگزر سے کام لینے اور کردہ (کئے ہوئے) جرموں کو ناکردہ (نہ کیے ہوئے) سمجھنے کے بارے میں آپ نے یہ واقعہ بیان کیا: شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کا ایک نواسا محمد نام کا تھا۔ اُسے ممّن کہا کرتے تھے۔ اور وہ کسی گاؤں میں رہتا تھا۔ شیخ تک یہ خبر پہنچائی گئی۔ کہ وہ شراب پیتا ہے۔ جب وہ شیخ کی خدمت میں آیا تو شیخ نے اس سے پوچھا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم شراب پیتے ہو۔ اس نے جواب دیا نہیں، میں تو ایسا نہیں کرتا آپ تک جھوٹی بات پہنچائی گئی ہے۔ شیخ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ جیسے تم کہتے ہو۔ ان لوگوں نے تمہارے بارے میں غلط بات پہنچائی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اس سے خوش خوش باتیں کیں اور اس کا عذر قبول کرلیا۔

بعد ازاں مشائخ کے حکم دینے اور مرید کے اُسے قبول کرنے کے بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی ایک بڑھیا بار بار شیخ ابوسعید ابوالخیر[1] رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں آتی اور خانقاہ کے صحن میں جھاڑو دیا کرتی۔ اس نے کئی بار ایسا کیا۔ شیخ نے اس سے پوچھا کہ اس خدمت سے تمہاری کیا غرض ہے تم مجھ سے کہو تاکہ میں اسے پوری کردوں۔ بڑھیا نے کہا میری ایک غرض ہے جب وقت آئیگا عرض کرونگی۔ القصہ یہ بڑھیا اسی طرح اپنا کام کرتی رہی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ایک صاحبِ جمال خوش رو نوجوان شیخ کی خدمت میں آیا، اسی وقت وہ بڑھیا بھی آگئی۔ وہ شیخ کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اور کہا کہ یہ وقت ہے اب میں اپنی درخواست شیخ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہو، تم کیا چاہتی ہو بڑھیا نے کہا کہ آپ اس نوجوان سے کہیں کہ وہ مجھے اپنے نکاح میں لے لے۔ یہ سُنکر شیخ سوچ میں پڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ بوڑھی اور بدصورت عورت ہے اور یہ شخص نوجوان

---

[1] پیدائش ۹۶۷ء وفات ۱۰۴۹ء۔

اور خوب رو ہے۔ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے! اتنے میں شیخ خلوت میں چلے گئے اور تین دن تین رات نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ ان تین دنوں اور تین راتوں کے بعد آپ نے اس نوجوان اور بڑھیا کو اپنے روبرو طلب کیا آپ نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا کہ تم اس بڑھیا کو اپنے نکاح میں لے لو۔ نوجوان نے اُسے برضاو رغبت قبول کر لیا اس کے بعد اس بڑھیا نے التماس کی کہ شیخ حکم دیں کہ میرا بناؤ سنگار کیا جائے، جیسا کہ شادی کی رسم ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ دعوت کا انتظام کیا گیا اور روزانہ کے معمول سے کئی گنا زیادہ کھانا لگایا گیا اس موقعہ پر اس بڑھیا نے التماس کی کہ شیخ اس نوجوان کو حکم دیں کہ وہ مجھے زمین سے اٹھا کر خود اپنے ہاتھوں سے تخت پر بٹھائے۔ شیخ نے اس نوجوان سے ایسا ہی کرنے کو کہا۔ چنانچہ اس نے بڑھیا کو زمین سے اٹھا لیا۔ اسی وقت بڑھیا نے شیخ کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اب جبکہ اس نوجوان نے آپ کی نظروں کے سامنے مجھے خاک سے اونچا کیا ہے آپ اسے حکم دیں کہ وہ پھر مجھے خاک پر نہ پھینک دے۔ یعنی وہ اس کام کو وفاداری سے پورا کرے۔ اور منحرف نہ ہو۔ الغرض شیخ نے یہی حکم دیا اور اس نوجوان نے اسے قبول کر لیا۔

حضرت خواجہ نے دراصل یہ حکایت مریدوں کی طرف سے پیر کے حکم اور فرمان کو ماننے کے بارے میں ارشاد فرمائی۔

پھر شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر آیا آپ نے فرمایا کہ میں کم و بیش بارہ سال کا تھا۔ کہ ادب و لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص تھا جسے ابوبکر خرّاط کہتے تھے! اسے ابوبکر قوال بھی کہا جاتا تھا۔ وہ میرے استاد کے پاس آیا۔ شاید وہ ملتان سے آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے محفل سماع میں شعر سنائے تھے۔ ایک دفعہ جب میں نے ان کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

بکلّ صبحٍ و کلّ اشراقٍ — تبکیک عینی بدمعٍ مشتاقٍ
قد لسعت حیۃ الھوی کبدی — فلا طبیب لھا ولا راقٍ

روزانہ پو پھٹنے اور سورج نکلنے پر میری آنکھیں تمہارے لیے مشتاقانہ آنسو بہاتی ہیں محبت کے سانپ نے میرے دل و جگر کو ڈس لیا ہے۔ اب اس کے لیے نہ تو کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی منتر

پڑھنے والا)

اس کے بعد کے دو مصرعے مجھے یاد نہیں رہے۔ شیخ نے مجھے یاد دلائے وہ یہ تھے۔

الا الحبیب الّذی شُغِفتُ بہ فعندہ رقیتی و تریاقی

(سوا اس حبیب کے جس کا میں شیدا ہوں، سو اس کے پاس میرے لیے منتر بھی ہے اور تریاق بھی)

ان اشعار کا فارسی اشعار میں) ترجمہ یہ ہے ؎

از مارِ غمش گزیدہ دارم جگری کو را نکند ہیچ فسونی اثری

جز دوست کہ من شیفتۂ عشق ویم افسون علاج من چہ داند دگری

بعد ازاں ابوبکر قوال نے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف و مناقب بیان کئے کہ ان کے ہاں یوں ذکر ہوتا ہے۔ اس طرح عبادت کی جاتی ہے اوراد و وظائف یوں پڑھے جاتے ہیں وہ لونڈیاں جو آٹا پیستی ہیں وہ بھی ذکر کرتی ہیں۔ اس نے اس طرح کی بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات بھی میرے دل کو نہ لگی۔ بعد ازاں اس نے بتایا کہ وہاں سے میں اجودھن آیا اور وہاں ایک بادشاہ (فقر) کو دیکھا جو یوں تھے۔ یوں تھے۔ الغرض جب شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے اوصاف و مناقب میرے کان میں پڑے۔ میرے دل میں ان کے لیے محبت اور سچی عقیدت وارادت جاگزیں ہوگئی۔ اور حالت یہ ہوگئی کہ میں ہر نماز کے بعد دس بار شیخ فرید الدین اور دس بار مولانا فرید الدین کہتا، پس یہ محبت اس حد تک پہنچ گئی کہ میرے تمام دوستوں کو اس کی خبر ہوگئی۔ چنانچہ یوں ہوتا کہ اگر مجھ سے کوئی بات پوچھی جاتی اور اس پر مجھ کو قسم کھانے کو کہا جاتا تو وہ مجھ سے کہتے کہ شیخ فرید کی قسم کھاؤ۔

القصہ بدایوں سے میں نے دہلی جانے کا ارادہ کیا، ایک سن رسیدہ بزرگ جن کا نام عوض تھا۔ میرے ہمراہ تھے۔ راستے میں جس جگہ شیر یا چوروں کا خوف ہوتا وہ بزرگ کہتے، اے پیر حاضر باش! اے پیر ہم تیری پناہ میں ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ کس پیر کا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شیخ فرید الدین کا۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اس سے شوق اور بے قراری اور بھی راسخ ہوگئی۔ راستے ہی میں ایک اور شخص

ہمراہ ہو گیا۔ اُسے مولانا حسین خنداں کہتے تھے۔ وہ نیک آدمی تھے۔ جب دہلی پہنچے تو اتفاق سے شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے پڑوس میں اُترے۔ اس حکایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ مقدر ہو چکا تھا۔ کہ جب خدائے تعالیٰ یہ سعادت (شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضری کی) عطا کرے گا۔ تو اس کے لیے اس طرح کے اسباب پیدا ہو جائینگے۔

پھر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز اور سماع سے ان کے ذوق کا ذکر ہوا، فرمایا کہ ایک دفعہ آپ نے سماع سننا چاہا۔ قوال موجود نہ تھا۔ آپ نے بدر الدین اسحاق علیہ الرحمۃ والرضوان سے کہا کہ وہ مکتوب جو قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارسال کیا تھا لاؤ۔ بدر الدین گئے اور وہ تھیلا جس میں مکتوبات و رُقعات رکھے جاتے تھے۔ لاکر آپ کے سامنے رکھ دیا انہوں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ تو سب سے پہلے وہی مکتوب ہاتھ میں آگیا، آپ نے وہ مکتوب حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اسے پڑھو۔ بدر الدین کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اس مکتوب کو پڑھنا شروع کیا اس میں یہ لکھا تھا کہ "فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں ہے اور سر آنکھوں سے ان کے قدموں کی خاک ہے" شیخ نے اتنا ہی سُنا تھا کہ" ان کے اندر ایک کیفیت اور ذوق پیدا ہو گیا۔ بعد ازاں یہ رباعی بھی سُنائی گئی جو اس مکتوب میں تھی ؎

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد وان روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال آن دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

(وہ عقل کہاں کہ تیرے کمال تک پہنچے اور وہ روح کہاں کہ تیرے جلال تک پہنچے، میں نے مانا کہ تونے اپنے جمال پر سے پردہ ہٹالیا ہے۔ مگر وہ آنکھ کہاں کہ تیرے جمال تک پہنچے)

حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس مکتوب کی مناسبت سے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت شیخ فرید الدین کی خدمت میں ایک مکتوب لکھا تھا جس میں کچھ اشعار بھی تھے۔ حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے تین چار شعر پڑھے جن میں سے بندے کو یہ دو شعر یاد رہ گئے ہیں ؎

فرید دین و ملت یار مہتر کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خادم ار جمع بودی بدحش کردی گوہر فشانی

(خدا کرے یار بزرگوار حضرت زید دین و ملت کی ساری زندگی شرف و عزت کے ساتھ بسر ہو۔ اے کاش میری طبیعت مطمئن ہوتی اور خاطر جمع تاکہ میں ان کی مدح میں مزے لے لے کر شعر کہتا)

پھر شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہما کا ذکر ہوا۔ شیخ جلال الدین نے شیخ قطب الدین کے مکان پر جانے کا فیصلہ کیا۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز ان کے استقبال کے لیے مکان سے نکل کر ان کی طرف چل دیئے۔ شیخ قطب الدین کا مکان کاٹھر کی حد پر تھا۔ وہ مکان سے باہر نکلے تو وہاں سے بڑے راستے پر جانے کے بجائے چھوٹی چھوٹی گلیوں میں ہو لیے، شیخ جلال الدین قدس اللہ سرہ العزیز بھی شیخ قطب الدین کے مکان کی طرف جاتے ہوئے بڑے راستے کو چھوڑ کر چھوٹی گلیوں میں پڑ گئے۔ اور اس طرح یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے سے مل گئے۔ حضرت خواجہ نے ان دونوں بزرگوں کی ایک اور ملاقات کا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دفعہ ملک عزالدین بختیار کی مسجد میں اس کے غسل خانے کے سامنے جہاں پانی گرم رہتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی۔

رحمتہ اللہ علیہما، رحمۃً واسعۃً

تیئسویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی گیارہ تاریخ

سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی، چونکہ یہ عید الضحیٰ کے بعد کے ایام تشریق تھے، میں اس غرض سے حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں گیا۔ تاکہ ملاقات کا شرف حاصل ہو سکے۔ جب میں حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے نماز عید کے بارے میں پوچھا۔ اس عید کو بڑی بارش ہوئی تھی اور اولے بھی پڑے تھے۔ بہت سی خلقت نماز عید میں شامل نہ ہو سکی، بندہ

بھی شامل نہ ہو سکا تھا، الغرض جب حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس بارے میں استفسار فرمایا تو بندے نے عرض کیا کہ میں نماز عید میں شامل نہ ہو سکا۔ ارشاد ہوا ٹھیک ہے بہت سی اور خلقت بھی نہیں پہنچی تھی۔ اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے نماز کی ایک رکعت ادا کی تھی اور دوسری رکعت میں تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔ جب نماز پوری ہوئی تو خطیب نے خطبہ نہیں پڑھا بس دعا مانگی اور لوگ اٹھ کر چلے گئے اس دوران میں بندے نے عرض کیا کہ اگر اس عید میں کسی مانع کی وجہ سے نماز میسر نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے۔ کہ دوسرے دن نماز ادا کرلیں۔ آپ نے فرمایا ہاں جائز ہے۔ اگر اس عید میں کسی مانع کی وجہ سے عید کے روز نماز میسر نہ ہو تو اس کے دوسرے دن بلکہ تیسرے دن نماز عید ادا کرلیں۔ البتہ عید الفطر میں اگر عید کے دن کسی مانع کی وجہ سے نماز عید میسر نہ ہو سکے تو دوسرے دن نہ پڑھیں۔ اس وقت آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اس عید کے دن میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ اگر بارش زیادہ ہوگئی اور نماز عید نہ پڑھی جا سکے۔ تو ہم دوسرے دن نماز پڑھیں گے۔ لیکن چونکہ تمام خلقت نماز کے لیے باہر نکل آئی۔ اور خطیب نے نماز پڑھا دی۔ اس لیے دوسرے دن نماز پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ نماز استخارہ ہر روز پڑھی جاتی ہے۔ تاکہ وہ روز خیریت سے گزرے نمازِ جمعہ اس لیے پڑھی جاتی ہے کہ پورا ہفتہ خیریت سے گزرے اور نماز عید اس لیے کہ سارا سال خیریت سے گزرے۔ بندے نے عرض کیا کہ آیا یہ عید یعنی عید الضحیٰ یا وہ عید یعنی عید الفطر! فرمایا کوئی بھی عید ہو جس میں نماز عید پڑھی جائے۔

چوبیسویں مجلس

ہفتہ ۱۶ شعبان ۷۱۰ھ کے ماہ محرم کی گیارہ تاریخ ـــــ سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ اس روز

بندہ اپنے عزیزوں میں سے ایک چھوٹے بچے کو ساتھ لے گیا، اُسے آپ کی خدمت میں پیش کیا اور یہ عرضداشت کی، کہ اسے میں قرآن پڑھنے کے لیے مکتب بھیج رہا ہوں، لہذا پہلے اسے حضرت مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں کہ حضرت مخدوم کی نظرِ کرم کی برکت سے اور نفسِ مبارک کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کے لیے قرآن کی تحصیل ممکن فرمائے۔ آپ نے دعائے خیر کی۔ اس کے بعد تختی لی اور اس پر دستِ مبارک سے یہ لکھا: بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ ا ب ت ث ج پھر یہی حروف اس بچے کو خود اپنی زبان مبارک سے تلقین فرمائے۔

اس موقع پر اس واقعہ کی مناسبت سے آپ نے فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوں گے، جنہیں کھینچ کھینچ کر زبردستی بہشت میں لے جایا جائے گا۔ بعدازاں ارشاد ہوا کہ اس حدیث کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ بچے ہیں، جنہیں زبرستی معلم کے سامنے لے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان پر یہ امر بہت دشوار گزار ہے۔ لیکن وہ بچے بستہ اٹھائے مسجد جاتے ہیں بعدازاں وہ بتدریج حروف پڑھتے پڑھتے معانی تک پہنچتے ہیں اور معانی سے معانی کے اصل جوہر تک پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اور آگے بڑھتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ غلام ہیں جنہیں زنجیروں میں دار الحرب سے دار الاسلام میں لایا جاتا ہے۔ اس موقع پر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ فرمانے لگے، کہ تیسرا قول یہ ہے کہ محبانِ حق سے اس گروہ کو جو اس دنیا میں اٰمنا وصدقنا (ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی) پر عامل تھا۔ کل کو قیامت کے دن فرمان ملے گا کہ بہشت میں چلو، وہ کہیں گے۔ ہم نے بہشت و دوزخ کی خاطر تیری عبادت نہیں کی تھی۔ ہم نے تو تیری محبت میں تیری عبادت کی تھی۔ فرمان الٰہی آئے گا کہ بے شک یہ ایسا ہی ہے لیکن وعدۂ دیدار اور وعدۂ وصال تو بہشت ہی میں پورا ہوگا۔ وہاں چلو تاکہ وعدے کا ایفا ہو اس پر بھی وہ گروہ بہشت میں نہیں جائے گا۔ بعدازاں ملائکہ مقربین کو حکم ہوگا کہ وہ نور کی زنجیریں ان کی گردنوں میں ڈالیں اور انہیں کھینچتے کھینچتے بہشت میں لے جائیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

پچیسویں مجلس

منگل وار، سال مذکور کے مہینے صفر کی تین تاریخ

اس مہینے کو خیر و برکت اور کامیابی سے ختم کرے، دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔
قناعت اور طلب دنیا میں زیادہ دھیان نہ دینے کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا مولانا حافظ الدین نے جن کی کافی اور شافی کتابیں ہیں، ان کتابوں میں لکھا ہے کہ جب کتے کو شکار کرنا سکھاتے ہیں تو اگر وہ تین بار شکار کر کے اپنے مالک کے پاس پہنچا دے تو اس کتے کو معلّم (سکھلایا ہوا) کہتے ہیں اسطرح چیتے کو بھی شکار کرنا سکھاتے ہیں البتہ چیتے کے ساتھ یوں شکار کیا جاتا ہے۔ کہ اُسے شکار کی آمد و رفت کے راستے پرے جاتے ہیں۔ اور جب شکار نزدیک آتا ہے تو چیتے کو اس پر چھوڑ دیتے ہیں۔ چیتا جست لگاتا ہے اور شکار پکڑ لیتا ہے۔ اس کے بر خلاف کتے کو بہت دوڑنا پڑتا ہے۔ وہ شکار کے پیچھے دور دور تک دوڑا چلا جاتا ہے۔ مولانا حافظ الدین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آدمی کو چند خصلتیں چیتے سے سیکھنی چاہئیں اور ان میں سے ایک خصلت یہ ہے کہ وہ کتے کی طرح رزق کے پیچھے بھاگے۔ اگر اس کے سامنے کوئی چیز آ جائے تو اُسے لے لے۔ دوسرے چیتا جب شکار کے لیے نکلتا ہے تو اگر شکار ہاتھ آ جائے تو شکار کر لیتا ہے، لیکن اس کا پیچھا نہیں کرتا اور اس کے لیے بہت زیادہ دوڑتا ہے۔ اسی طرح آدمی کو بھی چاہیئے کہ ضرورت کے مطابق رزق طلب کرے۔ نہ تو وہ بہت زیادہ طلب کرے اور نہ اس کے پیچھے پیچھے مارا مارا پھرے۔ اس کے لیے جب چیتا سستی کرتا ہے تو وہ کتے کو لا کر چیتے کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر اُسے لکڑی سے مارتے ہیں۔ تاکہ چیتا دوڑے اور سستی چھوڑ دے۔
آدمی کو بھی اسی طرح دوسرے سے انتباہ حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ دیکھے کہ دوسرے پر

کیا گزر رہی ہے، اس سے وہ متنبہ ہو اور ناکردنی یعنی نہ کرنے کے قابل کاموں کے بارے میں خبردار رہے۔

چھبّیسویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی بیس تاریخ

قدم بوسی کی نعمت میسّر آئی۔ اس روز جماعت خانہ (خانقاہ) میں ایک شخص کو چھری ہاتھ میں لیے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کون تھا۔ اور کیا چاہتا تھا! جب خدمت گاروں نے اس آدمی کو پکڑ لیا اور حضرت خواجہ کو ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس کے بارے میں خبر ملی تو آپ نے اس کی اجازت نہ دی کہ خدمتگار اسے کہیں لے جاکر ماریں پیٹیں۔ آپ نے اس کو اپنے سامنے طلب کیا اور اس سے کہا کہ خدا تعالیٰ سے عہد کرو کہ تم کسی مسلمان سے دھوکہ اور فریب نہیں کروگے۔ اس نے یہ عہد کیا چنانچہ حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اُسے چھوڑ دیا۔ اور اس کو خرچ بھی دیا۔ جب بندہ اس روز خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان کی، ایک روز شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نمازِ صبح پڑھ رہے تھے۔ آپ سجدہ میں سر زمین پر رکھے اپنے شغل میں مستغرق تھے آپ اس ہیئت میں بہت دیر تک رہے، سردی کا موسم تھا۔ ایک پوستین لاکر آپ پر ڈال دی گئی۔ اس وقت وہاں کوئی خدمت گار (موجود) نہ تھا۔ بس صرف میں وہاں موجود تھا۔ اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے بہت بلند آواز سے سلام کیا۔ اس سے شیخ کی کیفیت میں خلل پڑا۔ شیخ نے اسی طرح زمین پر سر رکھے اور پوستین کو ویسے ہی اوڑھے ہوئے کہا کہ یہاں

کون ہے! حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرماتے ہیں میں نے آواز دی اور کہا کہ میں ہوں اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ کیا یہ شخص جو آیا ہے، ترک ہے اور اس کا درمیانہ قد اور رنگ زرد ہے! میں نے اس شخص کو دیکھا تو اس کی یہی ہیئت تھی، میں نے جواب دیا کہ جی ہاں، یہ ایسا ہی ہے، لبعدازاں شیخ نے فرمایا کہ کیا اس کی کمر میں زنجیر ہے! میں نے اُسے دیکھا تو ایسا ہی تھا. چنانچہ میں نے کہا کہ ہاں ہے. پھر آپ نے فرمایا کہ اس کے کان میں کوئی چیز ہے! میں نے جو اُسے دیکھا تو اس کے کان میں بھی کچھ تھا۔ چنانچہ میں نے کہا جی ہاں کان میں حلقہ ہے. اسی طرح میں آپ کے ہر استفسار پر اسے دیکھتا تھا. اور آپ کو جواب دیتا جاتا تھا. اس سے اس شخص کا رنگ بدلتا جاتا تھا. اس دفعہ جو میں نے کہا کہ جی ہاں، اس کے کان میں حلقہ ہے. تو شیخ فرمانے لگے کہ اس سے کہو کہ وہ چلا جائے. قبل اس کے کہ کوئی فضیحت و بدنامی ہو۔ مگر اس اثنا میں کہ میں اس کی طرف دیکھوں وہ جا چکا تھا.

اس مجلس میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی. غزنی میں ایک صاحب تھے جن کا نام مولانا حسام الدین تھا. وہ شمس العارفین[1] رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے تھے، مولانا حسام الدین خواجہ اجلّ شیرازی قدس اللہ سرہ العزیز المبارک کے مرید تھے. ایک دن یہی مولانا حسام الدین اور ایک خواجہ اجل کے اور مرید خواجہ اجلّ شیرازی کے سامنے کھڑے تھے. خواجہ شیرازی نے ان دونوں کی طرف دیکھا پھر آسمان کی طرف نگاہ کی اور دوبارہ ان کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تم دونوں میں سے ایک کے لیے خلعت شہادت سِل رہا ہے۔ جب دونوں خواجہ اجل شیرازی کے ہاں سے باہر آئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھیں ہم دونوں میں سے کس کے لیے یہ سعادت مقدر ہے! مولانا حسام الدین واعظ تھے. کچھ عرصہ بعد ایک دن وعظ کر کے وہ منبر سے اُترے تو لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے. اور ان کے ہاتھوں کو چومنے لگے. ان کے درمیان میں سے ایک

---

[1] شمس العارفین عبدالواحد غزنی کے ایک ممتاز صوفی بزرگ تھے۔

آدمی آیا۔ اس نے چھری نکالی اور مولانا کو شہید کر دیا۔ جب ان کو ان کے گھر لے جایا جا رہا تھا تو ان میں ابھی تھوڑی سی جان باقی تھی۔ انہوں نے ایک شخص کو اپنے اس دوست کی طرف جو خواجہ اجل شیرازی کا مرید تھا اور اس وقت ان کے ساتھ خواجہ کی خدمت میں موجود تھا۔ بھیجا اور کہلوایا کہ وہ خلعت شہادت مجھے مل گئی ہے۔

ستائیسویں مجلس

ہفتہ سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی ستائیس تاریخ

سعادت دست بوسی نصیب ہوئی۔ قرآن مجید کی برکت اور اسے حفظ کرنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا بدایوں میں ایک صاحب تھے جنہیں سات قرأتوں کے ساتھ قرآن حفظ تھا۔ وہ حد درجہ با صلاحیت اور صاحب کرامت تھے۔ وہ ایک ہندو کے غلام تھے۔ انہیں شادی مقری یعنی قاری کہتے تھے۔ ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ ان کے سامنے جو قرآن کی ایک تختی پڑھ لیتا۔ خدا تعالیٰ اس کے لیے تمام قرآن کا پڑھنا مقدر کر دیتا۔ میں نے بھی ان کے سامنے قرآن کا ایک سیپارہ پڑھا تھا۔ جس کی برکت سے مجھے پورا قرآن یاد ہوگیا۔ اس شادی مقری کے ایک پیر تھے۔ جو لاہور میں رہتے تھے۔ انہیں خواجگی مقری کہتے تھے۔ یہ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ مختصراً ایک دفعہ ایک شخص لاہور سے بدایوں آیا۔ شادی مقری نے اس سے پوچھا کہ میرے پیر زندہ و سلامت تو ہیں؟ حالانکہ وہ وفات پا چکے تھے۔ لیکن آنے والے نے ان کی وفات کی خبر شادی مقری کو نہیں بتائی۔ اس نے کہہ دیا کہ ہاں تمہارے پیر زندہ ہیں بعد میں اس شخص نے لاہور کے حالات بیان کرنے شروع کئے۔ کہ وہاں سخت بارشیں ہوئیں۔ بہت سے مکانات گر گئے۔ ایک دفعہ آگ لگی اتنے مکان جل گئے۔ اور اس قدر تباہی اور

و بربادی ہوئی۔ جب آنے والے نے یہ سب واقعات بتائے تو شادی مقری نے کہا کہ پھر میرے پیر زندہ نہیں ہیں۔ اس نے کہا کہ ہاں، وہ اس سے پہلے ہی رحمتِ حق سے ہمکنار ہو گئے تھے۔

اٹھائیسویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ ربیع الآخر کی بیس (۲۰) تاریخ

سعادت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ کمزور اور سست اعتقاد رکھنے والے گروہ اور ان لوگوں کا ذکر آیا جو کعبے کی زیارت کو جاتے ہیں اور جب وہاں سے واپس آتے ہیں تو دنیا کے ماحول میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بندے نے عرضداشت کی کہ مجھے تو اس گروہ پر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم سے رشتہ جوڑتے ہیں اور پھر دوسری طرف چل دیتے ہیں۔ جب میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کر رہا تھا تو میرا دوست ملیح بھی موجود تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس ناچیز نے اس ملیح سے جو کہ میرا دوست ہے۔ ایک دفعہ ایک بات سنی تھی۔ جس نے میرے دل پر گہرا اثر کیا وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ حج کو وہی جاتا ہے جس کا پیر نہ ہو۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ بات سنی تو آبدیدہ ہو گئے۔ اور آپ کی زبان مبارک پر یہ مصرعہ آیا ع

آں رہ بسوئے کعبہ بَرَد و ایں بسوی دوست

(وہ راہ کعبہ کی طرف لے جاتی ہے اور یہ دوست کی طرف)

بعد ازاں آپ نے فرمایا شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے انتقال کے بعد مجھ پر حج کو جانے کا شوق بہت غالب آگیا۔ میں نے کہا پہلے اجودھن زیارت شیخ کو جاتا ہوں۔ الغرض جب میں شیخ الاسلام کی زیارت کے لیے اجودھن پہنچا تو میرا وہ مقصد

مع کچھ زاید شے کے حاصل ہوگیا۔ دوسری بار پھر حج کو جانے کا اشتیاق ہوا۔ پھر شیخ کی زیارت کو گیا اور میری وہ غرض پوری ہوگئی۔

انتیسویں مجلس

اتوار، سال مذکورہ کے ماہ جمادی الاول کی گیارہ تاریخ

دولت پائے بوسی میسر آئی۔ آپ نے حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ایک حکایت بیان کی۔ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنواں ہے، کنویں کے اوپر ڈول ہے وہ کنواں کچا (قلیب) تھا۔ یعنی اسے کھودا گیا تھا اور اس میں سے پانی نکل آیا تھا۔ اُسے پکا نہیں کیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ کنویں کے ارد گرد سے اینٹ اور پتھر سے جو پختہ کیا جاتا ہے۔ وہ اُسے نہیں کیا گیا تھا۔ اس قسم کے کنویں کو قلیب کہتے ہیں۔ وہ کنواں جسے پختہ کیا گیا ہو اور اس میں بڑا اہتمام اور خاص احتیاط کی گئی ہو اسے طوی کہتے ہیں۔ الغرض رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں قلیب یعنی کچا کنواں دیکھا۔ جس کے اوپر ایک ڈول رکھا تھا۔ آپؐ نے وہ ڈول لیا اور کنویں سے تھوڑا سا پانی کھینچا بعدازاں آپؐ نے ہاتھ روک لیا آپؐ نے دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں۔ انہوں نے بھی دو تین ڈول کھینچ لیے آپؐ نے دیکھا کہ ابوبکرؓ میں کچھ کمزوری رونما تھی۔ بعدازاں آپ نے عمر خطاب رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا، انہوں نے کوئی دس بارہ ڈول نکالے ان کا ڈول بڑا ہو گیا تھا اور غرب بن گیا تھا۔ اس سے بہت پانی کھینچا جاتا تھا۔ اور کافی زمین سیراب ہوتی تھی۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپؐ کا ذکر بھلائی سے کرے کہا کہ اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ کنویں سے غرض پانی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ خواہ کنواں

کچا ہو یا پختہ، اس پر اہتمام کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ کنویں سے مراد پانی ہے یعنی ہر کام سے اصل مقصود اس کام کا ہونا ہے۔

اس دوران میں حاضرین میں سے ایک نے ایک مرید کا جسے محمد گوالیوری کہتے ہیں سلام پہنچایا اس پر حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرمایا کہ ہاں میں اُسے جانتا ہوں وہ نیک آدمی ہے ایک دفعہ وہ مجھ سے پوچھتا تھا کہ مجرد یعنی غیر شادی شدہ رہنا بہتر ہے یا متاہل یعنی شادی شدہ۔ میں نے کہا تھا کہ تجرد عزیمت کا درجہ ہے اور تاہل یعنی بیوی، بچوں کے ساتھ رہنا رخصت کا درجہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح مشغول بہ حق ہے کہ اُسے تاہل کے بارے میں کبھی کوئی خیال تک نہیں آتا وہ جانتا ہی نہیں کہ وہ ہے کیا چیز اور اس کی آنکھ، زبان اور اعضاء و جوارح محفوظ رہیں تو ایسے شخص کو مجرّد رہنا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہے جو اس طرح مشغول بہ حق نہیں رہ سکتا اور اس کے دل پر تاہل کے خیالات گزرتے ہیں۔ تو اُسے شادی کر کے متاہل زندگی گزارنی چاہیئے۔ اس معاملے میں اصل چیز نیت ہے۔ جب اس کی نیت مشغول بہ حق ہوگی تو اس کے اعضاء جوارح پر بھی ایسا ہی اثر ہوگا۔ اور اگر اس کے اندر ہل چل اور اضطراب ہے تو اس کے اعضاء و جوارح بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ محمد گوالیوری کے ذکر کے ضمن میں یہ بات چھڑ گئی کہ اس کی عمر کتنی ہے، اس سے آپ کو سلطان شمس الدین التمش کی تاریخ وفات یاد آگئی۔ اور حضرت خواجہ کی ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک پر یہ شعر آگیا ؎

بسال ششصد و سی و سہ از سن ہجرت

نماند شاہ جہان شمس دین عالمگیر

(ہجرت کے بعد چھ سو تینتیسویں سال شاہ جہاں شمس ابن عالمگیر نہ رہے)

پھر مریدوں کے آداب کے سلسلے میں یہ ذکر آیا کہ جب وہ کسی مہم اور کسی سفر پر جانے کے لیے پیر سے رخصت ہو کر آئیں تو دوسری بار اس کے سامنے اس وقت تک نہ جائیں جب تک وہ اس مہم اور اس سفر سے واپس نہ آئیں۔ اس دوران میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی ایک شخص جس کا نام علی مکی تھا۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز

سے رخصت ہو کر آ گیا، آپ سے رخصت ہو کر قصبۂ اجودھن کے اطراف میں آ کر اتر گیا، دوسرے روز اس کے ہمراہی تو اسی مقام پر ٹھہرے رہے۔ وہ دوبارہ خدمت شیخ میں آ گیا شیخ نے فرمایا کہ تم تو کل رخصت ہو گئے تھے آج کیسے واپس آ گئے۔ اس نے کہا کہ ہمراہیوں نے ایک جگہ پر قیام کیا ہے میں آپ کی خدمت میں پھر آ گیا۔ شیخ نے اُسے مرحبا اور خوش آمدید کہا۔ جب دوسری رات آئی اور قصبے سے پھر باہر چلا گیا۔ اور وہاں قافلے کے ساتھ رہا۔ دوسرے روز ہمراہیوں نے پھر قیام کیا۔ علی مکی پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے پوچھا آج تم کیسے واپس آ گئے۔ علی نے پھر صورت حال بیان کی، تیسرے روز اس کے ساتھیوں نے پھر سفر ملتوی کر دیا۔ اور وہیں ٹھہرے رہے اور علی پھر شیخ کے پاس آیا، تیسرے روز حضرت شیخ نے ایک آدمی کو دو نان لانے کے لیے فرمایا جب نان لائے گئے تو آپ نے وہ دو نان علی کو دیئے اور اُسے روانہ کر دیا اس دفعہ جب وہ گیا تو پھر شیخ کے پاس نہیں آیا۔

اسی علی مکی کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا کہ وہ نیک اور بابرکت آدمی تھے۔ انہوں نے بارہا یہ دعا کی کہ اے خدا! مجھے ایسی جگہ موت دینا کہ نہ میں اپنے شہر میں رہوں اور نہ میں اس جگہ ہوں جہاں میں نے جانے کی نیت کی ہو یعنی سفر کے دوران میں اس طرح موت دینا کہ جہاں تو مجھے موت دے وہاں مجھے کوئی جانتا پہچانتا نہ ہو۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ علی مکی بدایوں کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں وہ بیمار ہو گئے۔ جب وہ قصبہ بجلانہ سے چلے تو ان کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ قبل اس کے کہ وہ بدایوں پہنچتے وہ اس کی حدود ہی میں رحمت حق سے ہمکنار ہو گئے۔ اور وہیں دفن بھی ہوئے۔

اسی علی مکی کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے ان سے سُنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کرمان میں تھا۔ وہاں میں اجنبی تھا، کرمان میں ایک قاضی تھا ایک روز اس نے ایک مجلس منعقد کی جس میں اس نے شہر کے معزز اور بڑے لوگوں کو بلایا۔ اس مجلس میں ایک خستہ حال اور کمزور سا درویش بھی پہنچ گیا۔ اگرچہ اُسے بلایا نہیں گیا تھا۔ لیکن وہ یہ سُن کر کہ قاضی کے مکان پر دعوت ہے چلا آیا۔ اور ایک گوشے میں آ کر بیٹھ گیا جب سماع شروع ہوا تو اس درویش میں جنبش و حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ اٹھا تاکہ رقص کرے اس سے

قاضی کو بڑی تکلیف ہوئی وہ چاہتا تھا کہ پہلے صاحب صدر یا کوئی اور بزرگ وجد میں آتا اور اٹھتا اس درویش کے لیے کیسے مناسب ہے کہ سب سے پہلے وہ اُٹھے چنانچہ قاضی نے درویش کو آواز دی اور کہا۔ اے درویش بیٹھ جاؤ، درویش کو اس سے کچھ شرمندگی سی ہوئی اور وہ فوراً بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سماع زیادہ گرم ہوا قاضی وجد میں آکر اٹھا، جیسے ہی قاضی اٹھا درویش نے قاضی کو آواز دی اور کہا قاضی! بیٹھ جاؤ۔ درویش نے یہ بات اس طرح کہی کہ قاضی کے دل پر نیز حاضرین کے دلوں پر ایک ہیبت سی طاری ہوگئی چنانچہ قاضی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا الغرض جب سماع ختم ہوگیا اور لوگ چلے گئے اور وہ درویش بھی چلا گیا تو قاضی اپنی اسی جگہ پر بیٹھا رہا اس نے بہت چاہا کہ اٹھے لیکن وہ نہ اٹھ سکا وہ سات سال تک اسی طرح بیٹھا رہا بعد ازاں سات سال کے بعد وہ درویش پھر آیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کیا کارنامہ کر کے گیا ہے۔ درویش آیا اس نے قاضی کو دیکھا کہ بہت کمزور ہو چکا ہے اور اسی طرح بیٹھا ہے جیسے تھا۔ وہ درویش قاضی کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور کہا قاضی اٹھو! قاضی نے بالکل حرکت نہ کی۔ دوسری بار اس نے پھر کہا قاضی اٹھو! قاضی اسی طرح بیٹھا رہا، تیسری بار درویش نے کہا اچھا تو پھر اسی طرح بیٹھے رہو۔ اور اسی طرح مرو اس نے یہ کہا اور وہاں سے چلا گیا بعد ازاں قاضی نے اسے تلاش کرایا اور اس کے پیچھے آدمی دوڑائے تاکہ اُسے واپس لائیں، لیکن وہ انہیں کہیں نہ ملا اور قاضی اسی حالت میں مر گیا۔

تیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے مہینے جمادی الاول کی اٹھائیس تاریخ

سعادت قدم بوسی نصیب ہوئی، آپ نے بندے سے پوچھا کہ نماز جمعہ کہاں پڑھتے ہو، بندہ نے کہا کہ کیلوکھری کی جامع مسجد میں پڑھتا ہوں، جناب مخدوم کو اس لئے زحمت نہیں دیتا کہ اس

دن عوام کی یہاں بڑی بھیڑ ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ مخصوص احباب جو میرے پاس گھر پر آتے ہیں انہیں ضرورت نہیں کہ وہ لوگوں کے ازدحام میں آئیں اور میرے لیے زحمت کا باعث بنیں

اسی مناسبت سے کہ ایسے مواقع پر زحمت نہیں دینی چاہتے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، مولانا برہان الدین نسفی رحمتہ اللہ علیہ ایک عالم دانشمند اور صاحب حال بزرگ تھے اگر کوئی شاگرد آپ کے پاس پڑھنے کے لیے آتا تو اس سے کہتے کہ پہلے میرے ساتھ تین شرطیں کرو اس کے بعد تمہیں کچھ پڑھاؤں گا۔ ان تین شرطوں میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ صرف ایک وقت کھانا کھانا۔ جو بھی کھانا تمہیں اچھا لگے۔ اور جو بھی تمہاری طبیعت کے موافق ہو اُسے کھاؤ لیکن دن میں ایک بار کھاؤ، اور ایک وقت کھاؤ تاکہ علم کے لیے خانہ خالی رہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ سبق میں کبھی ناغہ نہ کرنا۔ اگر تم نے ایک دن ناغہ کیا تو میں دوسرے دن تمہیں سبق نہیں پڑھاؤں گا تیسری شرط یہ ہے کہ جب راستے میں تم میرے سامنے آؤ تو مجھے سلام کرو اور گزر جاؤ راستے میں نہ میرے ہاتھ چومنا نہ پاؤں پڑنا اور نہ میری زیادہ تعظیم کرنا۔

جب یہ حکایت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لوگ آتے ہیں اور تعظیماً سر زمین پر رکھتے ہیں چونکہ شیخ الاسلام فریدالدین اور شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز اس سے منع نہیں کرتے تھے اس لیے میں بھی منع نہیں کرتا۔ اس دوران میں بندے نے عرض کیا کہ یہ شخص جو حضرت مخدوم کی خدمت میں آیا ہے۔ اور تعظیماً اپنا سر زمین پر رکھتا ہے اس سے ایک تو اُسے مزید کچھ فیض حاصل ہوتا ہے اور دوسرے اس کا نفس مرتا ہے۔ لیکن جہاں تک حضرت مخدوم کا تعلق ہے آپ کو تو خدائے عزوجل نے بزرگی دی ہے۔ مرید کی اس طرح تعظیم کرنے کا آپ کی بزرگی سے کوئی تعلق نہیں۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی، پچھلے دنوں ایک شخص آیا وہ کوئی بزرگ زادہ تھا اس نے بڑی سیاحت کی تھی اور شام اور روم کے ملک دیکھے تھے۔ وہ آیا اور آکر بیٹھ گیا اسی دوران میں وحیدالدین قریشی آیا اور جیسے کہ خدمت گاروں کا دستور ہے وہ تعظیم بجالایا اور اپنا سر زمین پر رکھ دیا اس شخص نے

جو پاس بیٹھا ہوا تھا آواز دی اور کہا کہ ایسا نہ کرو اس طرح کے سجدوں کی اجازت مروی نہیں اس نے اس بارے میں ایسی درشتی اور بدخلقی برتی کہ میں نے اُسے جواب دینا پسند نہ کیا جب بات بہت طول کھینچ گئی اور اس معاملے میں اس نے بڑا غلو کیا تو میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ سنو شور نہ کرو۔ ہر وہ چیز جو فرض ہوتی ہے، جب اس کی فرضیت نہ رہے تو اس کا مستحب ہونا باقی رہتا ہے چنانچہ ایام بیض[1] اور ایام عاشورا[2] کے روزے پہلی امتوں پر فرض تھے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے۔ ایام بیض اور ایام عاشورار کے روزوں کی فرضیت نہ رہی۔ البتہ ان کا مستحب ہونا باقی رہا۔ اب ہم سجدہ کے مسئلے پر آتے ہیں۔ اس طرح سجدہ کرنا پہلی امتوں کے ہاں مستحب تھا۔ چنانچہ رعیت بادشاہ کو، شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کرتی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو یہ سجدہ منسوخ ہو گیا اب اگر اس سجدے کا مستحب ہونا جاتا رہا ہے۔ تو اس کا مباح ہونا تو باقی ہے۔ اگر یہ سجدہ مستحب نہیں رہا تو یہ مباح تو ہے امر مباح کی نفی اور ممانعت کہاں آئی ہے۔ مجھے کچھ بتاؤ کہ اس طرح بالکل انکار کرنے میں کیا فائدہ ہے جب میں نے اتنا کہا وہ چپ ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے یہ حکایت تمام کرنے کے بعد فرمایا کہ میں پشیمان ہوا کہ میں نے یہ بات اس سے کیوں کہی ممکن ہے اس سے اس کا دل ٹوٹا ہو مجھے اس سے یہ بات نہیں کہنی چاہیئے تھی۔ اس سلسلے میں میں دو چیزوں سے پشیمان ہوا۔ ایک یہ کہ میں نے اس سے یہ بات کیوں کہی کہ وہ لاجواب ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ وہ مسافر تھا مجھے یہ چاہیئے تھا کہ اسے کچھ پیش کرتا۔ اگر میں اسے کوئی کپڑا یا رقم دیتا تو یہ اچھا ہوتا، ان دو چیزوں

---

[1] ہر چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں۔

[2] دسویں محرم عاشورا کے روزے کا راز یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون اور فرعون کی قوم کے مقابلہ میں فتح دی تھی۔ اور حضرت موسیٰؑ نے اس دن بطور شکر یہ روزہ رکھا تھا نیز اہل کتاب اور اہل عرب (قبل از اسلام) کے ہاں اس روزے کا عام دستور تھا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روزے کو مسنون فرمایا۔ (حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ)

کی وجہ سے مجھے پریشانی ہوئی۔ بعدازاں آنے والے کے سامنے کوئی چیز پیش کرنے کے بارے میں آپ نے ارشاد کیا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جو بھی کسی شخص کے پاس آئے اُسے چاہیئے کہ اس کے سامنے وہ کچھ نہ کچھ پیش کرے۔

اسی مباحثے کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ ایک بوڑھا آدمی شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہا کہ شیخ قطب الدین بختیار طاب اللہ ثراہ کی خدمت میں تھا اور وہاں میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ شیخ اُسے شناخت نہ کر سکے جب اس نے اپنا مزید تعارف کرایا تو پھر آپ نے اُسے پہچان لیا۔ وہ بوڑھا آدمی ایک نوجوان کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ اس کا بیٹا تھا۔ اس دوران میں ایک بات سے دوسری بات چل پڑی۔ اس لڑکے نے نہایت بے ادبی سے اس بحث میں دخل دیا۔ اور وہ گستاخی سے حضرت شیخ کے ساتھ بحث کرنے لگا۔ جب اس کی آواز بلند ہوئی تو شیخ کی بھی آواز بلند ہوئی۔ حضرت خواجہ ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے کہ میں اور حضرت شیخ کے فرزند مولانا شہاب الدین دونوں دروازے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب کافی شور ہوا ہم اندر آگئے وہ لڑکا اسی طرح بے ادبی سے گفتگو کر رہا تھا مولانا شہاب الدین نے آگے بڑھ کر اس لڑکے کے تھپڑ مارا، لڑکے نے غصے میں آکر مولانا شہاب الدین سے بدتمیزی کرنی چاہی میں نے اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا، اس اثنا میں شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ تم سب آپس میں صلح و صفائی کر لو۔

بعدازاں مولانا شہاب الدین ایک اچھا سا کپڑا اور کچھ نقدی لائے اور اس بوڑھے اور اس کے بیٹے کو دی وہ دونوں خوش ہو گئے۔ اور واپس چلے گئے۔ حضرت شیخ کا یہ دستور تھا کہ وہ ہر رات کو افطار کے بعد مجھے اور مولانا رکن الدین کو طلب فرماتے، مولانا شہاب الدین کبھی ہمارے ساتھ ہوتے اور کبھی نہ ہوتے، الغرض وہ ہمیں طلب فرماتے اور دن بھر جو کوئی واقعہ یا ماجرا ہوا ہوتا اس کے بارے میں پوچھتے آپ دریافت فرماتے کہ آج کیا ہوا اور کیا حال رہا۔ اس روز بھی افطار کے بعد آپ نے مجھے اور مولانا رکن الدین کو بلایا اور اس دن جو ہوا تھا اس کے بارے میں پھر پوچھا۔ چنانچہ بوڑھے کے آنے، اس کے بیٹے کے بحث میں دخل دینے اور

مولانا شہاب الدین کے اُسے تادیب کرنے کا ذکر ہوا شیخ کبیر مسکرائے۔ لبعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ میں نے عرضداشت کی کہ اس لڑکے نے مولانا شہاب الدین سے الجھنا چاہا تھا میں نے اس میں صرف اتنا کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس پر حضرت شیخ مسکرائے اور فرمایا تم نے اچھا کیا۔

اکتیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ مبارک رجب کی چوبیس تاریخ

دولت پائے بوسی میسّر آئی۔ پچھلے دنوں بندے کے پاؤں کی انگلی پک گئی تھی اور درد کرنے لگی۔ اس لیے آستانہ بوسی کی سعادت سے محروم رہا تھا۔ آج میں حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں اس تکلیف کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نارو کا پھوڑا ہے یا کوئی اور تکلیف بندے نے عرض کی کہ نارو نہیں تھا اچانک پاؤں کی انگلی میں ورم ہو گیا اور وہ سخت درد کرنے لگی آپ نے فرمایا اس سے پہلے کبھی نارو ہوا ہے! میں نے کہا کہ اس سے پہلے ہوا تھا اب پانچ سال ہو رہے ہیں۔ پھر کبھی نہیں ہوا، جب مجھے نارو کی شکایت ہوئی تو ایک دفعہ مجھے اس سے سخت تکلیف تھی اور میں نے آپ سے اس تکلیف کا ذکر کیا تھا۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد کیا تھا۔ کہ دنبل یعنی پھوڑے کو دفع کرنے کے بارے میں آیا ہے کہ نماز عصر کی سنتوں میں اگر سورۂ بروج پڑھی جائے تو دنبل نہیں رہتا۔ چونکہ نارو بھی دنبل کی ایک قسم ہے امید ہے سورۂ بروج پڑھنے سے وہ بھی نہیں رہے گا اس دن سے بندہ نماز عصر کی سنتوں میں برابر سورۂ بروج پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ اس مدت میں یہ تکلیف نہیں ہوتی ہے۔

بعدازاں عرض کیا گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ بھی سُنا ہے کہ عصر کی نماز کی سنتوں میں یہ چار سورتیں پڑھی جائیں، ایک اِذَا زُلْزِلَتِ الارض اور تین وہ جو اس سے متصل ہیں۔ سورہ العٰدِیٰت سورۂ القارِعۃ اور سورۂ التکاثر۔ بندہ ان سورتوں کو بھی پڑھتا ہے چونکہ آپ کی زبان مبارک سے سورۂ بروج پڑھنے کا بھی ارشاد ہوا تھا اس لیے بندہ نماز عصر کی سنتوں کی پہلی رکعت میں سورہ بروج پڑھتا ہے اس کے بعد سورۂ اذا زُلزِلَتِ الارض پڑھتا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا کرتے ہو اس موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز عصر کی سنتوں میں دس بار سورۂ العصر پڑھنے کی بھی روایت ہے۔ پہلی رکعت میں چار بار، دوسری رکعت میں تین بار، تیسری رکعت میں دو بار اور چوتھی رکعت میں ایک بار۔

بعدازاں پوچھا کہ کیا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہو! بندے نے عرض کیا کہ جی ہاں، ایک پرخلوص امام مل گیا ہے وہ حضرت مخدوم کے ساتھ رشتہ ارادت سے منسلک ہے اور ایک صالح جوان ہے فرمایا کیا اس کا سر منڈا ہوا ہے! میں نے کہا کہ جی ہاں، ارشاد ہوا کہ سر منڈا ہوا ہونا بہتر ہے اس لیے کہ غسل جنابت میں سر پر بال رکھنے والے کے لیے احتیاط بڑی مشکل ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر ایک بال بھی تر نہ ہو اور خشک رہ جائے تو جنابت یعنی ناپاکی باقی رہتی ہے سر منڈے ہوئے کو آسانی رہتی ہے اس کا غسل جنابت بغیر کسی شک وشبہ کے ٹھیک ہو جاتا ہے۔

بعدازاں سر منڈانے کے فوائد پر گفتگو ہوئی فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں۔ کہ آدمی خود انہیں کرے۔ دوسرے سے کرنے کو نہ کہے ان میں سے ایک سر منڈانا ہے وہ خود سر منڈائے دوسروں کو سر منڈانے کے لیے نہ کہے یعنی سر منڈانے کا فائدہ صرف اسی کو ہو۔ دوسری چیز ہے کھانے سے پہلے شوربا پینا اور تیسری چیز ہے پاؤں کے تلوے کو تیل ملنا، بعدازاں ارشاد ہوا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں (یعنی کہتے ہیں کہ یہ دوسروں سے نہ کہا جائے) لیکن ایسا ہونا نہیں چاہیئے۔ آدمی کو چاہیئے کہ جس چیز سے وہ خود فائدہ اٹھائے دوسرے بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اسی مناسبت سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک اعرابی تھا جو ہمیشہ ان الفاظ میں دعا کرتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ ارحمنی و محمداً ولا ترحم معنا احداً (اے اللہ! مجھ پر رحم کر

اور محمد پر اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر) یہ خبر حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچی آپ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ تم نے ایک وسیع چیز کو متحجر یعنی محدود کر دیا۔ بعدازاں حضرت نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس کی شرح کرتے ہوئے کہا اگر کوئی شخص کسی صحرا میں اپنے لیے مکان بنانا چاہتا ہے تو وہ پہلے تحجر کرتا ہے یعنی چند پتھر گاڑ کر ان سے حد مقرر کرتا ہے۔ کہ اس حد کے اندر میرا مکان بنے گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اس تمثیل کے ذریعے آگاہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت عام ہے تم اس طرح کی دعا کیوں کرتے ہو کہ اے اللہ! مجھے بخش اور میرے محمدؐ کو بخش اور ہمارے علاوہ اور کسی کو نہ بخش، گویا تم خدا تعالیٰ کی بخشش کو متحجر یعنی محدود کرتے ہو ان معنوں میں زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے۔ قَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا

بتّیسویں مجلس

ہفتہ سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی دس تاریخ

سعادت قدم بوسی میسر آئی، اس وقت حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ دھوپ سے سائے میں آرہے تھے۔ ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ سورج کے بالمقابل نہ بیٹھو اس سے چہرے کی طراوت و تازگی جاتی رہے گی۔

پھر شمس دبیر کا ذکر ہوا بندے سے پوچھا کہ تم نے شمس دبیر کو دیکھا تھا! بندے نے عرض کیا جی ہاں دیکھا تھا۔ اس سے میری رشتہ داری تھی فرمایا انہوں نے قاضی حمید الدین ناگوری کی

تالیف کردہ لوائح شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے پڑھی تھی۔ وہ نیک آدمی تھے۔

بعد ازاں فرمایا کہ جب شیخ کبیر افطار کر لیتے تو اس کے بعد وہ بڑے انہماک سے مشغول بہ حق ہو جاتے یہاں تک کہ عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا، افطار کے وقت سے نماز عشا تک کچھ وقفہ ہوتا ہے۔ اس میں شمس دبیر کچھ کھانا پکاتے اور دو تین دوستوں کو بلا کر ان کا افطار کراتے۔ یہاں تک کہ شیخ کے افطار کا وقت ہو جاتا۔ ان دنوں میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ یہ شمس دبیر کے شروع کے زمانے کا ذکر ہے اس وقت وہ مفلس تھے۔ جب وہ برسر روزگار ہو گئے تو ان میں وہ روحانی آب و تاب نہ رہی۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ دنیا کے عروج و اقبال سے یہی ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر نماز تراویح میں گفتگو رہی آپ نے بندے سے پوچھا کہ تم گھر پر نماز تراویح پڑھتے ہو یا مسجد میں، میں نے عرضداشت کی گھر پر پڑھتا ہوں۔ لیکن جس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں وہ بڑا صالح ہے، بعد ازاں فرمایا اس سے پہلے تو تم نے جامع مسجد میں تمام تراویح پڑھی تھیں۔ بندے نے عرض کیا مولانا شرف الدین امام تھے اور وہ ہر رات ایک سیپارہ پڑھتے تھے۔ حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی ایک رات ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اگرچہ اس رات بڑی بارش ہوئی۔ گلیوں میں بڑا کیچڑ تھا لیکن میں گیا اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ بڑا اچھا پڑھتے ہیں اور آرام سے پڑھتے ہیں۔ حروف کو ان کے مخارج سے کما حقہٗ نکالنے پر ان کی نظر رہتی تھی۔ اسی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ سنام ایک عالم دانشمند تھے۔ جنہیں مولانا دولت یار کہتے تھے۔ وہ بھی قرآن بہت ہی اچھا پڑھتے تھے۔ اتنا اچھا کہ کوئی اور نہیں پڑھ سکتا۔

اس موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ میں نے شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز سے چھ سیپارے پڑھے تھے۔ اس کے علاوہ ان سے تین کتابیں اور پڑھی ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کے سامنے پڑھی گئی اور میں نے اُسے سنایا اور دو آپ سے پڑھیں۔

جس روز میں نے آپ سے یہ عرضداشت کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے قرآن پڑھوں۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ بعد ازاں جمعہ کے دن عصر کے وقت تک کہ آپ کو فرصت

ہوتی تھی، آپ کے سامنے کچھ پڑھتا تھا الغرض میں نے شیخ کبیر کے سامنے قرآن کے چھ سیپارے پڑھے جب میں نے قرآن پڑھنے کا آغاز کیا مجھ سے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ پڑھو، جب میں اُسے پڑھتا ہوا الضالین تک پہنچا تو فرمایا ضاد اس طرح پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں ہر چند میں نے چاہا کہ اس طرح پڑھوں جیسے حضرت شیخ نے پڑھا تھا لیکن یہ مجھ سے نہ ہو سکا۔

اس وقت حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ میں کیا فصاحت و بلاغت تھی۔ وہ ضاد کو اس طرح پڑھتے تھے کہ ایسا کسی اور کے بس میں نہیں تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ لفظ ضاد خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے۔ دوسروں کے لیے یہ نہیں تھا۔ ارشاد ہوا کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول الضاد کہتے ہیں اس وقت آپ نے رسول الضا، یعنی ارسلٗ علیہ الضاد کا کلمہ ارشاد فرمایا[1]

تینتیسویں مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی پندرہ تاریخ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ نماز تراویح کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ فرمایا تراویح سنت ہے اور تراویح میں ایک بار قرآن ختم کرنا سنت ہے خواہ ایک رات میں سارا قرآن سن لیں یا تیس راتوں میں تراویح میں کم سے کم ایک بار قرآن سننا چاہیئے۔ اس موقعہ پر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ

---

[1] آج اس زمانے میں عرب اپنے آپ کو بڑے فخر سے الناطقین بالضاد کہتے ہیں۔ یعنی وہ قوم جو ضاد بولتی ہے بات یہ ہے کہ ضاد کی آواز حرف عربوں میں ہے کسی اور قوم میں نہیں ہے (المترجم)

تراویح سنت ہے، جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا سنت ہے۔ اور تراویح میں ایک بار ختم قرآن سنت ہے بندے نے عرض کیا کہ یہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے یا صحابہ رضوان اللہ علیہم کی سنت ہے۔ آپ نے فرمایا یہ سنت صحابہؓ ہے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نماز تین رات پڑھی۔ اور ایک اور روایت ہے کہ صرف ایک رات پڑھی لیکن اس سنت کو ایک مستقل اور دائمی شکل حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں دی۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا سنت صحابہ کو بھی سنت کہیں گے۔ فرمایا ہمارے مذہب میں (یعنی حنفی مذہب فقہ میں) کہتے ہیں البتہ امام شافعی کے فقہی مذہب میں سنت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہو۔

پھر امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوا کہ وہ ماہ مبارک رمضان میں اکسٹھ بار قرآن ختم کرتے تھے۔ ایک بار تراویح میں تیس بار تیس دنوں میں اور تیس بار تیس راتوں میں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ نے چالیس برس تک عشاء کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، اس موقعہ پر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بڑے بڑے علماء اور دانش مند ہوئے ہیں لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئے اور کون تھے۔ امام ابو حنیفہ کا نام اور شہرت جواب تک باقی ہے تو وہ انکے اچھے اعمال کی وجہ سے ہے۔ یہ حیات معنوی ہے۔ اسے حاصل کرنا آسان نہیں شبلی اور جنید کو گزرے کتنا زمانہ ہوگیا لیکن لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ابھی کل اور پرسوں ہی تو گزرے ہیں، یہ بھی حسن اعمال کا نتیجہ ہے، باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

چونتیسویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ شوال کی نو تاریخ ـــــ پائے بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ آپ نے

بندہ سے پوچھا کہ میری باتیں جو سنتے ہو تو انہیں کیا تم لکھ لیتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لکھ لیتا ہوں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تعجب ہے تمہیں یہ یاد رہ جاتی ہیں۔ بندے نے عرض کیا کہ عموماً سب یاد رہتی ہیں۔ اور جو یاد نہیں رہتیں اور ٹھیک ٹھیک قلم بند نہیں ہوتیں ان کے لیے میں کاغذ سفید چھوڑ دیتا ہوں تاکہ آپ سے کبھی دوسری بار سُن کر لکھ لوں، چنانچہ گذشتہ نشست میں آپ نے کہا تھا کہ ایک دفعہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی سے فرمایا تھا کہ آفتاب کے بالمقابل نہ بیٹھو اس سے چہرے کی طراوت و تازگی جاتی رہے گی۔ بندے نے یہ بات دل میں رکھی کہ آپ سے پوچھوں گا۔ کہ یہ حدیث کس طرح ہے؟ آپ کی زبان گوہر افشاں سے ارشاد ہوا کہ میں نے کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں دیکھی البتہ مولانا علاء الدین[1] اصولی سے کہ وہ بدایوں میں میرے استاد تھے۔ میں نے یہ حدیث سنی تھی اور وہ بڑے بزرگ اور کامل صاحب الحال تھے۔

اس جگہ مولانا علاء الدین اصولی کے اوصاف و مناقب کا ذکر ہوا فرمایا وہ بڑے بزرگ تھے بس اتنی بات تھی کہ انہوں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اگر کسی کے رشتۂ مریدی سے وابستہ ہوئے ہوتے تو ایک شیخ کامل صاحب الحال ہوتے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ جب یہ مولانا علاء الدین بچے تھے بدایوں کے کوچوں میں سے ایک کوچے سے گزر رہے تھے، شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کی دہلیز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان کی نظر مولانا علاء الدین پر پڑی آپ نے انہیں بلایا اور وہ جامہ جو خود پہنے ہوئے تھے انہیں پہنا دیا۔ حضرت خواجہ — اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے کہ مولانا علاء الدین کے یہ سب اوصاف و اخلاق اسی جامے کی برکت سے تھے۔

---

[1] حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا اصولی سے فقہ کی کتاب قدوری پڑھی تھی، دستار فضیلت باندھنے کی رسم میں شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید علی مولا موجود تھے۔ انہوں نے اس موقعہ پر مولانا اصولی کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت خواجہ کے متعلق ہندی زبان میں فرمایا تھا۔
"اڑے مولانا! یہ بڈا ہوسی۔ ارے مولانا! یہ بڑا ہوسی"۔

اس موقع پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، مولانا علاء الدین کے پاس ایک کنیز تھی۔ جو انہوں نے خریدی تھی۔ وہ بڑھیا تھی۔ بدایوں کے نزدیک ایک علاقہ مواسی تھا۔ جسے کاٹھیر کہتے ہیں یہ کنیز اس مواسی کی تھی۔ ایک دن یہ کنیز رو رہی تھی مولانا علاء الدین نے اس سے پوچھا تم کیوں رو رہی ہو کہنے لگی میرا ایک بیٹا تھا۔ جس سے میں جدا ہو گئی ہوں مولانا نے اس سے کہا کہ اگر میں تمہیں حوض کے کنارے تک لے جاؤں جو اس شہر سے ایک کوس پر ہے اور وہ جگہ کاٹھیر کے راستے پر ہے۔ کیا وہاں سے تم اپنے گھر کا راستہ معلوم کر لوگی، اس نے کہا ہاں معلوم کر لوں گی۔ مولانا صبح کے وقت اُسے گھر سے لے کر روانہ ہوئے۔ اُسے حوض کے کنارے تک لے گئے۔ اور وہاں چھوڑ دیا۔ حضرت خواجہ نے —— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ارشاد کیا کہ علمائے ظاہر ایسی باتوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ لیکن اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ مولانا اُصولی نے کیا کیا۔

پھر کچھ دیر ان کی دانشمندی و علمیت اور بحث و مباحثہ میں ان کے انصاف پر نگاہ رکھنے کے متعلق گفتگو رہی۔ فرمایا اگر کوئی مشکل لفظ ہوتا یا وہ کسی نکتہ کی وضاحت کرتے اور اس بارے میں اس طرح گفتگو کرتے کہ مجھے تسلی ہو جائے لیکن اس کے باوجود اگر وہ حل نہ ہوتا تو وہ دوسرے موقعہ پر اس پر بحث کرتے اور سمجھاتے۔ حضرت خواجہ نے —— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا یہ کس قدر انصاف کی بات ہے۔

اسی مناسبت سے آپ نے یہ واقعہ بیان کیا ایک دفعہ یہی مولانا علاء الدین ایک کتاب کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس کا ایک نسخہ ان کے پاس تھا۔ اور ایک میرے پاس۔ کبھی وہ پڑھتے اور میں کتاب کو دیکھتا جاتا۔ اور کبھی میں پڑھتا اور وہ کتاب کو دیکھتے، شروع شروع میں ایسا ہوا۔ یہاں تک کہ ایک ایسے مصرعے پر پہنچے جو ناموزوں تھا اور بے معنی بھی، مولانا نے اس پر بہت غور و خوض کیا لیکن مشکل حل نہ ہوئی۔ اتنے میں ایک صاحب آ گئے جنہیں مولانا ملک یار کہتے تھے۔ مولانا علاء الدین نے ان سے کہا کہ اس مصرعے کی تصیح تو کیجئے۔ انہوں نے مولانا ملک یار کے سامنے وہ مصرعہ رکھا۔ مولانا ملک یار نے اس مصرعے کو موزوں اور بامعنی پڑھ کر بتایا چنانچہ اس سے ہمارے دل کو تسلی ہو گئی۔ بعد ازاں مولانا علاء الدین نے مجھ

سے کہا کہ ملک یار نے اس مصرعے کے یہ معنی اپنے باطنی ذوق سے بتائے ہیں۔
حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرماتے تھے کہ میں ذوق کے معنی اس دن سمجھا میں صرف ذوق حسی کو جانتا تھا۔ اس دن میں سمجھا کہ ذوق معنوی کیا ہوتا ہے۔
اسی موقعہ پر ارشاد ہوا کہ ان مولانا ملک یار محمد نے کچھ پڑھا نہیں تھا لیکن خدائے تعالیٰ نے انہیں علم باطن عطا کیا تھا۔ بعد ازاں فرمایا کہ ان مولانا ملک یار کو بدایوں کی جامع مسجد کی امامت پیش کی گئی۔ بعض افراد نے کہا یہ کام ان کے لیے مناسب بھی ہے۔ یا نہیں۔ چنانچہ اس بارے میں ہر شخص اپنی اپنی رائے دیتا تھا۔ یہ خبر مولانا علاء الدین تک پہنچی انہوں نے فرمایا کہ اگر جامع مسجد بغداد کی امامت بھی مولانا ملک یار کو پیش کی جائے۔ تو مولانا کی اہلیت کے مقابلے میں یہ پیش کش ان پر ظلم ہوگا۔ یعنی ان کی اہلیت بہت زیادہ ہے، باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

پینتیسویں مجلس

بدھوار سال مذکور کے ماہ مبارک شوال کی چھبیس تاریخ

سعادت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ صدقہ وخیرات کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا ایک صدقہ ہے ایک مُروّت اور ایک وِقایت۔ صدقہ یہ ہے کہ محتاج کو کوئی چیز دی جائے۔ مروّت یہ ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کو کوئی چیز دے۔ وہ کپڑا ہو یا کوئی تحفہ ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ اور دوسرا دوست بھی پہلے کو اس کے بدلے میں کوئی چیز دے اُسے مروت کہتے ہیں وقایت نہ صدقہ ہے اور نہ مروت۔ وقایت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسرے کی زبان اور طعن وتشنیع سے محفوظ رکھنے کے لیے اُسے کچھ دے یعنی ایک شخص ہے اگر اس کو کوئی چیز

نہیں دی جاتی تو وہ بدگوئی کرتا ہے۔ اور کمینگی پر آتا ہے۔ چنانچہ اپنی حفاظت کے لیے اُسے کوئی چیز دی جاتی ہے۔ اسے وقایت کہتے ہیں۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقہ کے یہ تینوں معنی بیان کئے ہیں اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ حضرت رسالت مآب مؤلفۃ القلوب[1] کو بھی شروع زمانے میں کچھ دیتے تھے۔ جب اسلام قوت پکڑ گیا تو اس کے بعد آپ نے انہیں نہیں دیا۔

ان دنوں لڑائی کے لیے لشکر کشی کا چرچا ہو رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ قرآن مجید کو لشکر میں لے جانا کیسا رہے گا۔ وہاں اس کی حفاظت مشکل ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ لے جانا چاہیئے اس وقت زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جب اسلام کا شروع شروع کا زمانہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے یا جنگ میں جاتے تو مصحف ساتھ لے کر نہ جاتے تھے۔ اس ڈر سے کہ مبادا شکست ہو اور مصحف کافروں کے ہاتھ لگ جائے۔ لیکن جب اسلام قوی ہو گیا اور فوج کی تعداد بڑھ گئی تو پھر جب فوج کسی مہم پر جاتی تو مصحف ساتھ لے جانے لگے بندے نے عرضداشت کی کہ مصحف کو خیمہ میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ (بے ادبی ہونے کا ڈر رہتا ہے) فرمایا اسے سر کی طرف رکھنا چاہیئے۔

اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، سلطان محمود کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا اس سے پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اس نے کہا کہ ایک رات میں گھر میں تھا۔ وہاں کمرے میں ایک طاقچہ تھا۔ جس میں مصحف رکھا تھا میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اس جگہ مصحف رکھا ہے۔ میں کیسے سوؤں۔ پھر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ مصحف کو اس جگہ سے باہر بھجوا دیتا ہوں اس پر میرے دل میں خیال آیا کہ میں اپنے آرام کے لیے مصحف کو کیسے باہر بھجواؤں، الغرض میں ساری رات بیٹھا رہا اور جاگتا رہا۔ چنانچہ جب میرا انتقال ہوا مجھے مصحف کا ادب کرنے پر بخش دیا گیا۔

---

[1] جن لوگوں کی تالیف قلوب منظور ہو انہیں مؤلفۃ قلوب کہتے ہیں قرآن مجید میں آیا ہے :۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ ۹۔۶۰
(بے شک صدقات فقرا، مساکین وصول صدقات پر جانے والوں اور جنکی تالیف قلوب منظور ہے ان کیلئے ہیں)

بندے نے دوسری عرض یہ کی کہ ایک شخص جب کسی فوجی مہم پر جاتا ہے تو اس کے دل میں خیال گزرتا ہے کہ اس کی اگر موت واقع ہو جائے تو وہ خدمت گاروں کو یہ وصیت کر دے کہ جہاں اس کی موت واقع ہو اسی جگہ اس کو دفن کر دیں کیونکہ میت کو دور دراز سے شہر میں لانا نامناسب نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اچھا ہے کہ جہاں یہ شخص وفات پائے وہیں اس کو دفن کر دیا جائے لیکن یہ کہ دفن کرتے وقت میت کو امانت کے طور پر رکھا جائے۔ اور پھر اُسے وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کیا جائے۔ یہ پسندیدہ فعل نہیں۔ ساری زمین اللہ عزوجل کی ملکیت ہے اس میں میت کو امانت رکھنے کے کیا معنی! مگر وہ زمین جو دوسروں کی ملکیت ہو وہاں سے دفن شدہ میت کو نکالنا جائز ہے البتہ جو شخص شہر سے فوجی مہم میں جاتا ہے اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک بڑی مسافت ہو تو اس صورت میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ جہاں وہ وفات پائے اسے وہیں دفن کر دیا جائے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ جو سفر کو جاتا ہے، اور اپنے گھر والوں سے دور ہو جاتا ہے بعد ازاں اُسی غریب الوطنی میں اسے موت آجاتی ہے تو اسے وہیں دفن کر دینا چاہیئے۔ اس کے گھر سے لے کر اس جگہ تک جہاں اُسے دفن کیا گیا ہے جتنی مسافت ہوگی، اس قدر بہشت میں اس کو جگہ دی جائے گی۔

کچھ دیر بادشاہوں کے اچھے اعتقادات رکھنے اور اسرارِ صالح کے بارے میں گفتگو ہوئی آپ نے فرمایا ایک بادشاہ بدرجہ غایت نیک صلاحیت رکھنے والا اور صاحب کشف تھا۔ ایک دن وہ اپنے مکان کے دریچے میں بیٹھا تھا۔ اور وہاں سے شہر کے اطراف کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی بیوی تخت پر اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ اسی اثنا میں بادشاہ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی کچھ دیر تک اس کی آنکھیں اُدھر لگی رہیں۔ ازاں بعد پھر اس نے شہر کے اطراف کو دیکھا اور دوبارہ اوپر کی طرف نظر کی۔ اور دیر تک آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور رونے لگا۔ اس کی بیوی نے کہا یہ کیا ہے کچھ دیر آپ نے آسمان کی طرف دیکھا پھر شہر کے اطراف کو دیکھا دوبارہ پھر آسمان کی طرف نظر کی اور پھر میری جانب دیکھا۔ اور رونے لگے! بادشاہ نے کہا کہ اس مسئلے کو چھوڑ دو یہ اس لائق نہیں کہ اس پر گفتگو ہو، بیوی نے بے حد اصرار کیا اور کہا کہ وہ ضرور کچھ بتائیں۔ بادشاہ کہنے لگا اب جو تم اصرار کرتی ہو تو میں بتاتا ہوں۔

اس نے کہا تم جان لو اور اچھی طرح سے آگاہ ہو جاؤ۔ کہ اس گھڑی میری نگاہ لوح محفوظ پر پڑی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ میرا نام زندہ لوگوں کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ میری وفات کا وقت آگیا پھر میں نے دوبارہ دیکھا کہ میری جگہ کون لے گا۔ میں نے دیکھا کہ ان اطراف کا ایک حبشی میری جگہ پر بیٹھے گا۔ اور تو اس کے نکاح میں آئے گی۔ یہ تھا جو میں نے دیکھا۔ جب بادشاہ کی بیوی نے یہ سنا تو اس نے کہا کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو۔ اور کیا کرنا چاہتے ہو بادشاہ نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو بھی خدائے عزّوجل نے فیصلہ کیا ہے ویسا ہی ہوگا، میں اس کے فیصلے سے راضی ہوں اسی وقت بادشاہ نے اس حبشی کو شہر کے اطراف سے طلب کیا اُسے اپنا وہ لباس پہنایا۔ جو وہ پہنے ہوئے تھا۔ اور اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا پھر اس کو ایک لشکر دے کر ایک مہم پر جانے کا حکم دیا۔ اور امراء کو اس کے ماتحت کر کے ان کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ حبشی اس فرمان کے مطابق گیا اس نے وہ مہم سر کی بادشاہ کا جو دشمن تھا۔ اُسے قتل کیا اور بہت سا مال غنیمت اس کے ہاتھ آیا۔ غرض وہ کامیاب ہو کر لوٹا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جس رات وہ حبشی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے دوسرے دن بادشاہ انتقال کر گیا۔ جس طرف وہ حبشی لشکر لے کر گیا تھا۔ وہاں اس نے خلقت کے ساتھ اتنا اچھا برتاؤ کیا کہ وہ لوگ اس سے محبت کرنے لگے۔ چنانچہ جب بادشاہ وفات پا گیا تو حکومت اس حبشی کے پاس آگئی۔ اور بادشاہ کی بیوی نے بھی اس سے نکاح کر لیا۔

پھر کچھ دیر حکماء کا ذکر ہوا۔ فرمایا، فاراب میں ایک حکیم و فلسفی تھا۔ ایک دن وہ خلیفہ کی مجلس میں مختصر سے کپڑے اور عام لباس پہن کر آیا۔ وہ ترک تھا۔ اس نے خلیفہ کو نغمہ و سرود سنایا چنگ (ایک باجا) اٹھایا اور بجانا شروع کیا۔ اس حکیم نے موسیقی کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک مُضحک یعنی جو ہنسی لائے دوسری مبکی یعنی جو رولائے۔ تیسری قسم منوّم جو سلا دے یعنی بیہوش کر دے الغرض جب حکیم فاراب نے چنگ بجانا شروع کیا تو پہلے ساری مجلس ہنسنے لگی اس کے بعد اس نے اس طرح بجایا کہ سب بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت حکیم فاراب نے ایک جگہ یہ عبارت ـــ فَارَابُ قَدْ حَضَرَ هٰهُنَا وَغَابَ ۔ یعنی حکیم فاراب یہاں آیا اور پھر غائب ہو گیا لکھی اور چلا گیا۔ جب اہل مجلس ہوش میں آئے اور انہوں نے یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی تو انہوں نے

کہاکہ یہ حکیم فاراب تھا۔ کاش ہم پہلے جانتے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ یہی حکیم خلیفہ کے پاس آیا تھا اور اس نے اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کے برخلاف یہ کہہ کر کہ آفتاب کی حرکت ارادی ہے۔ خلیفہ کو بدعقیدہ کرنا چاہا تھا اسی کے عہد میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ خلیفہ اس حکیم کے عقیدہ کی طرف مائل ہو رہا ہے اور خلیفہ کے پاس آئے۔ یہ حکایت اس سے پہلے ان اوراق میں آچکی ہے۔ القصہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنی کرامت سے اس فتنے کو فرو کیا اور وہ فرشتہ جو خدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آسمان کو حرکت دیتا ہے۔ اُسے انہوں نے خلیفہ اور اس حکیم کو دکھا دیا[1]۔

حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کر رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ رات کو میرے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا اس کا نام عمر اور لقب شہاب الدین رکھو۔ اس لیے کہ ہم اس وقت شیخ شہاب الدین کا ذکر کر رہے ہیں چنانچہ انہیں کا نام اور لقب ہونا چاہیئے۔ حاضرین میں سے ایک نے اس آدمی سے کہا کہ دیکھو تم اس بچے کا نام عمر رکھو گے اب جب کبھی تم اس کا نام لے کر پکارو تو اُسے حقارت سے نہ پکارنا۔ اسی کی مناسبت سے حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ ارشاد کیا۔ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد تھا۔ شیخ نجیب الدین متوکل بار ہا ان پر ناراض ہوتے جب وہ عین غصے میں ہوتے تو انہیں صرف یہی کہتے اے خواجہ محمد! تم نے ایسا کیوں کیا! اے خواجہ احمد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ اگر وہ بہت زیادہ غصے میں ہوتے تو ان کا نام یوں لیتے۔ اے خواجہ محمد! اے خواجہ احمد!۔

اس موقع پر آپ نے نام رکھنے کی مناسبت سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] اوصاف تو حکیم ابونصر فارابی کے گنائے گئے ہیں مگر وہ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ہمعصر نہ تھے۔ دونوں کے مابین تقریباً دو سو سال کا فاصلہ حائل ہے۔ لہٰذا فرض کر لینا چاہیئے کہ یہ حکیم فاراب کوئی اور شخص ہوں گے۔

بہت سے نام تبدیل کر دیے تھے اگر کسی کا نام ناپسندیدہ اور کراہت والا ہوتا تو آپؐ اُسے بدل کر کوئی اچھا نام رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص حضرت رسالت مآبؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے اس نے کہا عاصی (یعنی گنہ گار) رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تمہارا نام مطیع (یعنی فرماں بردار) رکھ رہا ہوں، ایک اور دفعہ ایک شخص رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے! اس نے کہا مضطجع۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زمین پر لیٹا ہو۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارا نام مُنبعث رکھدیا۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زمین سے اپنا پہلو اٹھائے۔ اور کھڑا ہو جائے۔ ایک دفعہ ایک عورت رسالت مآبؐ کے پاس آئی۔ آپؐ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے! اس نے کہا شعب[1] الضالہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام شعب الھدیٰ رکھ دیا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کا نام جَمَل (اونٹ) رکھا اس لیے کہ وہ بڑا مضبوط و توانا تھا۔ یوں ہوا کہ ایک دفعہ لوگ ایک منزل سے دوسری منزل کو جا رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے اس آدمی کو مطہرہ[2] دیا اور کہا اسے اگلی منزل تک پہنچا دینا۔ ایک اور آیا اس نے اُسے کپڑے دیئے۔ ایک تیسرا آیا اس نے اسے کوئی اور چیز دی، اس آدمی نے یہ سب سامان اُٹھا لیا اس پر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا نام جَمَل (اونٹ)، رکھ دیا۔

بعد ازاں آپ نے یہ واقعہ بیان کیا، جب امیر المومنین حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت مصطفیٰ علیہ السلام مبارک باد دینے کے لیے آئے آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس کا کیا نام رکھا ہے حضرت علی رضؓ نے کہا۔ حزن[3]۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس کا حسن نام رکھو۔ پھر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبارکباد

---

[1] شِعب کے معنی گھاٹی کے ہیں شَعب کے معنی قوم کے ہیں۔ (المنجد)

[2] مَطْہرہ، آفتابہ، برتن پانی کا جس سے وضو وغیرہ کرتے ہیں۔

[3] حُزن، غم، پریشانی۔ کتاب کے ایک نسخہ میں حزن کے بجائے حرب ہے۔

دینے کے لیے آئے ۔ تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس کا کیا نام رکھا ہے، حضرت علیؓ نے کہا حرب ۔آپ نے فرمایا نہیں اس کا نام حسین رکھو۔

کچھ دیر اس بات کا ذکر رہا، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ پیر سے رشتۂ مریدی میں منسلک ہوتے ہیں لیکن جب وہ پیر سے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی طبیعت پہلی سی نہیں رہتی۔ اس مناسبت سے آپ نے یہ واقعہ بیان کیا۔ ایک بزرگ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص میرے پاس آتا ہے اور پھر جب وہ واپس جاتا ہے اور مجھ سے دور ہو جاتا ہے تو یوں دکھائی دیتا ہے گویا میرے اور اس کے درمیان ایک ستون حائل ہو گیا وہ طبیعت جو اس کی پہلے ہوتی ہے وہ برقرار نہیں رہتی۔

اسی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اگر مجھے یہ اختیار دیا جائے کہ جس مکان میں میں رہتا ہوں اس میں اس حالت میں میری جان قبض کی جائے کہ میرا ایمان میرے ساتھ ہو یا مکان کے بیرونی دروازے پر مجھے شہادت عطا کی جائے۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمانے لگے، کہ وہ دروازہ جو گھر کے اندر ہوتا ہے اُسے باب البیت کہتے ہیں۔ اور وہ دروازہ جو گھر کی باہر کی طرف ہوتا ہے۔ اُسے باب الدار کہتے ہیں۔ الغرض اس بزرگ نے یوں کہا کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے۔ اور مجھ سے کہا جائے کہ کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تیری جان اس دروازے پر جو باب البیت ہے اور جہاں تم فی الحال ہو اسی حالت میں نکالی جائے۔ کہ تیرا ایمان تیرے ساتھ قائم ہو۔ یا اس دروازے پر جو باب الدار ہے۔ تمہارے باب البیت سے وہاں تک جانے پر تجھے شہادت عطا ہو تو میں کہوں گا۔ کہ میری جان اس دروازے پر جو باب البیت ہے۔ اس حالت میں نکالی جائے۔ کہ میرا ایمان میرے ساتھ ہو یعنی کون جانے کہ جب میں باب البیت، گھر کے اندر کے دروازے سے نکل کر جب اس جگہ پہنچوں جہاں باب الدار، گھر کا باہر کا دروازہ ہے تو میرا ایمان سلامت رہے یا نہ رہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ پیر سے دور ہو جانے پر لوگوں کی طبیعتوں میں تغیر کا آنا صرف اسی زمانے کی بات نہیں۔ قدیم زمانے میں بھی اسی طرح ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے رحلت فرما گئے۔ تو کئی ہزار مسلمان مرتد ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر تم ہمارے مالوں سے زکوٰۃ کا حکم واپس لے لیتے ہو تو ہم مسلمان رہیں گے ورنہ نہیں اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو طلب کیا ان سے مشورہ لیا۔ بعض نے رائے دی کہ اگر خلیفہ ان کے ساتھ نرمی کریں اور فی الحال ان سے زکوٰۃ کا حکم واپس لے لیں تاکہ یہ اسلام سے پھر نہ جائیں۔ تو یہ مصلحت کے زیادہ قریب ہوگا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی اور کہا جو خدا کا حق ہے اگر اس میں سے وہ رسی جس سے کہ اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ یہ لوگ کم دیں گے تو میں اس تلوار کے ساتھ ان سے جہاد کروں گا۔ یہ خبر امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ خلیفہ نے ٹھیک کہا ہے اگر وہ اس کی اجازت دے دیتے کہ ان لوگوں سے زکوٰۃ کا حکم اٹھا لیا جائے۔ تو جب دوسرا خلیفہ آتا تو وہ اس سے کہتے کہ ہم سے نماز کا حکم اٹھا لیا جائے۔ چنانچہ اسی طرح اسلام کے تمام احکام معطل ہو جاتے۔

بعدازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص مجھ سے وابستہ تھا جب وہ یہاں سے چلا گیا تو کچھ عرصہ اس کی طبیعت اسی معمول پر رہی۔ لیکن بعدازاں اس میں تغیر آگیا اور وہ حالت جاتی رہی اسی طرح ایک اور آدمی کی بات ہے جو مجھ سے دور چلا گیا۔ اور کافی دیر اسی حالت پر رہا۔ جو میرے سامنے تھی۔ اگرچہ کافی دیر تک اس کی طبیعت اسی معمول پر رہی، لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ معمول نہ رہا۔ اور اس میں تغیر آگیا۔ اس موقعہ پر آپ مجھ دعاگو کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص جو مجھ سے وابستہ اور پیوستہ ہے اپنی طبیعت کے اسی معمول پر ہے۔ اور اس میں کوئی تغیر نہیں آیا۔

جب حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ ان الفاظ پر پہنچے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور اس رقت کی حالت میں زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ آج کے دن ان کی اپنی محبت برقرار ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے والحمد للہ رب العالمین۔

چھتیسویں مجلس

منگل وار، سال مذکور کے ماہ ذی قعدہ کی دس تاریخ

سعادت دست بوسی میسر ہوئی۔ کچھ دیر خواجہ شاہی موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ کا جو بدایوں میں تھے ذکر آیا فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شاہ روشن منیر کہا تھا جب انہوں نے خواجہ شاہی موئے تاب کو خرقہ[1] عطا فرمایا شیخ محمود موئینہ[2] دوز کی خدمت میں ایک آدمی کو بھیجا اور اس کے ذریعہ یہ کہلوایا کہ آج میں نے خواجہ شاہی کو خرقہ دیا ہے۔ کیا آپ کو پسند ہے شیخ محمود موئینہ دوز نے فرمایا کہ جو کچھ بھی آپ نے کیا وہ پسندیدہ اور ٹھیک ہے۔

یہاں سے خواجہ شاہی موئے تاب کے بھائی خواجہ ابوبکر موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل پڑا۔ مولانا سراج الدین حافظ بدایونی نے کہ وہ مرید خاص ہیں، بتایا کہ ایک رات خواجہ ابوبکر موئے تاب اٹھے، نئے سرے سے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور رحمت حق سے ہمکنار ہوگئے یعنی انتقال فرما گئے۔ حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے فرمایا: کما تعیشون تموتون (جیسے تم زندگی گزارتے ہو اسی طرح تم کو موت آئے گی)۔

---

[1] خرقہ گدڑی، فقیروں کا خاص لباس جو شیخ اپنے مرید کو سلسلۂ طریقت میں داخل کرتے وقت یا راہِ سلوک کی تکمیل سے پہلے یا اس کے بعد عطا کرتا ہے۔

[2] پوستین کو موئینہ کہتے ہیں۔ وہ لباس جو پشم والے جانوروں کی کھال سے بنایا جاتا ہے وہ پوستین ہے پوستین کا لباس بنانے والے کو موئینہ دوز کہتے ہیں۔

یہاں سے بات شیخ احمد نہروانی[1] کے بارے میں ہونے لگی۔ آپ نے ارشاد کیا کہ وہ مرد بزرگ تھے۔ شیخ بہاالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ بہت کم کسی کو پسند کرتے تھے انہوں نے شیخ احمد نہروانی کے متعلق کہا ہے کہ اگر کوئی احمد نہروانی کی مشغولیت بہ حق کو تولے تو وہ دس صوفیوں کی مشغولیت بہ حق کے برابر ہوگی۔ یہ احمد نہروانی جب جامع مسجد جاتے تو ان کے اصحاب و احباب ان کے ساتھ ساتھ ہوتے، چنانچہ آدمیوں کی ایک بھیڑ کے ساتھ وہ جامع مسجد جایا کرتے۔ ایک اور درویش تھے جنہیں شیخ علی شوریدہ کہا جاتا تھا۔ وہ ہمیشہ شیخ احمد نہروانی کو منع کرتے کہ آپ اس طرح آدمیوں کی ایک بھیڑ کے ساتھ جامع مسجد نہ جایا کریں ایک روز ایسا ہوا کہ شیخ احمد نہروانی اسی طرح احباب کے ساتھ مسجد جا رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو پیٹ رہا ہے۔ شیخ احمد نہروانی اپنے احباب کے ساتھ وہاں پہنچے اور اس کے ارد گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہو گئے اور اس مظلوم کی اس پیٹنے والے سے خلاصی کرائی۔ اسی اثنا میں شیخ علی شوریدہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب شیخ احمد نہروانی نے انہیں دیکھا کہا ایسے ہی جیسے کاموں کے لیے تو میں احباب کے ساتھ گھر سے نکلتا ہوں۔

پھر کچھ دیر یہ ذکر رہا کہ شیخ احمد نہروانی کس کے مرید تھے۔ آپ نے فرمایا، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ کس کے مرید تھے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ کہتے ہیں کہ یہ نعمت انہیں مادھو فقیہہ سے ملی تھی۔ یہ مادھو فقیہہ جامع مسجد اجمیر کے امام تھے۔ ایک دن شیخ احمد نہروانی ہندی گانے گا رہے تھے۔ شروع جوانی میں ان کی آواز بڑی اچھی تھی۔ اور وہ ہندی گانے بہت اچھے گاتے تھے جب فقیہہ نے انہیں گاتے سنا تو ان سے کہا کہ تم اتنی اچھی آواز رکھتے ہو۔ افسوس ہے کہ تم اسے ہندی گانوں پر صرف کر رہے ہو مادھو فقیہہ نے ان سے کہا قرآن حفظ کرو، چنانچہ انہوں نے قرآن حفظ کر لیا۔ وہ ایک باصلاحیت آدمی تھے، حضرت خواجہ نے اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ بھی ارشاد کیا کہ وہ مجلس سماع جس کے نتیجہ میں شیخ قطب الدین بختیار کی وفات ہوئی۔

---

[1] آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے۔
مزید حالات دیکھئے جلد ۵ مجلس ۲۸

اس مجلس میں شیخ احمد نہروانی بھی موجود تھے۔ شیخ قطب الدین بختیار کی وفات کا ذکر ان اوراق میں پہلے ہو چکا ہے۔

اس کے بعد کچھ دیر بدایوں کے درویشوں کا ذکر ہوتا رہا آپ نے فرمایا کہ بدایوں میں ایک درویش تھا جسے عزیز بشیر کہتے تھے۔ وہ بدایوں سے دہلی آیا تاکہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند مولانا ناصح الدین سے خرقہ لے۔ اس غرض کے لیے اس نے حوض سلطان کے کنارے کچھ لوگ بلائے بعض درویش بھی وہاں موجود تھے۔ اس اثنار میں ہر شخص حوض سلطان کے پانی کی شیرینی کی تعریف کرنے لگا۔ یہ عزیز بشیر جو بدایوں سے خرقہ لینے آیا تھا۔ جب اس نے حوض سلطان دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ تو معمولی حوض ہے بدایوں میں جو حوض ساغر ہے وہ اس حوض سے بہتر ہے محمد کبیر وہاں موجود تھے جب انہوں نے یہ بات سنی مولانا ناصح الدین سے کہا کہ اُسے آپ خرقہ نہ دیں۔ بر شیخی خورہ ہے۔ چنانچہ مولانا ناصح الدین نے ایسا ہی کیا اور اُسے خرقہ نہ دیا۔

اسی دوران میں پھر خواجہ شاہی موئے تاب کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ ان کی بدایوں میں بڑی شان تھی، ساری خلقت ان کے پاس آتی تھی۔ اور جہاں بھی وہ جاتے ان کے ارد گرد ایک بھیڑ لگ جاتی۔ خواجہ شاہی موئے تاب سیاہ رنگ کے تھے۔ اس زمانے میں بدایوں میں ایک اور درویش تھے۔ جنہیں مسعود نخاسی کہتے تھے۔ جب انہوں نے خواجہ شاہی کا یہ غلغلہ دیکھا تو کہا کہ اے سیاہ رنگ کے حمام! تو نے لوگوں کو خوب گرم کیا ہے تو جلد جل جائے گا۔ حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا ایسا ہی ہوا، جیسے انہوں نے کہا تھا۔ خواجہ شاہی موئے تاب کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

یہاں سے بات بدایوں کے کوتوال خواجہ عزیز کی طرف مڑ گئی۔ آپ نے فرمایا وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ درویشوں کا مرید تھا۔ اور شیخ ضیاء الدین سے جو بدایوں میں تھے۔ ارتباط رکھتا تھا۔ کبھی کبھی وہ درویشوں کو یاد کرتا۔ انہیں اپنے ہاں بلوا بھیجتا ان سے احوال کہتا اور ان کے ساتھ بڑی اچھی اچھی باتیں کرتا۔ اس نے بدایوں میں جوانی میں شہادت پائی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرمانے لگے۔ کہ ایک روز میں بدایوں کے آموں کے باغوں کی طرف نکل گیا۔

جسے لکھی الہ کہتے ہیں۔ خواجہ عزیز کو توال ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور دستر خوان چنا ہوا تھا۔ جب اس نے مجھے دور سے دیکھا تو آواز دے کر کہا خوش آمدید! خوش آمدید! میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایذا دے، جب میں پہنچا تو اس نے بڑی عزت و تعظیم کے ساتھ بٹھایا چنانچہ میں نے کھانا کھایا اور لوٹ آیا۔

مولانا سراج الدین حافظ بدایونی بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے کہ مَنْ لَیْسَ لَہٗ شَیْخٌ فَشَیْخُہٗ اَبْلِیْسُ؟ (جس شخص کا کوئی شیخ یا پیر نہ ہو اس کا شیخ یا پیر ابلیس ہوتا ہے) حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ یہ حدیث نہیں مشائخ کا قول ہے۔ مولانا سراج الدین نے پھر پوچھا کہ کیا مَنْ لَمْ یَرَ مُفْلِحًا لَا یُفْلِح اَبَدًا (جو کسی فلاح دینے والے کو نہیں پاتا اسکی کبھی فلاح نہیں ہوتی) یہ بھی حدیث ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بھی مشائخ کا قول ہے اس موقعہ پر آپ نے ایک درویش کا ذکر کیا کہ وہ اگر کسی کو دیکھتا کہ کسی کے رشتۂ مریدی سے وہ منسلک نہیں تو کہتا کہ یہ شخص کسی کے پلڑے میں نہیں بیٹھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے آدمی کا کوئی وزن نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص کسی پیر سے رشتہ مریدی رکھتا ہے یہ مرید جو کچھ بھی کرتا ہے کل کو قیامت کے دن اس کے عمل پیر کے پلڑے میں رکھے جائیں۔ پس جو شخص کسی کا مرید نہ ہو اس کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں کسی کے پلڑے میں نہیں بیٹھا۔ یعنی یہ کہ اس کا کوئی پیر نہیں ہے۔

پھر کچھ دیر اس امر پہ بات ہوئی کہ کرامت کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا: کرامت دکھانا کوئی بڑا کام نہیں۔ ایک راست رو مسلمان کو چاہیئے کہ وہ گدائے بیچارہ ہو اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ خواجہ ابوالحسن نوری[1] رحمۃ اللہ علیہ دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے وہاں ایک ماہی گیر مچھلیاں پکڑتے دیکھا آپ نے اس سے کہا کہ جال پانی میں ڈال اور مچھلی پکڑ۔ اگر میں صاحب ولایت ہوں تو جال میں ایک مچھلی آئے گی جو پورے

ل شیخ علی ہجویری (م ۴۷۰ھ) نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اپنے زمانے کے بارہ طریقت کے مسلک گنائے ہیں ان میں سے ایک مسلک نوریہ ہے جو ابوالحسن نوری سے منسوب ہے۔ اس مسلک میں "صحبت" کو عزلت پر ترجیح دی جاتی ہے

ڈھائی من کی ہوگی نہ اس سے کچھ کم ہوگی اور نہ زیادہ ، ماہی گیر نے جال پانی میں ڈالا چنانچہ اس میں ایک مچھلی آگئی جب اُسے تولاگیا تو وہ پوری ڈھائی من کی نکلی۔ اس سے کچھ زیادہ نہ اس سے کچھ کم۔ یہ خبر شیخ جنید قدس اللہ سرہ العزیز تک پہنچائی گئی، آپ نے فرمایا کاش اس جال میں ایک سیاہ سانپ آجاتا۔ جو ابوالحسن کو کاٹتا۔ اور اُسے ہلاک کر دیتا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ایسا کیوں فرما رہے ہیں۔ آپ نے کہا اگر جال میں سانپ آجاتا اور وہ اُسے کاٹتا جس سے وہ ہلاک ہو جاتا تو اس وقت وہ شہید تو مرتا چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لیے میں کیا جانوں کہ اس کا خاتمہ کیونکر ہوگا۔

اسی سلسلہ میں آپ نے ایک درویش کی حکایت بیان کی اگر کسی کے پیٹ میں درد ہوتا وہ کہتے کہ اسے اوجھڑی پکاکر دو۔ اُسے کھائے گا تو اچھا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کے سر میں درد ہوتا کہتے اسے سری بھون کر دو۔ کھائے گا اچھا ہو جائے گا۔ چنانچہ جیسا وہ کہتے ویسا ہی ہوتا۔ شیخ علی شوریدہ نے ان سے کہا۔ کہ ایسی باتیں نہ کیجئے۔ آپ کو نقصان پہنچے گا۔ آخر کار ایسا ہی ہوا۔ وہ درویش کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے شیخ علی شوریدہ ان کے پاس گئے اور کہا میں نہ کہتا تھا کہ ایسی باتیں نہ کیجئے آپ کو نقصان پہنچے گا۔ آپ نے میری بات نہ سُنی یہاں تک کہ آپ اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ درویش نے کہا۔ میں نے بُرا کیا اب آپ میرے لیے دعا کریں تاکہ میں اچھا ہو جاؤں۔ شیخ علی شوریدہ نے دعا نہ کی۔ اور وہ درویش اسی تکلیف میں وفات پا گئے۔

سینتیسویں مجلس

جمعرات سال مذکور کے ماہ ذی الحج کی گیارہ تاریخ

سعادت دست بوسی نصیب ہوئی۔ چونکہ ایام تشریق تھے۔ آپ کے پاس ایک خلقت آجا

رہی تھی اور کھانے برابر لائے جارہے تھے۔ اس موقعہ پر آپ نے بر سبیل مزاح فرمایا ایک درویش سے پوچھا گیا کہ تمہیں کلام اللہ میں سے کون سی آیت سب سے زیادہ پسند ہے اس نے کہا اُکُلُھا دائم[1] اس وقت آپ نے "اکل" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "اَکل" ہے "اُکُل" ہے "اَکلۃ" ہے اور "اُکلۃ" ہے۔ لبدازاں ان چاروں کلموں کی یوں تشریح کی۔ اَکل مصدر ہے "اُکُل" وہ چیز جو کھائی جائے۔ "اَکلۃ" ایک بار کھانا کھانا اور "اُکلۃ" لقمہ۔

اس اثنا میں ایک صاحب آگئے انہوں نے اپنا ایک خرد سال بیٹا مع ایک تختی کے خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ اپنے قلم مبارک سے اس تختی پر کچھ لکھ دیں تاکہ اس کی برکت سے خدا تعالیٰ اس کے لیے قرآن کی تحصیل ممکن کر دے۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس کی تختی پر اپنے دستِ مبارک سے لکھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اب ت ث ج ح خ اس وقت آپ نے فرمایا۔ جب کبھی کوئی چیز کسی کام کے پورا ہونے کے لیے لکھی جائے۔ اور لکھتے وقت قلم تیز تیز چلے اور قلم کے چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو وہ کام جلد ہو جاتا ہے۔ اگر قلم دشواری کے ساتھ چلے اور اس کے چلنے میں تاخیر ہو تو اس کام کے ہونے میں بھی رکاوٹ اور تاخیر ہوتی ہے۔ اس وقت ارشاد ہوا کہ یہ باتیں عقل سے معلوم ہو جاتی ہے۔ لہذا اس کا اظہار جائز ہے۔

پھر ایک درویش کی حکایت بیان کی، فرمایا ایک درویش تھا جو گجرات (کاٹھیاوار) گیا تھا اس نے خود بیان کیا کہ میں نے گجرات میں ایک دیوانے کو دیکھا کہ وہ واصل باللہ اور صاحب کشف تھا۔ میں اور وہ دیوانہ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ اور ایک ہی حجرے میں سوتے تھے۔ ایک دفعہ میں ایک حوض کی طرف گیا اس حوض کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اور کسی کو اس حوض کے پاس

---

[1] پوری آیت یہ ہے:۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ط (۱۳-۳۵)

(اس جنت کی مثال جس کا نیکوکاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور اس کا میوہ دائمی ہے اور اس کا سایہ بھی)

پاؤں رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن چونکہ اس حوض کے نگران سے میری دوستی تھی اس لیے مجھے وہ اس حوض میں وضو کرنے کے لیے اجازت دے دیتا تھا۔ بعض عورتیں جو پانی بھرنے کے لیے آتی تھیں وہ انہیں حوض میں آنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ ایک بڑھیا اس درویش کے پاس آئی اور اس سے کہا کہ میرا یہ گھڑا پانی سے بھر کر لادو۔ وہ درویش کہتا تھا کہ میں نے اس بڑھیا کا گھڑا پانی سے بھر کر اُسے دے دیا۔ پھر ایک اور عورت آئی۔ اس نے مجھے ایک گھڑا دیا اور کہا کہ اسے بھی بھر کر لادو۔ میں نے وہ بھی بھر کر دے دیا۔ اسی طرح میں نے چار پانچ عورتوں کے گھڑے بھر کر انہیں دیئے الغرض جب میں حوض سے واپس آیا اور حجرے میں پہنچا تو وہ دیوانہ سو رہا تھا۔ میں حجرے کے اندر گیا اتنے میں نماز کا وقت آگیا اور میں نے چاہا کہ نماز ادا کروں میں نے بلند آواز سے تکبیر کہی دیوانہ جاگ گیا اور مجھ سے کہنے لگا یہ کیا شور کر رہے ہو کام وہی تھا کہ تم نے ان کے گھڑے انہیں پانی سے بھر کر دے دیئے۔

اڑتیسویں مجلس

جمعرات ۷۱۱ھ کے ماہ شعبان مبارک کی بارہ تاریخ

کوئی آٹھ ماہ کے بعد دولت پائے بوسی میسر آئی۔ اس غیر حاضری کا سبب یہ تھا کہ میں لشکر کے ساتھ دیوگیر (دکن) چلا گیا تھا۔ جب جمعرات کو سعادت پائے بوسی میسر ہوئی۔ تو بڑی شفقت و محبت فرمائی اور راستے کی تکلیفوں اور مشقتوں کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے بہت زیادہ بندہ نوازی فرمائی۔ میرا آزاد کردہ غلام ملیح جو اس سفر میں میرا رفیق تھا۔ گو وہ تھوڑا سا بیمار تھا لیکن اس تکلیف کے باوجود وہ قدم بوسی کے لیے حاضر ہو گیا تھا۔ اور کاتب الحروف کی معیت میں خدمت میں موجود تھا۔ آپ نے اس کی بیماری کے متعلق پوچھا میں نے عرض کیا کہ راستے میں اس کی بیماری

کی وجہ سے مجھے ٹھہرنا پڑا۔ ارشاد ہوا تم نے بڑا اچھا کیا اگر ایک دوست کسی کے ساتھ سفر میں جاتا ہے اور اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی خبر گیری کرنا اور اس کا خیال رکھنا واجب ہے۔

اس واقعہ کی مناسبت سے آپ نے فرمایا: ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ وہ کسی شہر میں چالیس دن نہیں ٹھہرتے تھے۔ جہاں بھی وہ جاتے چالیس دن سے کم ٹھہرتے پھر وہاں سے دوسری جگہ روانہ ہو جاتے ان کا عمر بھر یہی معمول رہا۔ ایک دفعہ ایک نوجوان نے ان کے ساتھ رہنے کی التماس کی۔ ابراہیم خواص نے کہا تم میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔ میں کبھی اس شہر میں ہوں کبھی اس شہر میں کبھی تو سامان ہوتا ہے اور کبھی سرے سے کوئی سامان ہوتا ہی نہیں تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے وہ نوجوان ان کی یہ بات سُنکر بھی باز نہ آیا اس نے کہا میں تو آپ کا ضرور ساتھ دوں گا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو ابراہیم خواص مان گئے۔ الغرض ابراہیم خواص اپنے مقرر شدہ دستور کے مطابق شہر شہر گھومنے لگے۔ وہ جہاں بھی جاتے، چالیس دن سے کم ٹھہرتے گھومتے گھومتے وہ ایک جگہ پہنچے جہاں وہ نوجوان بیمار ہو گیا خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی بیماری کی وجہ سے اس جگہ تین مہینے ٹھہرے۔ بعدازاں ایک دن اس نوجوان کا نان اور مچھلی کھانے کو جی چاہا۔ چنانچہ شیخ ابراہیم سے اس کا ذکر کیا ان کے پاس ایک گدھا تھا۔ جس پر وہ کبھی کبھی سفر کے دوران میں سوار ہو جایا کرتے تھے۔ اس گدھے کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور سامان نہ تھا۔ کہ جس کے بیچنے سے انہیں کچھ پیسے مل جاتے۔ بہرحال انہوں نے وہ گدھا بیچ دیا اور اس نوجوان کی خواہش پوری کر دی۔ جب کچھ عرصہ گذرا اور وہ نوجوان قدرے صحت یاب ہو گیا تو خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے عزم سفر کیا۔ نوجوان نے ان سے کہا کہ آپ اپنا گدھا مجھے دے دیں تاکہ میں اس پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ چل سکوں۔ اس وقت ابراہیم کو ضرورت پڑی کہ اس نوجوان کو صورت حال سے آگاہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اُسے بتایا کہ میں نے وہ گدھا بیچ دیا اور اس کی قیمت سے تمہارے لیے نان اور مچھلی کا انتظام کیا۔ الغرض اس جگہ سے وہ دونوں ایک سمت کو روانہ ہو گئے۔ اور تین دن تک خواجہ ابراہیم اس نوجوان کو اپنی پشت پر اٹھائے چلتے رہے۔ حضرت خواجہ کا ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس حکایت کو بیان

کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ہم صحبتوں اور ساتھیوں سے آدمی کو اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

جب یہ حکایت ختم ہوگئی۔ آپ نے اپنی بیماری کا ذکر کیا۔ بندے نے بھی یہ ناخوشگوار خبر لشکر گاہ میں سنی تھی، لوگ کہتے تھے کہ کسی نے آپ پر جادو کر دیا ہے میں نے یہ بات عرض کی اور پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ آپ نے فرمایا میں نے دو مہینے سخت بیماری دیکھی، یہاں تک کہ ایسے آدمی کو لایا گیا جسے جادو کی علامات کا سراغ لگانے میں بڑی مہارت تھی۔ وہ آدمی آیا۔ مکان کے دروازے کے سامنے اور اس کے اردگرد گھومتا رہا وہ بار بار زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھاتا اور اُسے سونگھتا۔ اس اثنا میں اس نے ایک جگہ سے مٹی اٹھائی۔ اُسے سونگھا اور کہا۔ یہاں کھودو، وہاں سے کھودا گیا تو جادو کی علامت ظاہر ہوئی۔ اُسی وقت بیماری میں تھوڑا سا افاقہ محسوس ہوا۔ اسی دوران میں اس آدمی نے کہا کہ مجھے اس امر میں اس قدر مہارت ہے کہ اگر آپ کہیں تو جس شخص نے جادو کیا ہے میں اس کا نام لے دوں۔ مجھ تک یہ خبر پہنچائی گئی میں نے کہا ہرگز ہرگز نہیں اس کو منع کر دو کہ وہ کچھ نہ کہے۔ جس شخص نے بھی یہ کیا ہے میں نے اسے معاف کر دیا اسی اثنا میں بندے نے عرض کیا کہ آیا شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز پر بھی جادو کیا گیا تھا، آپ نے فرمایا ہاں اس جادو کا پتہ چل گیا تھا۔ اور جس گروہ نے یہ حرکت کی تھی اس کا بھی علم ہوگیا تھا چنانچہ والیٔ اجودھن اور دوسرے اہل کاروں نے جو وہاں تھے۔ اس گروہ کے افراد کو شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھجوا دیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہم کیا سلوک کریں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، آپ نے ارشاد کیا کہ میں نے ان کو معاف کر دیا تم بھی انہیں چھوڑ دو۔

اسی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی جادو کیا گیا تھا، لیکن جب مُعوّذتین[1] اتریں تو جادو ٹوٹکا کرنے والیوں کا شر دفع ہوگیا۔ امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرضداشت کی کہ اگر حکم ہو تو جن عورتوں نے جادو کیا ہے ان کی گردن مار دوں۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا چونکہ خدائے عزوجل

---

[1] قرآن مجید کی آخری دو سورتیں۔ سورۃ الفلق اور سورہ الناس۔

نے مجھے صحت دے دی ہے ۔ میں نے ان سب کو معاف کر دیا۔

اس موقعہ پر آپ نے عمر خطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد کیا ایک جمعہ کو وہ خطبہ دینے کے لیے منبر پر آئے ۔ خطبے کے دوران میں انہوں نے کہا کہ جان لو میری موت نزدیک آگئی ہے اور یہ بات میں کرامت کے طور پر نہیں کہہ رہا۔ میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک پرندہ آیا اور اس نے دو بار مجھے چونچ ماری اگر خواب میں پرندہ آئے تو وہ موت کا فرشتہ ہوتا ہے اس بنا پر میں کہتا ہوں کہ میری موت نزدیک آگئی ہے دوسرے ہفتے وہ شہادت پا گئے ۔ وہ مسجد کی محراب میں تھے کہ مغیرہ کے غلام ابن لولو نے انہیں تلوار ماری ۔ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ زخم کھا کر گر گئے تو وہ غلام مسجد سے باہر نکل آیا اور اس نے نو اور آدمیوں کو قتل کیا[1]۔ بعد ازاں اس نے خود اپنے آپ کو قتل کر دیا ۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ میں تھوڑی سی جان باقی تھی کہ انہیں بتایا گیا کہ اس غلام نے چند آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد خود اپنے آپ کو بھی قتل کر لیا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الحمد للہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کر دیا۔ اچھا ہوا۔ اس کو میرے عوض قتل نہیں کیا گیا۔

اس سلسلے میں آپ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ انہیں عبدالرحمٰن بن ملجم نے قتل کیا یوں ہوا کہ عبدالرحمٰن بن ملجم مسلح تھا۔ اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا پیچھا کر رہا تھا۔ حضرت علیؓ کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ آپ ایک دریا کے کنارے پر پہنچے اور یہ معلوم کرنا چاہا۔ دریا پایاب کہاں ہے تاکہ وہ وہاں سے گزریں۔ آپ دریا کے کنارے پر کھڑے ہو گئے ۔ وہیں ایک قبرستان تھا آپ نے قبرستان کی طرف منہ کیا اور ایک شخص کا نام لے کر آواز دی ۔ اسے فلاں ابن فلاں ! آدمی اس نام کے قبروں کے اندر سے بول اٹھے ۔ پھر امیر المومنین نے اسی طرح آواز دی اور کہا ، اسے فلاں بن فلاں' اس نام کے سات آدمی قبروں میں سے بولے ، اس کے بعد پھر اسی طرح آپ نے آواز دی اور کہا کہ اسے فلاں بن فلاں ، اس پر ایک آدمی بولا ۔ امیر المومنین نے اس سے پوچھا ، کہ دریا پایاب کہاں ہے ! اس آدمی نے آواز دی کہ وہیں' جہاں آپ کھڑے ہیں پس امیر المومنین

---

[1] حضرت سے تسامح ہوگیا ، نو آدمیوں کو قتل نہیں ، زخمی کیا تھا۔

دریا میں اُترے اور عبور کر گئے عبدالرحمٰن ابن ملجم نے یہ سب باتیں سنیں اور اسی طرح آپ کا پیچھا کرتا رہا۔ جب وہ دریا سے گزر گیا تو اس نے حضرت علیؓ سے کہا۔ اے علیؓ! تم ان مرے ہوؤں اور ان کے باپوں کے نام تو جانتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ دریا پایاب کہاں ہے! امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم میرے حال سے باخبر ہو۔ القصہ امیرالمومنین نماز کے لیے کھڑے ہوئے عبدالرحمٰن بن ملجم آیا اور اس نے آپ پر تلوار کا وار کیا۔ جب امیرالمومنین علیؓ کو تلوار کا زخم لگا آپ کی زبان سے نکلا فُزْتُ وربِّ الکعبۃ (کعبہ کے پروردگار کی قسم میں نے مراد پالی) امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کے یہی آخری الفاظ تھے۔

بندے نے پوچھا کہ کیا یہ عبدالرحمٰن ابن ملجم مسلمان تھا! فرمایا ہاں مسلمان تھا۔ اور معاویہؓ کا طرفدار تھا بندے نے عرض کیا کہ معاویہ کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے! فرمایا وہ مسلمان تھے۔ صحابہ میں سے تھے! اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خُسر (ابوسفیان) کے صاحبزادے تھے۔ ان کی بہن حضرت ام حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے تھیں۔

جب یہ سب کچھ بیان ہو چکا تو بندہ چونکہ آٹھ ماہ کے عرصے کے بعد خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور دوسرے حضرات بھی لشکرگاہ سے آپ کی زیارت کے لیے آ رہے تھے۔ اس لیے آپ سے اتنے عرصے کی جدائی اور اس کے دوران میں آپ کے لیے جو اشتیاق رہا اس کا بڑا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا، ایک دفعہ میں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں ایک عرضداشت لکھی۔ اور اس میں مَیں نے یہ رباعی نظم بندکی۔

زاں روی کہ بندۂ تو خوانند مرا — بر مردمکِ دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتی فرمودست — ورنہ چہ کسم کہ خلق دانند مرا

(چونکہ مجھے آپ کا بندہ کہا جاتا ہے لہٰذا لوگ مجھے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ تیرے لطفِ عام نے مجھ پر عنایت فرمائی ہے۔ ورنہ میں کیا ہوں اور خلق خدا مجھے کیا جانتی۔

لہ عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی تھا، اور خارجی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے مخالف تھے۔ وہ اموی خلفاء کے خلاف برابر لڑتے رہے (مترجم)

بعد ازاں جب میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے وہ رباعی جو میں نے اپنی عرضداشت میں لکھی تھی۔ پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے اُسے یاد کر لیا ہے والسلام۔

اُنتالیسویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ شعبان مبارک کی تئیس تاریخ

دولت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ حضرت مخدوم کے ایک مرید نے دیوگیر (دکن) میں مجھے تین جیتل شش کانی کی رقم دی تھی اور کہا تھا کہ اسے حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں پیش کرنا اور ان سے میرے لیے دعا کی درخواست کرنا بندے نے اس شخص کی درخواست کے مطابق وہ تین جیتل خدمت میں پیش کئے اور آپ سے اس کی صورت حال بیان کی۔ حضرت خواجہ نے ___ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ خود اپنے دست مبارک سے وہ تین جیتل لے کر اپنے سامنے رکھ لیے۔ بعد ازاں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز سفر حج سے واپس آئے۔ اہل بغداد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان میں سے ہر ایک کوئی نہ کوئی چیز نقدی اور بہت سی اجناس آپ کے لیے بطور نذر لایا۔ اسی اثنا میں ایک بوڑھی عورت آئی اس نے اپنی پرانی چادر کی ایک گرہ کھولی اور اس میں سے ایک درہم نکال کر آپ کے سامنے رکھا شیخ شہاب الدین نے وہ درہم لے کر تمام تحفوں اور نذروں کے اوپر رکھ دیا، اس وقت وہاں جو لوگ حاضر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم ان تحفوں اور نذروں میں سے جو چیز بھی چاہو لے لو۔ چنانچہ ہر شخص اٹھا اور اس نے نقدی اور بہترین سامان لے لیا۔ شیخ جلال الدین تبریزی طاب اللہ ثراہ (اللہ آپ کی قبر ٹھنڈی کرے)، بھی وہاں موجود تھے۔ شیخ شہاب الدین نے ان کو اشارہ کیا کہ آپ

بھی کوئی چیز نے لیں. شیخ جلال الدین تبریزی اٹھے۔ اور آپ نے وہ درہم جو بڑھیا لائی تھی لے لیا۔ شیخ شہاب الدین نے جب یہ دیکھا تو شیخ جلال الدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب کچھ تو تم نے لے لیا۔

جب حضرت خواجہ نے یہ الفاظ کہے تو بندے نے عرض کیا کہ کیا شیخ جلال الدین تبریزی شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے! فرمایا نہیں وہ شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے۔ لیکن جب ان کے پیر شیخ ابو سعید تبریزی وفات پا گئے۔ تو وہ شیخ شہاب الدین کے پاس آ گئے۔ اور ان کی اتنی خدمت کی کہ کسی مرید سے اپنے پیر کی اس قدر خدمت نہیں ہو سکتی یہاں تک کہا جاتا ہے، شیخ شہاب الدین ہر سال بغداد سے سفر حج کو جایا کرتے تھے۔ وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور کمزور بھی تھے۔ وہ خوراک جو ان کے لیے ساتھ لے جائی جاتی تھی ان کے مزاج کے موافق نہ ہوتی تھی، شیخ جلال الدین تبریزی ایسا کرتے کہ چولھے اور دیگچی کو اپنے سر پر رکھ لیتے اور چولھے میں اسی طرح آگ جلاتے۔ کہ ان کا سر نہ جلتا تاکہ جب بھی شیخ شہاب الدین کھانا طلب کریں وہ ان کے سامنے گرم کھانا پیش کر سکیں۔

یہیں سے شیخ ابوسعید تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کی بزرگی کا کہ وہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر تھے ذکر ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ وہ بہت بڑے بزرگ اور عظیم تارک الدنیا ہستی تھے۔ چنانچہ اکثر اوقات وہ فاقے سے ہوتے اور کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے، ایک دفعہ یوں ہوا کہ تین دن تک ان کی خانقاہ میں کوئی کھانا نہ تھا۔ اور ان کے مرید اور اصحاب، خربوزہ اور تربوز کھا کر گزارہ کرتے رہے۔ یہ خبر اس شہر کے والی کو پہنچی اس نے کہا کہ چونکہ وہ کوئی چیز تو مجھ سے لیتے نہیں۔ اس لیے نقدی لے جاؤ، شیخ کے خادم کو جا کر دو اور خادم سے کہو کہ وہ تھوڑا تھوڑا خرچ کرے۔ اور اس کا ذکر شیخ سے نہ کرے والیِ شہر کا چوبدار آیا۔ اس نے نقدی خادم کو دی اور اس سے کہا کہ جیسے مناسب سمجھو، اسے خرچ کرو اور شیخ کو نہ بتانا کہ یہ نقدی کہاں سے آئی! الغرض جب وہ نقدی آ گئی اور اس میں سے کچھ خرچ ہوئی۔ تو شیخ کو طاعت و عبادت میں جو ذوق و راحت ملتی تھی، اس روز نہ ملی آپ نے خادم کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم یہ کہاں سے خرچ کر رہے ہو؟ خادم یہ بات

پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ اس نے شیخ سے تمام صورتِ حال کہہ دی۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ شخص جو نقدی لایا تھا وہ کس طرح آیا اور اس کے قدم کہاں تک پڑے، ارشاد فرمایا کہ جہاں جہاں اس کے پاؤں پڑے ہیں۔ وہاں سے اتنی زمین کھودو، چنانچہ زمین کھودی گئی۔ اور اس سے مٹی نکال کر باہر پھینکی گئی۔ اس کے بعد آپ نے اس خادم کو مع اس نقدی کے خانقاہ سے باہر نکال دیا۔

حضرت خواجہ نے شیخ ابوسعید تبریزی کے تارک الدنیا ہونے کا ذکر اس طرح کیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے پاس بہت فتوح یعنی نذر نیاز آتی تھی! ور وہ اُسے اسی طرح خرچ بھی کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے ایک بیٹے نے جو تیس سال کا تھا اور جس کا نام عماد تھا۔ اور اس کی حالت شیخ کی حالت سے بالکل نہیں ملتی تھی۔ خادم سے اگر گودام کی کنجی طلب کی، خادم نے اس پر اپنی برہمی کا اظہار کیا کہ کنجی طلب کرنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ شیخ اس وقت نزع کی حالت میں تھے۔ کہ یہ بات ان کے کانوں تک پہنچی آپ نے فرمایا کنجی اسے دے دو بیٹے نے کنجی لی اور گودام کھولا۔ وہاں چھ دینار سے زیادہ رقم نہ تھی وہ بھی شیخ پر صرف ہوگئی

چالیسویں مجلس

جمعرات سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی چار تاریخ

اللہ اس ماہ کی برکتیں عام کرے۔ سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ ایک طالب علم آیا۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے اس کا حال معلوم کیا کہنے لگا کہ میں نے تحصیل علم کرلی ہے۔ اب حاکموں کے دروازے پر آتا جاتا ہوں تاکہ روٹی کا انتظام ہو جائے۔ اور فراغت حاصل ہو۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت خواجہ کی ـــــ اللہ آپ کا ذکر

بھلائی سے کرے۔ زبانِ مبارک سے یہ شعر ارشاد ہوا ؎

شعر در وصفِ حال بس سرہ الیست
چوں بخواہش رسید مسخرہ الیست

(جب تک شعر میں احوال کا بیان ہے، وہ شعر پاکیزہ اور خالص ہے جب اس سے مقصود خواہش کا حصول ہو تو پھر وہ مسخرہ پن ہے۔)

اس وقت آپ نے فرمایا کہ شعر ایک لطیف چیز ہے لیکن اگر اس سے دوسروں کی مدح کی جائے اور اُسے ہر شخص کے سامنے کچھ لینے کے لیے پیش کیا جائے۔ تو شعر انتہائی بے ذوق ہو جاتا ہے۔ یہی حال علم کا ہے۔ اگر آدمی اس کا حامل ہے تو یہ ایک اعلیٰ چیز ہے لیکن اگر اُسے کمانے کا ذریعہ بنایا جائے۔ اور یہ دروازوں کے چکر لگانے لگے۔ تو اس کی عزت چلی جاتی ہے۔

اسی اثنار میں ایک غلام جو آپ کے مریدوں میں سے تھا آیا وہ اپنے ساتھ ایک ہندو کو بھی لایا اور کہا یہ میرا بھائی ہے۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس غلام سے پوچھا گیا تمہارے اس بھائی کا اسلام کی طرف بالکل میلان نہیں اس نے عرض کیا میں اسے حضرت مخدوم کی خدمت میں اسی لیے لایا ہوں کہ وہ آپ کی نظر کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔ حضرت خواجہ ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے یہ سنکر آبدیدہ ہو گئے! اور فرمایا کہ ان لوگوں کا دل کسی کے قول سے متاثر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر انہیں صحبت صالح مل جائے تو امید ہو سکتی ہے کہ اس صحبت کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائیں۔

لبعدازاں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ جب حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہٗ خلیفہ ہوئے تو ان کی بادشاہِ عراق سے جنگ ہوئی۔ اس میں بادشاہ عراق گرفتار ہوا اور اُسے حضرت عمرؓ کے سامنے لایا گیا، حضرت عمر نے اس سے فرمایا اگر تم مسلمان ہو جاؤ۔ تو میں تمہیں عراق کا ملک دے دوں گا۔ بادشاہِ عراق نے کہا میں اسلام نہیں لاؤں گا۔ حضرت عمرؓ کا جواب یہ تھا۔ اِمّا الاسلام واِمّا السیف۔ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ بادشاہ نے کہا تم مجھے قتل کر دو میں اسلام قبول نہیں کرتا اس پر حضرت عمر نے تلوار لانے اور جلّاد

بلوانے کو کہا وہ بادشاہ بڑا سمجھ دار اور دانا تھا۔ جب اس نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا میں پیاسا ہوں کسی سے کہیئے وہ مجھے پانی دے۔ حضرت عمرؓ نے پانی لانے کے لیے فرمایا اس کے لیے شیشے کے برتن میں پانی لایا گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں اس برتن میں پانی نہیں پیوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ بادشاہ ہے اس کے لیے سونے چاندی کے برتن میں پانی ڈال کر لاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے لیے سونے چاندی کے برتن میں پانی لائے۔ بادشاہ نے اس برتن سے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میرے لیے مٹی کے برتن میں پانی ڈال کر لاؤ۔ چنانچہ مٹی کے برتن میں پانی ڈال کر اس کے ہاتھ میں دیا گیا۔ بادشاہ نے پانی کا برتن ہاتھ میں لیا اور وہ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ آپ میرے ساتھ عہد کریں کہ جب تک میں اس برتن سے یہ پانی نہیں پیوں گا۔ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک تم یہ پانی نہیں پیو گے میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ اس پر بادشاہ نے برتن زمین پر دے مارا۔ چنانچہ وہ برتن ٹوٹ گیا اور تمام پانی بہہ گیا۔ اس وقت بادشاہ نے حضرت عمر سے کہا میں نے یہ پانی نہیں پیا اور آپ نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک میں یہ پانی نہیں پیوں گا آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔ اب تو مجھے امان ہو گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی ذہانت و زیرکی پر حیران ہو کر رہ گئے اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ اسے امان مل گئی۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ وہ بادشاہ کو اپنے ہاں رکھیں اور وہ صحابی نیکی اور تقویٰ میں بڑے اونچے درجے پر تھے۔ بہر حال وہ صحابی بادشاہ عراق کو اپنے گھر لے گئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ان صحابیؓ کی نیک صحبت کا اس پر اثر ہوا چنانچہ اس نے حضرت عمرؓ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ مجھے اپنے پاس بلائیں تاکہ میں ایمان لاؤں۔ حضرت عمر نے اسے اپنے پاس بلوایا۔ اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ جب وہ اسلام لے آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اب میں عراق کی مملکت تیرے حوالے کرتا ہوں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ مملکت میرے کسی کام کی نہیں آپ مجھے ملک عراق میں ایک گاؤں دے دیجئے کہ وہ میری گزر اوقات کے لیے کافی ہو۔ حضرت عمر نے اسے ایک گاؤں

دینا قبول کر لیا۔ اسی اثنا میں بادشاہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ مجھے ایک غیر آباد گاؤں دیا جائے تاکہ میں اُسے آباد کر دوں۔ حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو عراق کی مملکت میں بھیجا انہوں نے جا کر پورے عراق کی جانچ پڑتال کی اور وہاں ایک گاؤں بھی غیر آباد نہ پایا۔ حضرت عمرؓ نے یہ صورت حال اس بادشاہ سے کہی اور اُسے بتایا کہ پورے عراق میں ایک بھی غیر آباد گاؤں نہیں ملا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ میرا یہ کہنے سے مقصد آپ کو یہ بتانا تھا کہ میں اس ملک عراق کو اس طرح آباد آپ کو دے رہا ہوں۔ اگر اس کی کوئی جگہ ویران ہو گئی تو کل کو قیامت کے دن اس کا جواب آپ کو دینا ہوگا۔

حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔ اور آپ نے اس بادشاہ کی ذہانت و دانائی پر بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا اس موقعہ پر آپ نے اسلام اور مسلمانوں میں صدق و دیانت کے پائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ سنایا۔ خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ العزیز کے مکان کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ جب خواجہ بایزید بسطامیؒ انتقال فرما گئے تو لوگوں نے اس یہودی سے کہا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے! یہودی نے جواب دیا کہ کس طرح کا مسلمان ہوں! اگر اسلام وہ ہے جو بایزید کا تھا۔ تو وہ اسلام میرے بس کی بات نہیں۔ اور اگر اسلام یہی ہے کہ جو تم لوگوں کا ہے۔ تو اس اسلام سے مجھے شرم آتی ہے۔

اکتالیسویں مجلس

ہفتہ: سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی ستائیس تاریخ ـــــ دولت پائے بوسی

۱؎ سن وفات ۲۶۱ھ / ۸۷۴ء ان کی طرف یہ کلمہ منسوب ہے۔ سبحانی ما اعظم شانی

میسر آئی۔ ملیح نے جو میرا آزاد کردہ غلام اور میرا خدمت گار ہے آپ کی خدمت میں کچھ مصری پیش کی۔ اس لیے کہ اس کی بیٹی کا عقد ہوا تھا۔ حضرت خواجہ کو ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ معلوم تھا کہ ملیح کی چار بیٹیاں ہیں الغرض جب آپ نے مصری دیکھی تو پوچھا یہ کیا ہے! بندے نے عرض کیا کہ اس کی بیٹی کا عقد ہوا ہے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ ملیح کی طرف متوجہ ہوتے تو فرمایا کہ جس کی ایک بیٹی ہو اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے اور تمہاری تو چار بیٹیاں ہیں، اس وقت زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ابو البنات مَرْزُوْقٌ فرمایا بیٹوں کے باپ کو رزق میں کشائش و وسعت دی جاتی ہے اس موقعہ پر آپ نے حضرت خضر کا یہ واقعہ بیان فرمایا جب انہوں نے ایک لڑکے کو مار ڈالا اور اس پر حضرت موسیٰ نے انہیں مطعون کیا اور کہا کہ تم نے ایک معصوم اور بے گناہ کی جان لی ہے۔ تو چونکہ حضرت خضر کو اس لڑکے کے انجام کار کی خبر تھی۔ اس نے حضرت موسیٰ کو اس کا مناسب جواب دے دیا۔ القصہ اس لڑکے کے والد کے ہاں اس کے بیٹے کے قتل ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ نے ایک بیٹی دی۔ جس سے سات بیٹے ہوتے اور وہ سب اہل ولایت تھے۔

بعد ازاں آپ نے بندے سے دریافت فرمایا کہ تم نماز تراویح کہاں پڑھتے ہو! بندے نے کہا کہ گھر پر ہی پڑھتا ہوں اور پڑھانے کے لیے ایک امام ہے۔ فرمایا وہ امام نماز میں کون سی سورتیں پڑھتا ہے! بندے نے عرض کیا سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص ارشاد فرمایا بالکل ٹھیک ہے اس موقعہ پر آپ نے فرمایا، حضرت شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز بھی یہی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ بوڑھے ہو گئے تھے اور بیٹھ کر نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ بس فرض نمازیں کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ باقی نمازیں بیٹھ کر ادا فرماتے تھے اس موقعہ پر آپ نے ایک بزرگ کا نام لیا جو فرماتے تھے کہ میں ایک لقمہ کھاتا ہوں۔ اور رات کو سو جاتا ہوں۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور ساری رات نمازیں پڑھوں۔ بعد ازاں آپ نے ارشاد فرمایا کہ شیخ کبیر حضرت شیخ فریدالدین بہت کم بغیر روزے کے رہتے تھے۔ ہر چند وہ فصد کھلواتے خواہ پچھنے لگواتے، خواہ آپ کو بخار آ جاتا مگر

آپ روزہ ضرور رکھتے۔ اس کے بعد آپ نے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا بہت کم روزہ ہوتا تھا۔ لیکن وہ طاعت و عبادت بہت کرتے تھے اس وقت آپ نے زبان مبارک سے یہ آیت پڑھی۔ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعملوا صالحاً۔ (پاک و ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔) اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ بہاء الدین زکریا ان بزرگوں میں سے تھے۔ جن پر مذکورہ بالا آیت صادق آتی ہے۔

بیالیسویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ شوال کی چار تاریخ

قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ بچوں سے محبت و شفقت کرنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی، فرمایا رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام بچوں سے محبت کرتے تھے اور ان کے ساتھ بڑی نرمی و شفقت برتتے تھے۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امام حسنؓ کو بچوں میں دیکھا آپؐ ان کے نزدیک آئے آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ ان کی تھوڑی کے نیچے رکھا، ایک ان کے سر کے اُوپر اور ان کا منہ چوما۔ اس اثناء میں بندے نے عرض کیا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسنؓ اور حسینؓ کے لیے اونٹ کی سی آواز نکالی تھی۔ فرمایا ٹھیک ہے یہ واقعہ مشہور ہے اور کتابوں میں لکھا ہے کہ اس موقعہ

لے سورۃ المومنون۔ آیت ۵۱

پوری آیت یہ ہے:- یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔

پر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسنؓ اور حسینؓ سے کہا تھا۔ نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُکُمَا (تم دونوں کا اونٹ سب سے اچھا اونٹ ہے۔)

اس سلسلے میں آپ نے یہ واقعہ بیان کیا۔ امیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک دوست کو ایک علاقے کا امیر مقرر کیا اور اُسے پروانہ امامت لکھ کر دے دیا اسی اثنا میں امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹے بچے کو گود میں لیا اور اُسے پیار کرنے لگے، اس شخص نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا، میرے دس بیٹے ہیں مگر میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہ اتنا پیار کیا ہے اور نہ اتنی محبت و شفقت برتی ہے، حضرت عمرؓ نے اس سے کہا میں نے تمہیں جو پروانہ امامت دیا ہے وہ میرے حوالے کرو۔ اس شخص نے وہ پروانہ امارت حضرت عمرؓ کو دیا۔ آپ نے وہ کاغذ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس سے کہا کہ تمہارے پاس جب چھوٹوں کے لیے محبت و شفقت نہیں تو بڑوں کے لیے کہاں ہوگی۔ واللہ اعلم

تینتالیسویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی پانچ تاریخ

پائے بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ ایک آدمی آیا۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس سے فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا دارالخلافہ اور لشکرگاہ سے جو موضع سیری میں ہے۔ آیا ہوں، چونکہ موضع سیری کا نام دارالخلافہ پڑ گیا تھا۔ اس لیے اس نے کہا کہ میں دارالخلافہ سے آیا ہوں۔ دارالخلافہ کی مناسبت سے بغداد کا ذکر آیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا بغداد کو پہلے مدینہ منصور کہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ منصور نام کے خلیفہ نے بغداد کو بسایا تھا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ بغداد کو مدینۃ السلام بھی کہتے ہیں۔

اسی اثنا میں اولیائے حق اور ان کے کمالِ محبت کا ذکر چلا۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا: کل قیامت کے دن حشر کے میدان میں معروف کرخیؒ رحمتہ اللہ علیہ کو لایا جائے گا۔ اور وہ یوں نظر آئیں گے۔ جیسے کوئی حد سے زیادہ مست ہو خلقت انہیں دیکھ کر حیران ہو جائے گی۔ اور پوچھے گی یہ کون ہیں؟ پھر وہ یہ آواز سُنے گی کہ یہ ہماری محبت میں مست ہے۔ اسے معروف کرخی کہتے ہیں۔ اس وقت معروف کرخی کو یہ حکم ہوگا۔ کہ بہشت میں چلو۔ وہ کہیں گے میں نہیں جاتا۔ میں نے تیری بہشت کے لیے پرستش نہیں کی۔ لعبد ازاں فرشتوں کو حکم دیا جائے گا۔ کہ انہیں نور کی زنجیروں میں جکڑ کر کھینچتے کھینچتے بہشت میں لے جاؤ۔

حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ اللہ رب العزت عظمت، اور پاکیزگی کی انتہا پر ہیں اور فرزند آدم ادنیٰ مقام میں ہے۔ یہاں محبت اور قربت کی کیا نسبت؟ حضرت خواجہ نے۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا یہ بات ٹھیک طرح الفاظ میں بیان نہیں ہوتی۔ اس مسئلے پر بحث کی گنجائش نہیں۔ بندے نے عرض کیا کہ اسی کے مناسب مجھے ایک شعر یاد آگیا۔ اور وہ شعر یہ ہے ؎

عشق را بو حنیفہ درس نگفت

(امام ابو حنیفہ نے عشق کا درس نہیں دیا)

جب میں نے یہ مصرعہ پڑھا حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے دوسرا مصرعہ پڑھ دیا کہ

۱؎ نام ابو محفوظ بن فیروز ہے وہ بغداد کے مشہور تارک الدنیا صوفی تھے۔ ان کا سن وفات ۸۱۵ء ہے بغداد میں ان کا مزار مشہور ہے۔

صوفیہ کے پہلے دور کے یہ بزرگ تھے۔ حسن بصری (م ۷۲۸ء) ابراہیم بن ادہم (م ۷۷۷ء) ابو ہاشم (م ۷۷۶ء) رابعہ بصری (م ۸۰۱ء)

تصوف کا دوسرا دور معروف کرخی سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے شاگرد سری سقطی (م ۸۷۰ء) تھے اور ان کے شاگرد جنید بغدادی (م ۹۲۰ء) انہیں سید الطائفہ کہا جاتا ہے۔

ع شافعی را درد روایت نیست
(اس مسئلے میں امام شافعی کی کوئی روایت نہیں چلتی۔)

چوالیسویں مجلس

ہفتہ ۱۸ ماہ ربیع الاول کی اٹھارہ تاریخ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ حلم و بردباری کی فضیلت کا ذکر آیا۔ فرمایا ایک بزرگ حلم و بردباری کی صفت کے حامل تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے یہ نعمت کہاں سے حاصل کی! بزرگ نے کہا کہ میں نے یہ چیز اپنے استاد صاحب قرأت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ امام عاصم کے اوصاف حلم میں سے کچھ بتائیے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ امام عاصم آبادی سے دور ایک صحرا میں تھے۔ وہاں ایک بدتمیز آدمی ان سے بدتمیزی کے ساتھ پیش آیا۔ اور انہیں نازیبا باتیں کہیں۔ امام عاصم نے نہ تو اس سے کچھ کہا اور نہ اس کی باتوں کا جواب دیا۔ وہ بدتمیز آدمی برابر ان کا پیچھا کرتا رہا۔ اور اسی طرح نازیبا باتیں کہتا رہا یہاں تک کہ وہ شہر کے نزدیک پہنچ گئے۔ جب امام عاصم لوگوں کے بیچ میں آئے تو انہوں نے اپنا منہ اس بدتمیز کی طرف کر کے کہا۔ اے خواجہ! لوٹ جاؤ۔ یہاں میرے بہت سے دوست اور جاننے والے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری بدتمیزی کی یہ باتیں سن لیں اور تمہیں ایذا پہنچائیں۔

اس کے بعد اس بزرگ نے امام عاصم کی بردباری و حلم کا ایک اور واقعہ سنایا انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ میں اور چند اور شاگرد ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور ان سے کچھ پڑھ رہے تھے۔ وہ وضاحت فرماتے جاتے تھے۔ اور ہم ان سے استفادہ کرتے جاتے تھے۔

امام عاصم اس وقت ایک چادر لپیٹے بیٹھے تھے۔ وہ چادر انہوں نے اپنی کمر اور زانوں پر لپیٹ رکھی تھی اور اس طرح بیٹھے ہمیں مستفید فرما رہے تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی نے کہا آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کس نے قتل کیا ہے! بتایا گیا کہ آپ کے چچازاد بھائیوں نے اس کے اور ان کے درمیان دشمنی تھی اور اس دشمنی کی بنا پر انہوں نے اُسے مار ڈالا امام عاصم نے کہا جاؤ فلاں آدمی سے کہو کہ وہ نماز جنازہ پڑھا دے۔ اور پھر فلاں جگہ اُسے دفن کر دو۔ امام عاصم نے یہ تین کلمات کہے اور پھر وہ شاگردوں کی طرف متوجہ ہو گئے! اور ان سے کہا ہاں، تم کیا پڑھ رہے تھے۔ چلو پڑھو۔ اس بزرگ کا کہنا ہے کہ ہم نے اس واقعہ کی وجہ سے ان کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں دیکھا۔ تغیر پیدا ہی نہ ہوا! چنانچہ وہ چادر جو انہوں نے اپنی کمر اور زانو کے اردگرد لپیٹ رکھی تھی۔ اُسی طرح لپیٹے رکھی۔ اُسے اپنے آپ سے جدا نہیں کیا جس طرح بیٹھے ہوئے تھے اسی طرح بیٹھے رہے اپنی ہیئت نہیں بدلی۔ اور پہلے کی طرح سبق پڑھانے میں مصروف رہے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ صحابہ رضؓ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حلم و بردباری کے وصف سے منسوب تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک بد زبان نے ان کو نازیبا کلمات کہے اور انہیں کسی چیز کا طعنہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس سے کہا صاحب! مجھ میں تو بہت زیادہ عیب ہیں تم پر تو ان میں سے محض چند ایک ظاہر و آشکار ہوئے ہیں۔

جب حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت تمام کر چکے تو حاضرین کے جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ اس وقت بندے نے عرض کیا کہ اگر مرید اپنے پیر کی خدمت میں کبھی کبھی پہنچے اور وہ گھر ہی میں بیشتر اپنے پیر کو یاد کرتا رہے تو یہ کیسا رہے گا؟ فرمایا بہت اچھا ہے اگر کوئی شخص اپنے پیر کے ہاں موجود نہیں رہتا لیکن وہ اُسے یاد کرتا ہے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ ہر روز پیر کے سامنے رہے۔ اور پیر کی محبت سے بے خبر ہو بعد ازاں زبان مبارک سے یہ مصرعہ ارشاد ہوا ؎

بیرون ز دروں بہ کہ درونی بیروں

(باہر اندر سے اچھا ہے اگر اندر ہو کر بھی باہر ہے)

اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز دو ہر، دو ہفتے کے بعد اپنے پیر شیخ قطب الدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس کے برخلاف بدرالدین غزنوی اور دوسرے حضرات برابر خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا، جب شیخ قطب الدین کی رحلت کا وقت نزدیک آیا تو ایک بزرگ کی۔ آپ نے ان کا نام لیا اور اور جو شیخ قطب الدین کے آس پاس محو استراحت ہیں (یعنی دفن ہیں)، تمنا تھی کہ شیخ کے بعد ان کی جگہ بیٹھیں، اسی طرح شیخ بدرالدین غزنوی کی بھی یہی تمنا تھی مگر وہ مجلس سماع جس کے بعد حضرت شیخ کا انتقال ہوا اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ میرا یہ جامہ، عصا، مصلا اور لکڑی کے نعلین شیخ فریدالدین کو دینا۔ حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرماتے تھے کہ میں نے اس جامہ کو دیکھا ہے۔ وہ ایک دوہری سوزنی تھی۔ الغرض جس رات شیخ قطب الدین نے انتقال فرمایا شیخ فریدالدین ہانسی میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اسی رات شیخ فریدالدین نے اپنے پیر حضرت شیخ قطب الدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ انہیں اپنے پاس بلا رہے ہیں، دوسرے دن شیخ فریدالدین ہانسی سے روانہ ہو گئے اور چوتھے دن دہلی پہنچ گئے۔ قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت زندہ تھے۔ انہوں نے وہ جامہ شیخ فریدالدین کو دیا۔ شیخ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس جامہ کو پہن لیا۔ وہ اس مکان میں جہاں شیخ قطب الدین رہتے تھے۔ گئے۔ وہاں تین دن سے زیادہ نہ رہے اور ایک روایت ہے کہ سات دن سے زیادہ نہ رہے۔ پھر ہانسی کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہانسی واپس چلے جانے کا سبب یہ تھا کہ جب شیخ فریدالدین اس مکان میں جہاں شیخ قطب الدین رہا کرتے تھے۔ اقامت پذیر تھے۔ تو ایک سرہنگا نام کا شخص جو ہانسی سے آیا تھا دو تین بار اس مکان پر گیا لیکن دربان نے اُسے اندر جانے نہ دیا۔ ایک دن شیخ فریدالدین باہر آئے تو سرہنگا آگے بڑھا۔ آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور رونے لگا۔ شیخ نے فرمایا کیا بات ہے! اس نے کہا بات یہ ہے کہ جب آپ ہانسی میں تھے۔ میں آپ کو آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔ اب تو آپ کو دیکھنا دشوار ہو گیا ہے۔ شیخ نے اس گھڑی ساتھیوں سے کہا کہ میں اب واپس ہانسی جاتا ہوں حاضرین

کہنے لگے۔ آپ کو آپ کے شیخ اس جگہ رہنے کا فرما گئے ہیں۔ آپ کیسے دوسری جگہ جائیں گے! شیخ نے کہا کہ وہ نعمت جو میرے پیر نے مجھے عطا کی ہے۔ وہ اسی شہر اور اسی بیابان میں ہے۔

پینتالیسویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ ربیع الآخر کی تین تاریخ

دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ مریدوں کے حسن اعتقاد اور ان کی طرف سے پیر کے مبارک اقوال کا خیال رکھنے کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ اس موقع پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نواسے تھے۔ جن کا نام شرف الدین تھا۔ ناگور ہی کے علاقے میں رہتے تھے۔ انہوں نے چاہا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہدیۂ عقیدت پیش کریں، اس نیت کے ساتھ وہ ناگور سے روانہ ہوئے۔ ان کی ایک لونڈی تھی۔ جو ایک سو یا اس سے کچھ کم یا زیادہ تنکہ کی قیمت کی تھی۔ اس لونڈی نے اپنے مالک سے کہا کہ جب آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں اور انہیں اپنی عقیدت پیش کریں تو میرا سلام بندگی بھی عرض کریں۔ اس نے ایک کاڑھا ہوا رومال انہیں دیا۔ اور کہا کہ اسے میری طرف سے شیخ کی خدمت میں پہنچا دیں۔ الغرض جب مولانا شرف الدین شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی عقیدت پیش کی۔ آپ کی خیر و خیریت دریافت کرنے کے بعد انہوں نے شیخ سے عرض کیا کہ میرے گھر میں ایک لونڈی ہے، وہ آپ کی عقیدت وارادت میں سرخم کرتی ہے مولانا شرف الدین نے یہ کہہ کر وہ کاڑھا ہوا رومال جو اس لونڈی نے بھیجا تھا۔ حضرت شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا

، خدا اُسے آزادی دے۔ جب مولانا شرف الدین آپ کے پاس سے اُٹھ کر آئے تو ان کے دل میں خیال آیا کہ حضرت شیخ کی زبان سے جو کچھ نکلا ہے۔ وہ ہو کر رہے گا۔ اور یہ لونڈی آزاد ہو جائے گی. لیکن چونکہ یہ لونڈی بڑی قیمت کی ہے۔ میں اسے آزاد نہیں کر سکتا۔ بس اسے بیچ دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ جو اسے خریدے۔ وہ اس کو آزاد کر دے۔ جب انہوں نے یہ سوچا تو پھر ان کے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ لونڈی کسی دوسرے کے ہاں جاکر آزاد ہو جائے گی۔ تو اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ اسے میں کیوں نہ آزاد کر دوں! مولانا شرف الدین نے یہ نیت کی اس کے بعد وہ حضرت شیخ کی خدمت میں آئے۔ اور آپ سے عرض کیا کہ میں نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔

چھیالیسویں مجلس

اتوار سنہ مذکور کے مہینے ربیع الآخر کی اٹھارہ تاریخ

پائے بوسی کی دولت میسر آئی۔ دنیا سے محبت اور اس سے عداوت کرنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو دنیا سے محبت کرتی ہے۔ ہر روز اُسے یاد کرتی ہے۔ اور اس کی طلب میں رہتی ہے۔ اس قسم میں بہت زیادہ لوگ ہیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو دنیا سے عداوت رکھتے ہیں اس کی مذمت کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی عداوت میں مشغول رہتے ہیں۔ خلقت کی تیسری قسم وہ ہے کہ اس قسم کے لوگ نہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور نہ اُسے دشمن سمجھتے ہیں۔ وہ اس کا ذکر نہ تو محبت کے ساتھ کرتے ہیں اور نہ عداوت کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ خلقت کی یہ قسم پہلی دو قسموں سے بہتر ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت رابعہؓ (بصری) کے پاس آیا۔ وہ ان کے پاس بیٹھ کر دنیا کی خوب خوب بُرائیاں کرنے لگا۔ حضرت رابعہ نے اس سے کہا کہ تم دوسری بار میرے پاس نہ آنا۔ تم دنیا سے محبت کرنے والے دکھائی دیتے ہو۔ اس لیے کہ تم اس کا ذکر بہت کرتے ہو۔ یہاں سے ترکِ دنیا کے بارے میں باتیں شروع ہو گئیں فرمایا کیتھل اور کہرام کے نواح میں ایک درویش تھا جسے صوفی بدہنی کہتے تھے۔ وہ بڑا تارک الدنیا بزرگ تھا۔ یہاں تک کہ وہ کوئی کپڑا نہیں پہنتا تھا۔ بندے نے عرضداشت کی کہ کیا اس نے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی! فرمایا نہیں۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ اگر اس کے کوئی پیر ہوتے تو وہ اُسے "ستر عورت" یعنی جسم کے جن حصوں کو ڈھانپنا واجب ہے انہیں ڈھانپنے کو ضرور کہتے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی پیر نہ تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ وہ درویش نماز میں بہت پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ بہشت کتنی اچھی جگہ ہے۔ مگر افسوس وہاں نماز نہیں ہے۔ اس دوران میں بندے نے عرض کیا کہ اگر خود پیر دنیا دار ہو تو کیا اُسے زیبا ہے۔ کہ وہ مریدوں کو دنیا کے ساتھ محبت کرنے سے منع کرے! حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اگر وہ منع کرے گا تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ایک ہوتی ہے زبانِ قال[۲] اور دوسری زبانِ حال ہوتی ہے۔ اور پند و نصیحت وہی موثر ہوتی ہے جو زبانِ حال سے ہو، جب زبانِ حال نہ ہو تو زبان قال کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

پھر کچھ دیر شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں بات ہوتی رہی آپ نے فرمایا ایک دفعہ انہیں اپنے پیر سے ایک رومال ملا۔ وہ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ سو رہے تھے۔ درآنحالیکہ وہ رومال ان کے پاؤں کی طرف تھا ناگاہ ان کا پاؤں رومال سے چھو گیا، جب وہ جاگے تو انہیں بے حد و حساب قلق اور

---

[۱] رابعہ العدویہ، سنہ وفات ۱۸۵ھ ۸۰۱ء

[۲] جو زبان سے کہا جائے اس پر عمل بھی ہو یہ زبان حال ہے اور اگر یہ کہنا صرف زبان تک محدود رہتا ہے تو یہ زبانِ قال ہے۔

اضطراب ہوا۔ اور کہنے لگے۔ مجھے امید ہے کہ کل قیامت کے دن بھی میں اپنے اسں غم وتاسف میں گرفتار ہوں گا۔

اسی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی، فرمایا جب مجھے شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز سے خرقہ ملا۔ یہ گلیم (کمبل) چشتی سلسلے کا خرقہ تھا۔ اور یہ اب تک میرے پاس ہے۔ الغرض یہ خرقہ پانے کے بعد جب میں اجودھن سے دہلی کی طرف آرہا تھا۔ تو اس خرقے کو بھی ہمراہ لارہا تھا۔ بس میں تھا اور ایک میرا ساتھی۔ جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں رہزنوں کا ڈر تھا۔ تو بارش ہونے لگی۔ میں اور میرا ساتھی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں چند ہندو رہزن جن کی طرف سے ہمیں خوف لاحق تھا نمودار ہوئے۔ اور وہ ہمارے سامنے آگئے۔ میں اس خرقے کی وجہ سے جو میرے پاس تھا کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ میرے دل میں آیا کہ وہ اس خرقہ کو جو حضرت شیخ کا عطا کردہ ہے مجھ سے چھین کر نہیں لے جا سکتے۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر یہ مجھ سے چھین کر لے گئے تو میں اس کے بعد ان شہروں میں اور آبادیوں میں نہیں رہوں گا۔ تھوڑی دیر بعد ان ہندوؤں میں سے ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف چلا گیا۔ انہوں نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔ اور میں سلامتی کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

پھر کچھ دیر دنیا یعنی اسباب دنیا کو جمع اور خرچ کرنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا کہ اسباب دنیا کو جمع نہیں کرنا چاہیئے۔ ماسوا اس کے کہ جو بہت ضروری ہوں، اور جن کے بغیر چارہ نہ ہو۔ جیسے لباس کہ اس سے ستر عورت[1] کیا جاتا ہے پس اس کا فراہم کرنا روا ہے۔ البتہ اس میں مبالغہ کرنا نامناسب ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی چیزیں آئیں انہیں خرچ کیا جائے۔ ان کی ذخیرہ اندوزی نہ ہو۔ اس وقت آپ نے زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

زر از بہرِ دادن بود اے پسر
ز بہرِ نہادن چہ سنگ و چہ زر

---

[1] "عورت" اصطلاحاً جسم کے اس حصے کو کہتے ہیں جس کا ڈھانپنا شرعاً واجب ہے۔

(اے پسر! زر و نقد دینے کے لیے ہے۔ اگر اسے جمع ہی کرنا ہے تو پتھر اور زر و نقد میں کیا فرق ہے)

اس موقعہ پر اس شعر کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ خاقانی نے بھی اس مضمون سے ملتا جلتا خیال یوں ادا کیا ہے ؎

چوں خواجہ نخواہد داند از ہستیٔ خود کامی
آں گنج کہ او دارد پندار کہ من دارم

(جب خواجہ (امیر آدمی) خود غرضی کی زندگی سے نہیں ہٹنا چاہتا تو وہ خزانہ جو اس کے پاس ہے تو یہ سمجھ کہ تیرے پاس ہے)

اسی اثنا میں آپ نے ایک شخص کو مسواک کرنے کی تلقین کی اس مناسبت سے آپ نے فرمایا ایک دانش مند تھا جسے نور ترک کہتے تھے۔ وہ یہاں سے خانہ کعبہ (مکہ معظمہ) گیا اور وہیں جا کر آباد ہو گیا مکہ معظمہ میں اس نے ایک مکان بنایا وہ اس مکان کے دروازے پر لکھ دیا تھا کہ جو شخص میرے مکان میں آئے اور اس کے پاس مسواک نہ ہو۔ تو اس کا میرے گھر آنا حرام فعل ہے۔

پھر چند لمحے درویشوں کے اچھے اخلاق کے بارے میں گفتگو رہی۔ فرمایا شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور بو علی سینا[1] کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ بو علی سینا نے ایک صوفی سے جو مستقل طور پر شیخ کی خدمت میں رہتا تھا یہ طے کیا کہ جب میں شیخ کے ہاں سے لوٹوں تو میرے بارے میں جو کچھ بھی شیخ کہیں مجھے لکھنا۔ جب بو علی سینا ابوسعید ابوالخیر[2] رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کر کے واپس گیا تو شیخ نے اس کا بالکل کوئی ذکر نہیں کیا۔ نہ اچھا نہ برا۔ جب اس صوفی نے شیخ سے بو علی سینا کے متعلق کوئی بات نہ سنی تو ایک دن خود اس نے شیخ سے سوال کیا کہ

---

[1] پیدائش ۹۸۰ء / وفات ۱۰۳۷ء

[2] شیخ ابوسعید ابوالخیر ۹۶۷ء — ۱۰۴۹ء

بوعلی سینا کیسا آدمی ہے؟ شیخ نے فرمایا آدمی فلسفی و حکیم ہے۔ طبیب ہے اور بہت علم رکھتا ہے۔ لیکن اچھے اخلاق والا نہیں۔ صوفی مذکور نے یہ صورت حال بوعلی سینا کو لکھ بھیجی۔ بوعلی سینا نے وہیں سے شیخ کی خدمت میں ایک تحریر قلم بند کر کے بھیجی اور اس میں یہ لکھا کہ میں نے اتنی کتابیں مکارم اخلاق (اچھے اخلاق) پر لکھی ہیں۔ شیخ کو کیسے مناسب ہے کہ وہ کہیں فلاں شخص مکارم اخلاق نہیں رکھتا۔ شیخ نے جب یہ پڑھا تو مسکرائے اور فرمایا۔ کہ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ بوعلی سینا مکارم اخلاق نہیں رکھتے بلکہ میں نے تو یہ کہا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کا مالک نہیں۔

اس کے بعد کچھ دیر قاضی منہاج الدینؒ کا ذکر رہا۔ فرمایا میں ہر پیر کو ان کے وعظ میں جاتا تھا۔ ایک روز جب کہ میں ان کا وعظ سن رہا تھا۔ انہوں نے یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لب دلبرانِ مہوش کردن　　　　وآہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست　　　　خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

(حسین اور ماہ رو معشوقوں کے لبوں سے لب ملانا اور ان کی برہم زلفوں کے ساتھ کھیلنا۔ آج تو بڑا اچھا لگتا ہے۔ لیکن کل کو یہ اچھا نہیں ہوگا یہ تو اپنے آپ کو تنکے کی طرح آگ کا لقمہ بنانا ہے۔)

حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ شعر سنے تو کچھ بے خود سا ہوگیا۔ اور پھر اپنے آپے میں آنے میں مجھے کچھ دیر لگی۔ بعد ازاں آپ قاضی منہاج الدین کے حالات بیان کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ صاحبِ ذوق بزرگ

ـہ قاضی منہاج الدین سراج ۵۸۹ھ میں ہرات کے نواحی علاقے جوزجان میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان آئے تو سب سے پہلے اُچ و ملتان کے حاکم قباچہ کے دربار سے متعلق ہوئے اس کے مارے جانے کے بعد التمش سے وابستہ ہوگئے۔ وہ اکثر اس کے سامنے وعظ کہتے تھے سلطان ناصرالدین محمود نے انہیں دہلی اور تمام سلطنت کا قاضی مقرر کیا۔ اس کے عہد میں انہوں نے مشہور و معروف تاریخ طبقاتِ ناصری لکھی۔ اور ان کا بلبن کے عہد حکومت میں انتقال ہوا۔

تھے۔ ایک دفعہ انہیں شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر بلایا گیا۔ وہ پیر کا دن تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی میں وعظ سے فارغ ہوں گا۔ آجاؤں گا۔ جب وہ وعظ سے فارغ ہوئے۔ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مجلس سماع میں شرکت کی اور اپنی دستار اور دراعہ[۱] کو جو نظروں سے پوشیدہ تھی۔ تار تار کر دیا۔ اس وقت گانے والے شیخ بدرالدین غزنوی کی وہ نظم جو انہوں نے آتش گرفت کی ردیف میں کہی تھی۔ گا رہے تھے۔ اس نظم کے ایک دو شعر حضرت خواجہ نے زبان مبارک سے ارشاد کئے۔ یہ ایک شعر مجھے یاد رہ گیا ہے۔

نوحہ میکرد برمن نوحہ گر در مجمعی
آہ ازیں سوزم برآمد نوحہ گر آتش گرفت

(نوحہ کرنے والا ایک مجلس میں مجھ پر نوحہ کر رہا تھا۔ اس سوز کے باعث ایسی آہ نکلی کہ نوحہ گر کو آگ لگ گئی۔)

اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ انہی قاضی منہاج الدین نے شیخ بدرالدین غزنوی کو شیر سُرخ کہا تھا۔

قاضی منہاج الدین کے وعظ کی مناسبت سے شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل پڑا۔ بندے نے دریافت کیا کہ آپ نے ان کا واعظ سنا ہوگا! فرمایا ہاں، ان دنوں میں کم عمر تھا معانی کے اصل مراد کو اتنا نہ سمجھ سکتا تھا ایک روز میں ان کے وعظ میں گیا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ پاؤں میں جوتے پہنے آئے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت انہوں نے جوتے اتار کر ہاتھ میں لے لیے۔ پھر انہوں نے جوتے ایک طرف رکھے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ میں نے کسی کو ان کی طرح نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ انہوں نے بڑے سکون و اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی پھر منبر پر گئے۔ ایک قاری تھے جنہیں قاسم کہتے تھے وہ بڑے خوشحال تھے۔ قرآن بڑا اچھا پڑھتے تھے۔ قاری قاسم نے ایک آیت تلاوت کی۔

---

[۱] یہ کُرتے اور جبا کی طرح کا ایک لباس ہوتا ہے۔ جسے مشائخ پہنتے ہیں۔ اور یہ اُونی ہوتا ہے۔

بعدازاں شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ کا یوں آغاز فرمایا: "میں نے اپنے باپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس کے بعد ابھی انہوں نے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا کہ اس بات نے لوگوں پر اتنا اثر کیا کہ سب رونے لگے۔ اس موقعہ پر انہوں نے یہ دو مصرعے پڑھے ؎

بر عشقِ تو و بر تو نظر خواہم کرد
جان در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

(میں تیرے عشق پر اور تجھ پر نظر رکھوں گا۔ تیرے غم میں جان کو زیر و زبر کر دوں گا۔)

جونہی انہوں نے یہ شعر پڑھا۔ لوگ آہ اور واہ کرنے لگے، رونے لگے۔ لبعدازاں انہوں نے یہی مصرعے دو تین بار دہرائے۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ اے مسلمانو! مجھے دوسرے دو مصرعے یاد نہیں آتے۔ میں کیا کروں۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے یہ بات عجز کے طور پر اس طرح کہی کہ اس کا سب پر اثر ہوا۔ اس موقعہ پر قاری نے دوسرے دو مصرعے یاد دلائے چنانچہ شیخ نے وہ پوری رباعی پڑھی اور منبر سے نیچے اُتر آئے۔

آپ نے شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کے بارے میں یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ بارش نہ ہوئی۔ لوگوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ بارش کے لیے دعا کریں وہ منبر پر آئے اور بارش کے لیے دعا کی۔ لبعد ازاں انہوں نے آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا اے اللہ! اگر تو بارش نہیں برساتا تو اس کے بعد میں کبھی کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ وہ یہ کہہ کر منبر سے اُتر آئے۔ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بارش بھیج دی۔ اس کے بعد سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملے اور ان سے کہا۔ بیشک آپ کے بارے میں ہمارا اعتقاد راسخ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کے حق تعالیٰ سے بڑے راز و نیاز ہیں۔ لیکن یہ الفاظ جو آپ نے کہے کہ اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں کبھی کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ بارش نہ برساتا تو آپ کیا کرتے؟ شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔

اس وقت سید قطب الدین نے پوچھا کہ آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا تھا! انہوں نے فرمایا

کہ ایک دفعہ میرا اور سید نورالدین مبارک نوراللہ مرقدہ کا سلطان شمس الدین التمش کے یہاں آگے پیچھے بیٹھنے پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ میں نے ایک ایسی بات کہی تھی جس سے ان کو صدمہ پہنچا تھا چنانچہ جس وقت مجھ سے بارش کے لیے دعا کرنے کو کہا گیا تو میں سید نورالدین مبارک کے مزار پر گیا تھا میں نے وہاں کہا کہ مجھ سے بارش کے لیے دعا کرنے کو کہا گیا ہے۔ آپ کو مجھ سے صدمہ پہنچا ہے اگر آپ مجھ سے راضی ہوتے ہیں تو میں دعا کرتا ہوں اگر آپ راضی نہیں ہوتے تو میں بارش کے لیے دعا نہیں کرتا۔ سید نورالدین مبارک کے روضے سے آواز آئی کہ میں تم سے راضی ہو گیا ہوں پس جاؤ اور بارش کے لیے دعا کرو۔

سینتالیسویں مجلس

سال مذکور کے ماہ جمادی الاول کی پانچ تاریخ

دولت قدم بوسی میسر آئی۔ نماز کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ بندے نے عرض کیا کہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد نمازی جو جگہ تبدیل کرتے ہیں یہ کیا ہے! فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ فرض پڑھنے کے بعد جگہ بدل لی جائے۔ اگر خود امام نماز فرض پڑھانے کے بعد جگہ نہیں بدلتا تو اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا۔ لیکن اگر مقتدی فرضوں کے بعد جگہ نہیں بدلتا تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

---

[1] آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ انہیں احتراماً میر دہلی کہا جاتا تھا۔ سلطان التمش نے ان کو دہلی کا شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ وہ غالباً شیخ الاسلام اور ایک خدارسیدہ بزرگ ہونے کی حیثیت سے التمش کی خلوت و جلوت میں برابر ساتھ رہتے تھے۔ وہ دربار کی رسوم پر بڑی جرأت اور بے باکی سے تنقید کرتے تھے۔

البتہ بہتر یہی ہے کہ وہ جگہ بدل لے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ اگر مقتدی فرضوں کے بعد جگہ بدلنا چاہیں تو وہ جگہ ان کی بائیں جانب ہو۔ بہر حال قبلہ سامنے ٹھیک طرح رہنا چاہیئے۔

اڑتالیسویں مجلس

جمعرات سال مذکور کے ماہ جمادی الاول کی تیرہ تاریخ

سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ اس بارے میں گفتگو ہوئی کہ لوگ درویشوں کے ہاتھ چومتے اور ان سے برکت طلب کرتے ہیں۔ آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: کہ مشائخ اور درویش جو اپنا ہاتھ چومنے کے لیے دیتے ہیں ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ چومنے والوں کے ہاتھ میں ایک ایسے شخص کا ہاتھ آجائے جس کی مغفرت ہو چکی ہے۔

پھر درویشوں کے دم کی تاثیر کا ذکر ہونے لگا، آپ نے فرمایا ایک دفعہ خواجہ اجل شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ میرا ایک ہمسایہ ہے۔ جس کی نظر میرے گھر میں پڑتی ہے۔ ہر چند کہ میں نے اسے منع کیا ہے لیکن وہ نہیں سنتا اور مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ خواجہ اجل نے پوچھا کیا اسے معلوم ہے کہ تم مجھ سے متعلق ہو اس نے کہا جی ہاں، اُسے معلوم ہے۔ کہ میں خواجہ مخدوم کے وابستگان میں سے ہوں۔ خواجہ اجل فرمانے لگے، پھر یہ کیسے ہے کہ اس کی گردن کا منکا نہیں ٹوٹتا، جیسے ہی خواجہ اجل نے یہ دم پھونکا مرید گھر آیا اس نے ہمسایہ کو دیکھا کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا، یہ کیسے ہوا! لوگوں نے بتایا کہ لکڑی کی دو کھڑادیں غیب سے آئیں اُسے لگیں اور وہ گر پڑا اس طرح اس کی موت واقع ہوئی۔

اس کے بعد مردان حق کے ضمن میں گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا کہ پرانے زمانے میں

چار اشخاص برہان نام کے تھے۔ وہ چاروں شمال سے دہلی میں آئے تھے۔ ان چار میں سے ایک برہان، برہان بلخی تھا۔ دوسرا برہان کاشانی۔ دو برہان اور تھے جن کے القاب مجھے یاد نہیں آرہے ان چاروں میں بڑی دوستی تھی۔ وہ اکھٹے کھاتے پیتے اور اکھٹے تحصیل علم کرتے پہلے روز جب وہ دہلی آئے تو اسی روز قاضی شہر نے جس کا نام نصیر کاشانی تھا۔ برہان کاشانی سے ایک مجلس میں ایک سوال کیا یہ برہان کاشانی دبلا پتلا اور چھوٹے قد کا تھا۔ جب اس نے سوال کا جواب دیتے ہوئے نکات بیان کرنا شروع کر دیئے۔ تو طالب علموں نے کہا کہ یہ ریزہ[1] کیا کہے گا اس دن سے اس کا عرف ریزہ ہو گیا۔ اور اس کے نام سے کاشانی کا لفظ اڑ گیا۔ اور اسے برہان ریزہ کہا جانے لگا۔ الغرض یہ برہان ایک بزرگ آدمی تھے۔ وہ آخر عمر میں ابدال ہو گئے۔

حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا میں نے انہیں دیکھا تھا وہ ہر صبح پیدل گھر سے نکلتے حالانکہ ان کے پاس دس سے زیادہ گھوڑے تھے۔ وہ کسی غلام کو اپنے ساتھ نہیں رکھتے تھے حالانکہ ان کے پاس ایک سو سے زیادہ خدمت گار تھے ان کے ایک بیٹے نورالدین محمد نام کے تھے ایک دن بیٹے نے باپ سے کہا کہ آپ ہر روز گھر سے باہر جاتے ہیں۔ ہمارے بہت سے دشمن ہیں اور آپ کے ساتھ آدمی نہیں ہوتا، اگر آپ اپنے ساتھ ایک غلام لے جایا کریں جو آپ کی خدمت کرے اور ضرورت کے وقت پانی کا کوزہ لا دے تو بڑا اچھا ہو۔ مولانا برہان الدین نے بیٹے کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ بابا محمد! جہاں میں جاتا ہوں اگر وہاں غلام جا سکتا ہو تو سب سے پہلے میں تجھے لے جاؤں کہ تو میرا بیٹا ہے۔

---

[1] چھوٹی سی چیز، کسی چیز کا ٹکڑا۔

انچاسویں مجلس

اتوار سال مذکور کے ماہ جمادی الآخر کی انتیس تاریخ

دست بوسی کی دولت حاصل کی۔ چونکہ رجب کا مہینہ نزدیک آرہا تھا۔ بندے نے عرض کیا کہ خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے تیسری چوتھی اور پانچویں رجب کو نماز پڑھنے کا جو فرمایا ہے اس بارے میں بندے کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ ہر بزرگ نے جس نماز اور دعا کے لیے فرمایا وہ یا تو حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے یا صحابہ کرام سے۔ اب خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے ماہ رجب میں جن نمازوں کو پڑھنے کے لیے فرمایا ہے، جو سورتیں ان میں پڑھنے کے لیے معیّن کی ہیں اور جو دعائیں مانگنے کے لیے مخصوص کی ہیں وہ کہاں سے آئیں! حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرمایا کہ ان چیزوں کا انہیں الہام ہوا تھا۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ دہلی سے حضرت شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں اجودھن جانے سے پہلے میں یہ تین بلند مرتبہ اسماء یَا حَافِظُ یَا نَاصِرُ یَا مُعِیْنُ پڑھ کر روانہ ہوتا تھا۔ میں نے یہ دعا کسی سے نہیں سُنی تھی۔ اسی طرح جب میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا اور میں نے حق تعالیٰ سے اعانت و دست گیری چاہی تو میں یہی تین اسماء پڑھ رہا تھا۔ بعد ازاں ایک مدت کے بعد ایک صاحب نے مجھے دعا لکھ کر دی جو یہ ہے۔ یَا حَافِظُ یَا نَاصِرُ یَا مُعِیْنُ یَا مَالِکُ یَوْمِ الدِّیْنِ بِحَقِّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔

چند لمحے مشائخ کے احوال و مقامات کا ذکر رہا۔ بندے نے عرضداشت کی کہ میں نے یہ بات سنی ہے اور لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ کلمات خواجہ بایزید بسطامی نے کہے تھے بندہ ان کلمات کی کوئی تاویل نہیں کر پاتا اور اس وجہ سے دل کو تسلی بھی نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا وہ کون

سے کلمات ہیں! بندے نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ بایزید بسطامی نے کہا تھا، مُحمّدٌ وَ مَنْ دُوْنَہٗ تحتَ لِوائی یومَ القیامَۃِ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور جو ان سے کم درجے کے ہیں. سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپؐ کا ذکر بھلائی سے کرے. فرمایا نہیں یہ انہوں نے نہیں کہا اور یہ کلمات ان کے نہیں. اس کے بعد آپ فرمانے لگے کہ انہوں نے ایک دفعہ کہا تھا سُبْحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں میری شان کتنی بڑی ہے) بعدازاں آخر عمر میں اس سے انہوں نے توبہ کی اور کہا کہ میں نے یہ بات ٹھیک نہیں کہی تھی. اس وقت میں یہودی تھا. اب میں اپنا زنّار توڑتا ہوں. نئے سرے سے مسلمان ہوتا ہوں اور کہتا ہوں اَشْہدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَ اَشْہدُ اَنَّ مُحمّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

یہاں سے بات رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال و مقامات کی طرف مڑ گئی. آپ نے فرمایا کہ مشائخ و مردان حق کو جو حال و مقام ملتا ہے وہ اس لیے ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی ایسے ہی احوال و مقامات تھے. چنانچہ مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک باغ میں گئے، اس باغ میں ایک کنواں تھا آپ جاکر کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے آپؐ نے اپنے پاؤں کنویں کے کنارے لٹکا دیئے اور مشغول بہ حق ہو گئے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے. آپ نے ان سے کہا کہ کسی کو میری اجازت کے بغیر (باغ کے) اندر نہ آنے دینا۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے. ابو موسیٰ اشعریؓ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور آپؐ کو حضرت ابوبکرؓ کے آنے کی اطلاع دی. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں اندر بلا لو اور ان کو بہشت کی خوشخبری دو. ابو موسیٰؓ گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو اندر آنے کے لیے کہا وہ آئے اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دائیں طرف بیٹھ گئے وہ بھی اسی طرح کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے جیسے آپ بیٹھے ہوئے تھے. بعدازاں حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ آئے. ابو موسیٰ اشعریؓ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے آنے کی اطلاع دی. آپؐ نے انہیں بھی بہشت کی خوشخبری دینے اور اندر بلانے کے لیے فرمایا۔ وہ آئے اور اسی طرح کنویں میں پاؤں لٹکا کر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بائیں جانب بیٹھ گئے بعد میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے انہیں بھی آپ نے اندر بلا لیا۔ کچھ سوچنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرح آپؐ کے بالمقابل بیٹھ گئے۔ بعدازاں امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ آئے اجازت ملنے کے بعد وہ بھی اندر آ گئے۔ اور وہ بھی اسی طرح کنوئیں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح آج کے دن ہم یکجا ہیں اسی طرح موت میں ہم یکجا ہوں گے۔ اور موت کے بعد جی اٹھنے میں بھی یکجا ہوں گے۔

جب یہ بات ختم ہوئی، فقر و خرقہ کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا۔ حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شب معراج میں خرقہ عطا ہوا تھا اس خرقہ کو خرقۂ فقر کہتے ہیں بعدازاں آپؐ نے صحابہؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا، کہ مجھے خرقہ ملا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں یہ خرقہ تم میں سے کسی ایک کو دوں۔ میں آپ لوگوں سے ایک بات پوچھتا ہوں، آپ لوگ اس کا جواب دیں۔ مجھے بتایا گیا ہے۔ کہ جو بھی وہ جواب دے۔ جسے کہ میں جانتا ہوں میں یہ خرقہ اُسے دوں۔ بعدازاں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے پوچھا کہ اگر میں یہ خرقہ تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا میں صدق و راستی اختیار کروں گا۔ طاعت و عبادت کروں گا۔ اور عطا و بخشش کروں گا۔ اس کے بعد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اگر تمہیں میں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے! انہوں نے کہا، عدل کروں گا۔ اور انصاف کا خیال رکھوں گا۔ بعدازاں آپؐ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ مال خرچ کروں گا! اور جود و سخا کروں گا، پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہیں میں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے، انہوں نے کہا میں پردہ پوشی کروں گا۔ اور بندگان خدا کے عیب ڈھانپوں گا۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ لو، یہ خرقہ میں تمہیں دیتا ہوں، مجھے یہ حکم تھا کہ جو اس طرح جواب دے یہ خرقہ اس کو دینا۔

یہاں سے بات امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف و مناقب اور ان کے انصاف و سخاوت کے بارے میں ہونے لگی۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ان کی زرہ کھو گئی! اور پھر ایک دن انہوں نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی اسے انہوں نے پکڑ لیا اور

کہا کہ یہ زرہ میری ہے یہودی نے کہا کہ مجھ پر دعوے کرکے ثابت کیجئے کہ یہ زرہ آپ کی ہے پھر اسے لے لیجئے، ان دنوں امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں خلیفہ بھی ہوں، مدعی بھی ہوں، یہ دعویٰ کیسے ثابت ہو سکتا ہے ہم (قاضی، شریح کے پاس جاتے ہیں. اور اس کے سامنے دعویٰ پیش کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس زمانے میں شریح حضرت علیؓ کے نائب تھے۔ الغرض وہ دونوں شریح کے سامنے پیش ہوئے۔ جب زرہ کے مقدمے کا آغاز ہوا تو شریح امیرالمومنین حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے! اور ان سے کہا اگرچہ آپ خلیفہ ہیں لیکن اس وقت نائب خلیفہ ہونے کی حیثیت سے حاکم میں ہوں۔ چونکہ آپ دعویٰ لے کر آتے ہیں اس لیے آپ کو یہودی کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیئے۔ امیرالمومنین حضرت علیؓ نے ایسا ہی کیا اور وہ یہودی کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ اور کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ اور یہودی کے پاس اس کا ہونا درست نہیں، شریح نے کہا کہ شہادت لائیے۔ حضرت علی بولے کہ آپ کیا چاہتے ہیں! شریح نے کہا کہ گواہ پیش کیجئے امیرالمومنین حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور قنبر کو بطور گواہ پیش کیا، شریح نے بتایا کہ حسنؓ آپ کے بیٹے ہیں اور قنبر غلام میں ان کی گواہی نہیں سنوں گا۔ امیرالمومنین حضرت علی نے کہا کہ ان کے علاوہ میرا اور کوئی گواہ نہیں شریح نے حضرت علیؓ کا دعویٰ خارج کر دیا اور یہودی سے کہا کہ زرہ لے لو اور جاؤ۔ جب وہ دو گواہ لائیں گے اس وقت انہیں زرہ ملے گی۔ یہودی نے جب یہ واقعہ دیکھا وہ حیران رہ گیا اور اس نے اپنے آپ سے کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اس طرح کا دین ہے اسی وقت اس نے اسلام قبول کر لیا اور زرہ حضرت علی کے حوالے کر دی۔ اور کہا کہ یہ آپ ہی کی ہے۔ میرے پاس غلط طور پر آگئی تھی۔ امیرالمومنین حضرت علی نے وہ زرہ اُسے عطا کی اور اس کے ساتھ ایک عدد گھوڑا بھی دیا۔

اس مجلس میں آپ کا ایک مرید آگیا اور اس نے عرض کیا کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے! اس نے کہا "خیر" نام رکھا ہے، مگر ـــــ حضرت مخدوم سے عرض ہے کہ اس کا کوئی نام رکھیں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا جب تم نے کہدیا

خیر، تو اب اس کا یہی نام رہنا چاہیئے۔

اسی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ خواجہ خیر نسّاج رحمۃ اللہ علیہ شہر سے باہر نکلے، بادشاہ کے چوبدار نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ تم میرے غلام ہو۔ خواجہ نساج نے کچھ نہ کہا اور اس کی یہ بات مان لی۔ وہ ایک عرصہ اس شخص کے پاس رہے اس شخص کا ایک باغ تھا وہ اس کی باغبانی کرتے تھے۔ ایک مدت کے بعد وہ شخص اپنے باغ میں آیا اور اس نے خواجہ نساج سے کہا کہ ایک میٹھا انار توڑ کر لاؤ۔ خواجہ نساج نے ایک انار توڑ کر اُسے دیا۔ اس نے چکھا تو وہ ترش تھا۔ وہ کہنے لگا میں نے تمہیں میٹھا انار لانے کے لیے کہا تھا۔ خواجہ نساج پھر دوسرا انار لائے، اور اُسے دیا۔ وہ انار بھی ترش نکلا۔ اس پر باغ کے مالک نے کہا، میں تم سے میٹھا انار لانے کا کہہ رہا ہوں۔ اور تم برابر ترش انار لا رہے ہو۔ خواجہ خیر نساج نے کہا کہ میں کیا جانوں میٹھا انار کون سا ہے۔ اور ترش کون سا! ۔ باغ کا مالک بولا۔ ایک مدت سے تم اس باغ کی باغبانی کر رہے ہو اور تم یہ نہیں جانتے کہ میٹھا انار کون سا ہے! اور ترش کون سا! خواجہ نساج نے کہا کہ تم نے مجھے اس باغ کی باغبانی کرنے کے لیے کہا ہے۔ میں تو اس کا امین ہوں۔ میں نے تیرے انار نہ چکھے ہیں اور نہ کھائے ہیں۔ کہ میں یہ جانوں کہ ان میں سے ترش کون سا ہے۔ اور میٹھا کون سا۔ باغ کے مالک کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے انہیں آزاد کر دیا۔ اس سے پہلے خواجہ خیر نسّاج کا نام کچھ اور تھا۔ اس شخص نے ان کا نام خیر رکھدیا جب خواجہ خیر نسّاج اس کی غلامی سے آزاد ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ اب میرا نام وہی ہوگا جو اس شخص نے رکھا ہے۔

پچاسویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ رجب کی چھبیس تاریخ ــــ دولت پائے بوسی نصیب ہوئی۔

بندے کے دل میں ایک حدیث کے بارے میں کچھ تردد سا تھا۔ میں نے آپ سے اس کی تحقیق چاہی وہ حدیث یہ تھی زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ (ناغہ کر کے آؤ اس سے محبت بڑھتی ہے) بندے نے پوچھا کہ کیا یہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے؟ فرمایا، ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ برابر حضرت رسالت مآب کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ زُرْ غِبًّا حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ کہا کہ ایک روز آؤ اور ایک روز نہ آؤ۔ اسے غِبّ کہتے ہیں، رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ زُرْ غِبًّا یعنی ایک روز آؤ اور ایک روز نہ آؤ۔

پھر درویشوں کا ذکر ہوا جو اپنے اہل و عیال کی زنجیر میں گرفتار ہیں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ صبر کے تین موقعے اور محل ہیں۔ اوّل اَلصَّبْرُ عَنْهُنَّ۔ اس کے بعد اَلصَّبْرُ عَلَيْهِنَّ اور پھر ہے اَلصَّبْرُ عَلَی النَّارِ۔ اس کے بعد اس کی وضاحت یوں فرمائی۔ اوّل عورتوں کے معاملے میں صبر کرنا چاہیئے۔ اگر کسی کو اس جانب اصلاً کوئی کشش نہیں اور اس امر کی طرف اُسے بالکل میلان نہیں تھا۔ عورتوں سے بالکل کنارہ کش رہے یہ بڑا اچھا صبر ہے اسے اَلصَّبْرُ عَنْهُنَّ کہیں گے۔ اگر یہ صبر اس کے بس میں نہیں تو بیوی کرے یا لونڈی خریدے، اس حالت میں اُسے چاہیئے کہ وہ بیوی اور لونڈی کے معاملے میں آزمائشوں پر صبر کرے یہ اَلصَّبْرُ عَلَيْهِنَّ ہے اگر وہ اس سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور خطاؤں کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے دوزخ پر صبر کرنا ہوگا یہ

۱؎ محدث عقیلی کہتے ہیں کہ یہ حدیث طلحہ سے منقول ہے جن روایانِ حدیث نے اس کی تائید کی ہے وہ بھی طلحہ ہی کی طرح ضعیف ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ عبید بن عمیر کا قول ہے۔ سخاوی لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ حدیث بہت سے طرق سے مروی ہے مگر ان طرق میں سے ایک بھی صحیح نہیں سب معلول ہیں بزاز کے نزدیک یہ حدیث کسی صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے اس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اگرچہ اسکے سب طرق ضعیف ہیں مگر ان سے بحیثیت مجموعی حدیث کو تقویت بہم پہنچ جاتی ہے (حدیث رسولؐ کا تشریعی مقام تصنیف ڈاکٹر مصطفی سباعی جامعہ دمشق۔ ترجمہ غلام احمد حریری صہ ۱۸۰)

ہے، اَلصَّبْرُ علی النّار۔ پس صبر کی یہ تین قسمیں ہیں۔ اوّل اَلصَّبْرُ عنھن۔ دوم اَلصَّبْرُ علیھن اور سوم اَلصَّبْرُ علی النّار۔ والسلام

اکاّونویں مجلس

منگل وار سال مذکور ماہ شعبان کی تیرہ تاریخ

سعادت دست بوسی نصیب ہوئی۔ مولانا نور ترک[۱] کا ذکر آیا۔ بندے نے عرض کیا کہ دہلی کے بعض علماء ان کے دین کے بارے میں کچھ باتیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ باتیں ٹھیک نہیں وہ آسمان سے برسنے والے پانی سے پاکیزہ تر تھے۔ بندے نے کہا کہ تاریخ طبقات ناصری میں اس طرح لکھا ہے کہ علمائے شریعت انہیں ناصبی اور مرجی کہتے ہیں فرمایا وہ علمائے شہر کو اس سبب سے ناپسند کرتے تھے۔ کہ وہ ان کو دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا دیکھتے تھے۔ اس

---

[۱] مولانا نور ترک سلطانہ رضیہ کے عہد حکومت میں تھے۔ قاضی منہاج الدین طبقات ناصری کے مصنف کا بیان ہے کہ نور ترک قرامطہ و ملاحدہ کے رہنما تھے۔ وہ وعظ کہتے تھے۔ اور دہلی کے "اوباش" ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ ۶ ماہ رجب ۶۳۴ھ ۱۲۳۷ء کو جمعہ کے دن ان کے معتقدین جامع مسجد دہلی پر حملہ آور ہوئے، اور بہت سے غازیوں کو شہید کر دیا بڑی مشکل سے یہ فتنہ فرو کیا گیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس الزام کی تردید کی ہے۔ مولانا ترک کا ذکر شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیاء، میر خورد، شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم نے احترامًا کیا ہے۔

کے جواب میں علماء نے ان کی طرف یہ سب چیزیں منسوب کردی تھیں، بندے نے عرض کیا کہ مُرجی اور ناصبی کون ہوتے ہیں؟ فرمایا رافضی کو ناصبی کہتے ہیں اور مرجی وہ گروہ ہے جو رجا[1] کا قائل ہے، اس وقت ارشاد کیا کہ مرجی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک مرجی خالص اور دوسرے مرجی غیر خالص ۔ مرجی خالص وہ ہے جو صرف خداوند تعالیٰ کی رحمت کی بات کرتا ہے اور مُرجی غیر خالص وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کی رحمت اور عذاب دونوں کی بات کرتا ہے ۔ اور صحیح مذہب یہی ہے ۔

بعد ازاں آپ نے مولانا نور ترک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی بات میں بڑی تاثیر تھی ۔ مگر انہوں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی ۔ جو کچھ کہتے تھے ۔ اپنی قوتِ علم اور قوتِ مجاہدہ کی بنا پر کہتے تھے ۔ ان کا ایک غلام تھا جو انہیں ہر روز ایک درہم دیتا تھا اور اسی پر ان کا گزارہ تھا ۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے ان کے متعلق یہ حکایت بیان کی جب مولانا نور تُرک مکہ معظمہ گئے تو وہیں رہ پڑے ۔ اس سرزمین سے ایک شخص مکہ معظمہ گیا اور ان کے لیے دومن چاول لے گیا ۔ انہوں نے چاول لے لیے اور اس کے لیے دعا کی اس سے پہلے یوں ہوا تھا کہ ایک دفعہ ملکہ رضیہ[2] نے ان کی خدمت میں زرِ نقد بھیجا ۔ یہ اچھی خاصی رقم تھی انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا تھا ۔ ان کے ہاتھ میں اس وقت لکڑی کی ایک چھڑی تھی ۔ انہوں نے اس چھڑی کو زرِ نقد پر مارا اور کہا کہ یہ کیا ہے ؟ میرے سامنے سے اسے لے جاؤ الغرض جب وہ شخص ان کے لیے دومن چاول مکہ معظمہ لے گیا اور انہوں نے وہ قبول کر لیے تو اس کے دل میں خیال آیا ۔ کہ یہی وہ بزرگ ہیں ۔ جنہوں نے دہلی میں اس قدر زرِ نقد لینے سے انکار کر دیا تھا ۔ اور آج وہ اتنے چاول قبول کر رہے ہیں ۔ مولانا نور ترک نے

---

[1] فرقۂ مرجیہ اس بات کا قائل تھا کہ ایک مسلمان کے اعمال خواہ کیسے ہی ہوں ۔ وہ ضرور بخشا جائے گا ۔ یہ فرقہ اعمالِ صالحہ کو زیادہ اہمیت نہ دیتا تھا فرقۂ مرجیہ بنوامیہ کی خلافت کے دور میں پیدا ہوا تھا ۔

[2] سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی جو اس کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھی ۔ عہدِ حکومت ۶۳۴ھ تا ۶۳۷ھ

سے کہا۔ صاحب! تم مکہ میں بیٹھ کر دہلی کا خیال نہ کرو۔ نیز ان دنوں میں جوان تھا۔ وہ قوت اور تیزی اب کہاں۔ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اور پھر اس جگہ اناج کم یاب ہے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ یہ بزرگ یعنی مولانا نور ترک ہانسی گئے اور وہاں وعظ کیا۔ میں نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے۔ کہ میں کئی بار ان کا وعظ سُن چکا تھا۔ جب وہ ہانسی پہنچے اور انہوں نے وعظ شروع کیا تو میں عین اسی وقت ان کا وعظ سننے پہنچ گیا۔ میرے کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ اور اس سے پہلے میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جونہی میں مسجد کے اندر داخل ہوا اور ان کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ انہوں نے اپنے سلسلہ کلام کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا اے مسلمانو! بات کو پرکھنے والا آگیا ہے اس کے بعد میری اتنی تعریف کی کہ کسی بادشاہ کی بھی نہ کی ہو گی۔

بعد ازاں تعویذ لکھنے اور انہیں لوگوں کو دینے کے بارے میں گفتگو ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ لوگ مجھ سے تعویذ مانگتے ہیں آپ کا کیا فرمان ہے میں انہیں لکھ کر دے دیا کروں! شیخ قطب الدین بختیار نے فرمایا کہ مراد پوری کرنا نہ تمہارے ہاتھ میں ہے اور نہ میرے ہاتھ میں۔ تعویذ میں خدا کا نام اور خدا کا کلام ہوتا ہے لکھ کر دے دیا کرو۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے ــــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے میرے دل میں بارہا۔ یہ خیال آیا کہ میں حضرت شیخ سے کسی مناسب فرصت میں تعویذ لکھنے کی اجازت مانگوں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بدر الدین اسحاق جو آپ کی طرف سے تعویذ لکھا کرتے تھے۔ موجود نہ تھے۔ اور لوگ تعویذ لینے کے لیے آ گئے تھے۔ حضرت شیخ نے مجھے اشارہ فرمایا کہ تم تعویذ لکھو۔ میں تعویذ لکھ رہا تھا۔ اور لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میں نے بہت سے تعویذ لکھے۔ لوگوں کی بھیڑ اور زیادہ ہو گئی۔ اس دوران میں حضرت شیخ میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کیا پریشان ہو گئے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت شیخ کی توجہ موجود ہے۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں تعویذ لکھنے اور دینے کی اجازت دی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بزرگوں کے ہاتھ کا چھو جانا بھی بڑا کام ہے۔ واللہ اعلم۔

باونویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ رمضان کی گیارہ تاریخ

دولت دست بوسی حاصل ہوئی۔ آپ کے پاس لوگ آ رہے تھے۔ جو بھی آتا تھا آپکو نذر دینے کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر آتا تھا ایک شخص آیا! اور وہ کچھ نہ لایا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اسے کچھ دو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جو بھی میرے پاس آتا ہے۔ کوئی نہ کوئی چیز لے کر جاتا ہے۔ اگر ایک مسکین آتا ہے اور وہ کوئی چیز لے کر نہیں آتا تو یقیناً مجھے اُسے کچھ نہ کچھ دینا چاہیئے۔

اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ صحابہؓ حضرت رسالت مآبؐ علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں آتے تھے۔ تو طلب علم اور احکام شرع معلوم کرنے کے لیے آتے تھے۔ چنانچہ جب وہ آپؐ کی خدمت سے واپس جاتے تھے تو دین حق کے دلائل لے کر جاتے تھے۔ یعنی جو افادات وہ آپ سے سنتے تھے۔ ان کی مدد سے جا کے دوسروں کی رہنمائی کرتے تھے۔ اس کے باوجود جب صحابہ آپ کے ہاں سے جاتے تو جب تک کچھ کھا نہ لیتے، واپس نہ جاتے اس وقت حضرت خواجہ نے کہا کہ ایک دن امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو کوئی چیز اپنے پاس رکھی ہو، صبح سے دوپہر کے آرام کرنے تک جو چیز آتی تھی اسی وقت اُسے دے دیتے تھے

پھر قیلولہ سے رات تک جو کچھ آتا اُسے رات کو سونے سے پہلے تقسیم کر دیتے۔

اسی اثنار میں بندے نے عرض کیا کہ اسراف (فضول خرچی) کسے کہتے ہیں اور اس کی حد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو چیز بھی بغیر اچھی نیت کے دی جائے۔ اور خدا کے لیے نہ دی جائے۔ وہ اسراف ہے۔ اسی طرح اگر ایک دانگ (چھ رتی وزن کا سکہ یعنی ایک معمولی سا سکہ) بھی دیا جائے تو وہ اسراف ہوگا۔ اگر حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے ساری دنیا بھی دے دی جائے تو وہ اسراف نہیں ہوگا۔ اس موقع پر ارشاد ہوا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ بہت خرچ کرتے تھے۔ کسی آدمی نے ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی:۔ لَاخَیْرَ فِی الْاِسْرَافِ (اسراف اور فضول خرچی میں کوئی اچھائی نہیں) شیخ ابو سعید ابوالخیر نے جواب میں فرمایا: لا اسراف فی الخیر (اچھے کام میں خرچ کرنا اسراف نہیں)

اس موقع پہ ہمت[1] کا ذکر آگیا فرمایا۔ ہمتیں مختلف انواع کی ہوتی ہیں۔ ایک بزرگ تھے جن کا ایک بیٹا اور ایک غلام تھا۔ ان کے غلام میں رشد و ہدایت کی صلاحیت تھی اس بزرگ نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا۔ پہلے انہوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ تمہاری ہمت کس چیز کے لیے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا میری ہمت اس کے لیے ہے کہ میرے پاس گھوڑے ہوں اور بہت سے غلام ہوں۔ اسی وقت انہوں نے غلام سے پوچھا کہ تمہاری ہمت کس کے لیے ہے؟ غلام نے کہا کہ میری ہمت اس کے لیے ہے کہ ہر غلام کو آزاد کروں۔ اور آزاد لوگوں کو اپنے احسان و کرم سے اپنا غلام بناؤں۔ اس موقع پر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایک کی ہمت اس کے لیے ہے کہ وہ دنیا کو طلب کرے! اور دوسرے کی ہمت اس کے لیے ہے کہ دنیا اس کے آس پاس نہ آئے۔ ان دو ہمتوں میں سے آخر الذکر

---

[1] صوفیہ کے ہاں ہمت سے مراد ہے اپنی پوری قوتوں کے ساتھ کسی چیز کے حصول کے لیے متوجہ ہونا۔ دل میں کسی امر کے متعلق جو پہلا خیال یا خاطر گزرتا ہے۔ اُسے خاطر اول کہتے ہیں جب وہ خیال قوی ہو کر نفس میں محقق ہو جاتا ہے۔ تو وہ ارادہ ہے اور جب اس میں مزید پختگی آجاتی ہے تو اُسے ہمت کہتے ہیں۔ ہمت کے لیے یقین ضروری ہے۔

ہمت بہتر ہے۔ اس لیے کہ اگر دنیا آتی ہے تو مرحبا اور خوش آمدید اور اگر نہیں آتی تو پھر بھی مرحبا اور خوش آمدید! ایسی ہمت والا دونوں حالوں میں خوش رہتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ جو شخص کہتا ہے کہ مجھے دنیا نہیں چاہیئے۔ تو اس کا یہ دنیا کو نہ چاہنا بھی اُسے چاہنا ہی ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ وہ حق تعالیٰ کی مرضی پر خوش رہے اگر اُسے دنیا ملے تو اُسے خرچ کرے اور اگر نہ ملے تو صبر کرے اور خوش رہے۔

اسی دوران میں آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم صدقہ فطر دیتے ہو میں نے آپ سے استفسار کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا مجھ پر صدقہ فطر واجب ہے! آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کامل نصاب ہے تو واجب ہے کامل نصاب سے وہ چیزیں جو لازمی ہیں، یعنی جن کے بغیر چارہ نہیں خارج ہیں جیسے پہننے کے کپڑے، گھوڑا اور وہ چیزیں جن کی انسان کو حاجت رہتی ہے۔ ہاں اگر زر نقد پاس ہے تو صدقہ دینا چاہیئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس بہت کچھ ہے لیکن جب میرے پاس ایک دانگ یعنی ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ میں قرض لے کر صدقہ فطر دیتا تھا۔ کیونکہ جب سے مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ ماہ رمضان کے روزوں کی قبولیت موقوف ہے۔ صدقۂ فطر پر، میں صدقۂ فطر دے رہا ہوں بندہ یہ سُنکر آداب بجالایا اور عرض کی کہ مجھے منظور ہے اب میں صدقہ فطر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ خود اپنا، اپنے غلاموں کا اور جو تمہارے چھوٹے ہیں۔ ان سب کا دینا۔

اس موقعہ پر بندے نے یہ عرضداشت کی۔ جب بندہ دیوگیر[1] (دکن) میں تھا۔ اس کے آزاد کردہ غلام اور خدمت گار ملیح نے پانچ تنکوں میں ایک کمسن لڑکی خریدی تھی۔ جب لشکر دہلی شہر کی طرف لوٹنے لگا تو اس لڑکی کی ماں اور باپ آگئے وہ بڑی آہ وزاری کرتے ہوئے ملیح خدمت گار کے پاس آئے۔ اور اپنے ساتھ دس تنکے لائے انہوں نے ملیح سے کہا کہ یہ دس تنکے لو اور ہماری لڑکی ہمیں واپس دے دو۔ بندے کا دل اس لڑکی کے ماں باپ کی آہ وزاری پر جل اٹھا میں نے اپنے پاس سے ملیح کو دس تنکے دیئے۔ اور اس سے کہا کہ تم نے اس لڑکی

---

[1] سلطان علاء الدین خلجی نے دیوگیر (دکن) کی طرف فوجیں بھیجی تھیں۔

کو پانچ تنکوں میں خریدا ہے۔ میرے ہاتھ اس کو دس تنکوں میں بیچ دو۔ میں اسے خریدوں گا۔ بعد ازاں میں نے وہ لڑکی اس کے ماں باپ کو واپس کردی۔ اور وہ تنکے بھی جو وہ ساتھ لائے تھے انہیں واپس کر دیئے۔ بندے نے یہ جو کچھ کیا اس کے بارے میں حضرت مخدوم کیا فرماتے ہیں؟ حضرت خواجہ ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ آبدیدہ ہوگئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا اس موقعہ پر بندے نے عرض کیا کہ اس زر خرید لڑکی کو اس کے ماں باپ کو واپس کرنے کا میرا یہ فعل مولانا علاء الدین اصولی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فعل کے تتبع میں تھا۔ جس کی حکایت حضرت مخدوم کے ہاں میں نے سنی تھی۔ حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا ہاں وہ بھی ایسا ہی واقعہ تھا مولانا علاء الدین اصولی کے پاس بدایوں میں ایک نئی خریدی ہوئی بڑھیا لونڈی تھی۔ مولانا صبح جاگے تو دیکھا کہ وہ لونڈی آٹا پیستی جاتی اور روتی جاتی تھی۔ مولانا نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں رو رہی ہو! اس نے کہا کہ میں اپنا بیٹا کاٹھیر کے علاقے میں چھوڑ آئی ہوں اور اس کی جدائی کے باعث روتی ہوں۔ مولانا نے اس سے کہا کہ اگر میں تمہیں نماز گاہ کے نزدیک لے چلوں تو وہاں سے تم اپنے گھر کا راستہ جانتی ہو۔ اس بڑھیا نے کہا کہ ہاں وہاں سے میں اپنے گھر کا راستہ جانتی ہوں۔ مولانا علاء الدین اصولی نے اُسے چند روٹیاں دیں۔ اور اُسے کاٹھیر کے راستے پر لے جاکر چھوڑ آئے۔ جب حضرت خواجہ نے یہ حکایت مکمل کی تو ایک دانشمند نے جو مجلس میں موجود تھا کہا کہ اسی طرح جب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاتم طائی کی بیٹی گرفتار ہوکر آئی تھی۔ اور اس نے اپنے باپ کے اوصاف و مناقب بیان کئے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کے اوصاف سُنکر اُسے آزاد کر دیا تھا۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ بندہ طاعت و عبادت کے جو کام بھی کرتا ہے۔ خواہ وہ کام مالی ہوں یا بدنی یا پاکیزہ اخلاق میں سے کوئی خلق ہو اگر طاعت و عبادت کے ان کاموں میں سے ایک چیز بھی قبول ہو جائے تو بندے کے

ؒ بدایوں میں حضرت خواجہ نظام الدین کے استاد تھے۔

سارے اعمال و افعال کو اس مقبول شدہ چیز کی پناہ مل جاتی ہے۔ اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کس کنجی سے وہ قفل سعادت کھل جائے پس تمام کنجیوں کو اپنی دست رس میں رکھنا چاہیئے۔ اگر اس کنجی سے قفل سعادت نہیں کھلتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور کنجی سے کھل جائے اسی طرح اگر وہ ایک سے نہیں کھلتا تو ہو سکتا ہے کہ دوسری کنجی سے کھل جائے۔

ترپنویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ رمضان کی تئیس تاریخ

سعادت دست بوسی میسر ہوئی۔ وضو میں کتنی احتیاط ہونی چاہیئے۔ اس موضوع پر گفتگو رہی۔ آپ نے فرمایا، وضو کے لیے احتیاط شرط ہے لیکن اس قدر کہ آدمی کا دل اپنے وضو سے مطمئن رہے بعض لوگ چند قدم چلنے اور لیٹ جانے کو ناقض وضو[1] بتاتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں اس موقع پر ارشاد ہوا کہ مولانا علاء الدین اصولی فرماتے تھے کہ وضو قائم رہنے کا تعلق مکان سے نہیں زمان سے ہے یعنی یہ کہ چند قدم چلنے کو ناقص وضو قرار دینا قابل اعتبار نہیں۔ قابل اعتبار یہ ہے کہ جب تک دل کو یہ اطمینان ہو کہ وضو ہے، وضو رہے گا۔

اسی موقع پر اس بات کا ذکر آیا کہ اگر کسی کو بار بار پیشاب آنے کی شکایت ہو۔ یا اُسے مستقل طور پر نکسیر آتی ہو یا اس جیسی کوئی بیماری ہو تو وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک عورت رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں آئی اور آپ سے عرض کیا کہ مجھے برابر خون آتا

---

[1] وہ چیز جس سے وضو ٹوٹ جائے، ناقض وضو ہے۔

رہتا ہے ۔ میں وضو کے متعلق کیا تدبیر اختیار کروں! رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کرو ۔ خواہ نماز پڑھتے وقت چٹائی پر خون ہی کیوں نہ لگ جائے ۔

پھر نماز اور نماز میں حضوری کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کے ضمن میں گفتگو ہونے لگی ۔ بندے نے عرض کیا کہ سننے میں آیا ہے کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز اکثر جس جگہ بیٹھے ہوتے تھے ۔ اسی جگہ بار بار سجدہ کرتے تھے ۔ اور ایسا نماز سے باہر ہوتا تھا آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے ۔ اسی موقعہ پر ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ اپنے حجرے میں تھے اور آپ نے دروازہ بند کر رکھا تھا ۔ میں نے کسی طرح سے اندر نگاہ کی تو دیکھا کہ آپ ہر بار کھڑے ہوتے ہیں اور سجدے میں جاتے ہیں اور یہ مصرع زبان سے ارشاد کرتے ہیں کہ

از بہر تو میرم از برای تو زیم

(میری موت اور زندگی تمہارے لیے ہے ۔)

اس وقت حضرت شیخ کی رحلت کا ذکر آیا ۔ فرمایا ، ماہ محرم کی پانچویں رات تھی آپکی بیماری شدت اختیار کر گئی آپ نے عشاء کی نماز با جماعت پڑھی ۔ بعد ازاں بے ہوش ہو گئے تھوڑی دیر بعد آپ پھر ہوش میں آ گئے آپ نے پوچھا کہ کیا میں نے نماز عشاء پڑھی ہے! بتایا گیا پڑھی ہے فرمانے لگے ۔ کہ ایک بار اور پڑھ لوں ۔ کون جانے پھر کیا ہوگا! جب دوسری بار نماز عشاء پڑھی تو پھر بے ہوش ہو گئے ۔ اس دفعہ پہلے سے زیادہ دیر تک بے ہوش رہے ۔ جب ہوش میں آئے تو پوچھا کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھی تھی ۔ لوگوں نے کہا آپ نے دو بار نمازِ عشاء ادا کی ہے فرمایا ایک بار اور پڑھ لوں ۔ کون جانے پھر کیا ہو! اس وقت آپ نے تیسری بار نمازِ عشاء پڑھی ۔ بعد ازاں آپ رحمتِ حق سے ہمکنار ہو گئے ۔ قدس اللہ سرہ العزیز

چوّنویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی تیرہ تاریخ:

دولت پابوسی میسر ہوئی ۔ اصحاب تشغل (اصحاب ذکر) اور ملازمت پیشہ لوگوں کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ ذکر واذکار کرنے کا اور نوکری کا آپس میں کم تعلق ہوتا ہے۔

اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ گزشتہ ایام میں ایک شخص تھا حمید نامی۔ وہ اپنی ابتدائی زندگی میں دہلی میں طغرل[1] کے ہاں نوکر تھا۔ جو بعد میں جاکر لکھنوتی (بنگال)، کا بادشاہ بن گیا تھا۔ الغرض یہ حمید اس طغرل کے پاس نوکر تھا اور ہمیشہ اس کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ایک روز وہ طغرل کے سامنے کھڑا تھا کہ ایک صورت ظاہر ہوئی ۔ اور اس نے کہا : اے حمید! تم اس بے حیثیت آدمی کے سامنے کھڑے ہوتے ہو۔ اس صورت نے یہ کہا اور غائب ہوگئی۔ خواجہ حمید حیران ہوئے کہ یہ کیا ہے ۔ ایک بار وہ پھر طغرل کے سامنے کھڑے تھے کہ وہی صورت ظاہر ہوئی انہوں نے اُسے دیکھا اس نے پھر ان سے کہا اے حمید ! تم اس بے حیثیت آدمی کے سامنے کھڑے ہوتے ہو۔ حمید حیران رہ گئے ۔ یہاں تک کہ انہوں نے اُسے تیسری بار دیکھا اور اس نے پھر یہی کہا اے حمید! تم اس بے حیثیت آدمی کے سامنے کھڑے ہوتے ہو۔ اس دفعہ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اس کے سامنے کیوں نہ کھڑا ہوں، میں اس کا نوکر ہوں ۔ وہ میرا

---

[1] طغرل سلطان بلبن کا غلام تھا۔ سلطان نے اُسے بنگال کا گورنر مقرر کیا۔ لبعد میں اس نے بغاوت کی اور وہاں کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ سلطان بلبن نے اس پر فوج کشی کی اور اسے گرفتار کرکے پھانسی دے دی۔

آقا ہے۔ مجھے تنخواہ دیتا ہے۔ میں کیسے اس کے سامنے کھڑا نہ ہوں۔ اس صورت نے کہا، تم عالم ہو، وہ جاہل، تم آزاد ہو وہ غلام۔ تم نیک و صالح ہو وہ فاسق و بد اخلاق۔ صورت نے یہ کہا اور غائب ہوگئی۔ جب حمید نے یہ دیکھا تو وہ اپنے آقا کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا کہ میرا حساب کر دیجئے مجھ سے جو کچھ لینا دینا ہے دے لیجئے۔ میں آپ کی نوکری نہیں کروں گا۔ آقا نے کہا تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ خواجہ حمید نے جواب دیا نہیں بس میں آپ کی نوکری نہیں کروں گا مجھے اس سے باز رکھا جا رہا ہے۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے جب ان الفاظ پر پہنچے تو بندے نے عرض کیا کہ وہ صورت مردان غیب میں سے کسی کی ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کبھی کسی شخص کا باطن کدورتوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس طرح کی بہت چیزیں دیکھتا ہے۔ اس طرح کی فطری صلاحیتیں اس شخص میں بہت ہوتی ہیں۔ لیکن ان بڑے افعال کی وجہ سے جن کا وہ ارتکاب کرتا ہے۔ وہ صلاحیتیں اس سے پوشیدہ ہیں۔ جب اس کا باطن صفائے کامل حاصل کر لیتا ہے۔ تو وہ اس طرح کی چیزیں بہت دیکھتا ہے۔ اس وقت آپ نے زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

آں نافہ کہ می جستی ہم باتو در گلیم است
تو از سیہ گلیمی بوئی ازاں نداری

(خوشبو کا وہ نافہ جسے تم تلاش کرتے ہو وہ تمہارے پاس گلیم میں ہے۔ تم اپنی بدبختی کی وجہ سے اُسے سونگھ نہیں رہے۔)

اس موقعہ پر آپ نے پھر خواجہ حمید کا ذکر کیا، فرمایا جب وہ طغرل کی نوکری چھوڑ کر آگئے تو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی مریدی اختیار کی۔ میں نے انہیں دیکھا تھا وہ ایک باصلاحیت شخص تھے۔ کبھی کبھی وہ وعظ بھی کہتے تھے۔ وہ درویشی اور طاعت و عبادت میں صحیح راستے پر تھے۔ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اندرپت جاؤ اور وہاں جا کر رہو۔ اس لیے کہ تم اس زمانے میں ستارے کی مثل ہو لیکن ستارہ جب چاند کے سامنے ہو تو روشنی نہیں دیتا پس تم اندرپت جا کر رہو۔ خواجہ حمید

نے جیسے ہی حضرت شیخ کا یہ ارشاد سُنا اسی وقت اسے قبول کر لیا مگر اسی رات ان کے سات ساتھیوں نے عزم حج کیا خواجہ حمید کہ اطراف شہر میں جا چکے تھے۔ واپس آئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا، تعمیل ارشاد میں شہر سے باہر روانہ ہو گیا تھا۔ اب میں حضرت کے فرمان کے مطابق اندرپت جانے کے باب میں معذرت خواہ ہوں۔ حضرت مخدوم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اندرپت جاؤ اور وہاں رہو۔ میں نے اندرپت اور کیلوکھیری بار ہا دیکھا ہے میرے ساتھی حج کو جا رہے ہیں۔ حضرت مخدوم مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے ساتھ حج کو جاؤں حضرت شیخ نے فرمایا جاؤ الغرض خواجہ حمید اپنے دوستوں کی معیت میں حج کو گئے۔ اور اس سعادت سے فیضیاب ہوئے۔ جب وہ حج سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں حق تعالیٰ کی رحمت سے ہمکنار ہو گئے۔

اس روز ایک نوجوان نے حضرت خواجہ سے تجدید بعیت کی اُسے ابھی دنوں کسی کے ہاتھوں کچھ ایذا پہنچی تھی آپ نے اس کے حسبِ حال یہ شعر پڑھا ؎

اے بسا شیر کان ترا آہوست

اے بسا درد کان ترا داروست

(کتنے ہی شیر ہیں جو تیرے نزدیک ہرن کی حیثیت رکھتے ہیں اور کتنے ہی درد ہیں جو تیرے لیے مداوا کا حکم رکھتے ہیں۔)

پچپنویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی اکیس تاریخ

سعادت دست بوسی نصیب ہوئی۔ توبہ پر مستقل طور سے قائم رہنے اور بیعت کر کے

اس پر جمے رہنے کے بارے میں گفتگو ہونے لگی. آپ نے فرمایا جو شخص پیر کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس سے بیعت کرتا ہے اس کا یہ بیعت کرنا خداوند تعالیٰ کے ساتھ عہد کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس عہد پر ثابت قدم رہے اگر اس کو بیعت کے بعد بھی پریشانی رہتی ہے اور وہ ویسا ہی رہتا ہے. جیسے پہلے تھا. تو اس نے پھر کسی پیر کا کیا ہاتھ پکڑا ہے؟

اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا. اور آپ سے بیعت کی اس کے بعد جب میں وہاں سے واپس آرہا تھا. تو راستے میں مجھے پیاس لگی. اس وقت سخت لو چل رہی تھی. اور پانی دور تھا. اس دوران میں میں نے برسر راہ ایک علوی کو دیکھا، میں نے اُسے پہچان لیا. اس کو سید عماد کہتے تھے. وہ ایک خوش باش و آزاد منش آدمی تھا. جب میں اس کے پاس پہنچا تو پوچھا یہاں کوئی پانی کی جگہ ہے. میں بہت پیاسا ہوں. اس علوی کے سامنے آفتابہ (پانی کا برتن) پڑا تھا. اس نے کہا تم خوب آئے. اس آفتابہ کا ڈھکنا اٹھاؤ اور اس میں سے پیو. غالباً اس آفتابہ میں شراب تھی یا بھنگ مجھے معلوم ہوگیا تھا. میں نے اس علوی سے کہا کہ میں یہ ہرگز نہیں پیوں گا. اس نے کہا یہاں آس پاس کوئی پانی نہیں، میں نے ادھر پانی نہ ہونے کی وجہ سے ہی اس آفتابے کو ساتھ اٹھا رکھا ہے. یہاں دور تک کوئی پانی نہیں. اگر تم اس آفتابہ سے کچھ نہیں پیو گے تو پیاسے مر جاؤ گے. میں نے کہا کہ حضرت! اگر یہی ہونا ہے کہ میں مر جاؤں تو جو ہونا ہے سو ہو. میں نے تو حضرت شیخ کا ہاتھ پکڑا ہے. اور عہد کیا ہے کہ میں ہرگز ہرگز یہ چیز نہیں پیوں گا میں یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا. تھوڑی دور چلا تھا کہ میں پانی کے کنارے پہنچ گیا. الحمد للہ.

بعد ازاں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی. خواجہ حمید سوالی[1] شیخ معین الدین اجمیری کے مرید تھے. نیز شیخ قطب الدین بختیار کا خرقہ ان کے پاس تھا رحمتہ اللہ علیہم اجمعین. جب خواجہ حمید تائب ہوتے اور ان کو خرقہ ملا. تو ان کے پرانے رفقائے کار اور ساتھی ان کے

---

[1] پورا نام شیخ حمید الدین ناگوری سوالی ہے. (ملاحظہ ہو جلد اول. مجلس ۱)

پاس آئے اور کہا کہ آؤ پھر وہی شغل اختیار کریں ۔ خواجہ حمید نے کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا ۔ انہوں نے پھر اصرار کیا تو خواجہ حمید بولے جاؤ اور کسی گوشے میں جاکر آرام سے بیٹھ جاؤ ۔ میں نے اپنا ازار بند اتنا مضبوط باندھا ہے کہ کل کو قیامت کے دن اسے بہشت کی حوروں کی خاطر بھی نہیں کھولوں گا ۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے ۔

چھیّنویں مجلس

ہفتہ، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی گیارہ تاریخ

سعادت دست بوسی حاصل ہوئی ۔ بندے نے عرض کیا کہ اس مہینے کی تیرہ تاریخ کو روزہ نہیں رکھا جائے گا ۔ کیونکہ یہ ایام تشریق[1] میں سے ایک دن ہے ۔ اس صورت میں ایام بیض[2] کے روزوں کا کیا ہوگا! آپ نے فرمایا کہ یہ روزے اس مہینے کی سولہ تاریخ تک رکھے جانے چاہئیں ۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ایام بیض کے سلسلے میں چودہ، پندرہ اور سولہ تاریخ کے مسلسل روزے رکھنے کا فرمایا ہے ۔ اور ان کے نزدیک یہ ایام بیض ہیں ۔ لیکن جہاں تک اس مہینے یعنی ذی الحجہ کا تعلق ہے سب کا اس پر اتفاق ہے ۔ کہ اس میں ایام بیض کے روزے چودہ پندرہ اور سولہ تاریخوں کو رکھے جائیں ۔

---

[1] عید الضحیٰ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو ہوتی ہے ۔ گیارہ بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کے دن ایام تشریق کہلاتے ہیں ۔ ان میں روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے ۔

[2] ہر چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخیں ۔ ایام بیض ہیں ۔

اسی دوران میں کھانا لایا گیا، کھانے میں چاول بھی تھے۔ بندے نے عرض کیا کہ کیا الاُرُزُ مِنّیْ (چاول میری طرف سے) حدیث ہے؟ فرمایا کہ ہاں۔ لیکن بات یہ تھی کہ ایک دفعہ صحابہ نے اپنے اپنے طور پر کھانے کی چیزیں لانے کا اہتمام کیا۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک نہ ایک چیز لانے کا ذمہ لیا۔ ایک نے کہا اَللَّحْمُ مِنّیْ (گوشت مجھ پر)، دوسرے نے کہا کہ دوسری ضروری چیزیں میں لاؤں گا۔ غرض ہر ایک نے اسی طرح ایک ایک چیز کا ذمہ لیا۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: الاُرُزُ مِنّیْ (چاول میری طرف سے)

ستاونویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی بیسویں (۲۰) تاریخ

سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ کھانا لایا گیا۔ جب کھانا کھا کر فارغ ہوئے۔ تو ایک طشت اور آفتابہ (پانی کا برتن) لایا گیا۔ اس موقعہ پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ عرب میں طشت اور آفتابہ کو جو کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لیے لایا جاتا ہے۔ ابوالیاس (یاس و ناامیدی کا باپ) کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ ناامیدی کا سامان ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کھانے کی کوئی چیز نہیں لائی جائے گی۔ اسی وقت آپ نے بر سبیل مزاح فرمایا کہ ہندوستان میں پانی کو ابوالیاس کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے بعد کوئی کھانا نہیں لایا جاتا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ عرب میں پانی نہیں ہوتا اس لیے طشت اور آفتابہ کو جو کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لیے لایا جاتا ہے۔ ابوالیاس کہا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ طشت اور آفتابے کو وہاں ابوالیاس اور نمک کو ابوالفتح کہا جاتا ہے۔

اٹھاونویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی ستائیس تاریخ

شرف دست بوسی نصیب ہوا۔ طعام یعنی کھانے کے بارے میں گفتگو ہوئی آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے کہ کھانا جو کھایا جائے وہ متقی و پرہیزگار کا کھایا جائے۔ اور اگر کھانا کسی کو دیا جانے۔ تو چاہیئے کہ متقی و پرہیزگار کو دیا جائے۔ اس موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ متقی کے ہاں کا کھانا کھانے کے لیے اگرچہ کوشش کرنی پڑتی ہے لیکن یہ کہ متقی کو کھانا دیا جائے اس میں کافی دشواری ہے۔ کیونکہ دس آدمی مہمان آتے ہیں ایک شخص کیسے جانے کہ ان میں متقی کون ہے! بعد ازاں آپ نے کہا کہ میں نے مشارق الانوار میں ایک حدیث دیکھی ہے۔ اس میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ ہر شخص کو کھانا دو۔ خواہ تم اُسے پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے۔ اسی طرح ہر شخص کو جو سامنے آئے سلام کہو، خواہ تم اسے پہچانو یا نہ پہچانو۔

اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی بدایوں میں ایک صاحب تھے جو صائم الدھر تھے۔ یعنی ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔ جیسے ہی شام کی نماز ہو جاتی وہ اپنے مکان کی دہلیز میں آکر بیٹھ جاتے۔ اور اپنے غلاموں کو دروازے کے سامنے کھڑا کر دیتے آنے جانے والوں میں سے جو بھی گزرتا اسے اندر بلاتے اور کھانا کھلاتے۔

بعد ازاں حضرت ابراہیم صلوٰات اللہ علیہ وسلامہ کی یہ حکایت بیان کی۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ دستور تھا۔ کہ مہمان کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ ایک دن ایک مشرک ان کے ہاں مہمان ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب دیکھا کہ وہ خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا تو اُسے کھانا نہ دیا۔ اس پر حق تعالیٰ سے فرمان ملا۔ کہ اے ابراہیم! ہم اُسے جان دے سکتے ہیں۔ تم اسے روٹی نہیں

دے سکتے۔

اس وقت آپ نے یہ حکایت بھی بیان فرمائی۔ اس سے پہلے میں دہلی شہر میں رہتا تھا۔ ان دنوں ایک دفعہ شیخ بہاءالدین رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے چند صوفی حضرات آتے ان میں میاں سعید قریشی علی کھوکھری اور کچھ طالب علم بھی تھے۔ بڑی اچھی اور دلچسپ مجلس تھی۔ کھانا سامنے لایا گیا۔ سب کے سب بڑی رغبت سے کھانے لگے۔ میرے پڑوس میں ایک شخص شرف پیادہ نام کا رہتا تھا۔ وہ بھی آگیا۔ اور ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا یہ شرف پیادہ مجعد[1] تھا۔ جب یہ اندر آیا اور ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوا۔ سعید قریشی اور بعض دوسروں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے ان کے لیے شرف پیادہ کے ساتھ کھانا کھانا دشوار ہوگیا، سعید قریشی تو اٹھ کر مجلس سے باہر چلے گئے۔ حضرت خواجہ۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمانے لگے کہ میں حیران ہوگیا کہ آخر انہیں کیا ہوا کہ انہوں نے کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ میں نے پوچھا کہ اس بیزاری کا سبب کیا ہے! مجھے بتایا گیا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ جو شخص بعد میں آکر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا۔ وہ مجعد ہے۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ مجھے ہنسی آگئی کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ مجعد کے ساتھ کھانا نہیں کھانا چاہیئے۔ اور پھر اس حد تک دوسرے کو ذلیل اور حقیر سمجھنا کیا معنی۔ اس دوران میں بندے نے عرض کیا کہ میں نے سعید قریشی کو بعد میں دیکھا ہے۔ اور ہم کافی عرصہ اکٹھے رہے ہیں۔ جس حال میں کہ میں نے اُسے دیکھا ہے۔ وہ حال اس حال سے جس کا یہاں ذکر ہوا ہے۔ بالکل نہیں ملتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے یہی بڑائی چاہنے کی شامت تھی۔ کہ وہ ان چیزوں میں مبتلا ہوا تھا۔

پھر واقعۂ معراج کا ذکر ہوا، ایک صاحب موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ معراج کس طرح ہوئی تھی۔ حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ مکہ سے بیت المقدس تک

---

[1] گھونگھر والے بالوں کی لٹیں رکھنے والے کو مجعدؔ کہتے ہیں۔

اسراء[1] تھا، بیت المقدس سے پہلے آسمان تک معراج۔ پہلے آسمان سے مقام قاب قوسین[2] تک اعراج پھر ان صاحب نے اپنے سوال میں یہ اضافہ کیا اور پوچھا کہ کہتے ہیں کہ قالب یعنی جسم کو معراج ہوتی تھی، اور روح کو بھی آخر ہر دو کو کس طرح معراج ہو سکتی ہے! حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے یہ مصرع ارشاد فرمایا کہ

فَظُنَّ خیراً ولا تَسْئَلْ عَنِ الخبر

(نیک گمان رکھو اور حقیقت حال کے بارے میں تجسس نہ کرو۔)

اس وقت فرمایا کہ ان چیزوں پر بھی ایمان لانا چاہیئے اور تفتیش و تحقیق میں غلو نہیں کرنا چاہیئے پھر آپ نے یہ دو شعر پڑھے اور کہا کہ ایک آدمی کے یہاں اس کا محبوب رات کے وقت موجود تھا۔ اس نے اس صورت حال کو یوں منظوم کیا تھا ؎

جَاءَنِی فِی قَمِیصِ اللَّیلِ مستتراً   یُقَاربُ الخطو من خوفٍ و من حذر

فکان ماکان مما لستُ اذکرہ   فظن خیراً ولا تسئل عن الخبر

(میرا محبوب اپنے آپ کو رات کے پیراہن میں چھپاتے ہوئے میرے پاس آیا وہ خوف اور احتیاط سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا۔ پس جو ہوا، سو ہوا، میں اس کا ذکر نہیں کرتا گمان نیک رکھو اور حقیقت حال کے بارے میں تجسس نہ کرو۔)

---

[1] قرآن مجید میں اسراء کا ذکر یوں آیا ہے:۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ــــ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱

(پاک ذات ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصٰی۔ (بیت المقدس) تک جس کو گھیر رکھا ہے۔ ہماری برکت نے کہ دکھلائیں اُسے کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔

[2] قاب قوسین کے بارے میں سورۃ النجم آیت ۸-۹-۱۰ میں یوں ارشاد ہوا ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا)

انسٹھویں مجلس

سوموار ۷۱۹ھ کے ماہ محرم کی اٹھارہ تاریخ

سعادت دست بوسی ملی، اسی دن میری بدایوں سے واپسی ہوئی تھی۔ ان بزرگوں کا ذکر ہوا، جو اس شہر کے آس پاس قبروں میں سوئے ہوئے ہیں۔ بندے نے عرض کیا کہ اس دفعہ لشکر کے ساتھ جانے میں جو راحت و طمانیت ملی۔ وہ ان بزرگوں کے مزارات پر جانے اور ان کو دریافت کرنے میں مضمر تھا۔ جیسے کہ حضرت مخدوم کے والد بزرگوار مولانا علاء الدین اصولی، مولانا سراج الدین ترمذی، خواجہ شاہی موئے تاب، خواجہ عزیز کرکی، خواجہ عزیز کوتوال، خواجہ شادی مکھنوتی اور قاضی جمال ملتانی۔ بندہ ان بزرگوں کے نام لے رہا تھا اور حضرت خواجہ ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ آبدیدہ ہو رہے تھے۔ اور میرے ساتھ ساتھ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کا پوری طرح نام لے رہے تھے۔ جب قاضی جمال ملتانی کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا، کہ اس بزرگ نے ایک دفعہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بدایوں کے نواحی علاقے میں دیکھا۔ گویا آپ ایک جگہ بیٹھے وضو کر رہے ہیں۔ جب وہ جاگے، فوراً اس جگہ گئے دیکھا کہ وہ زمین گیلی ہے۔ قاضی جمال ملتانی نے کہا کہ میری قبر اس جگہ کھودنا۔ چنانچہ جب انہوں نے وفات پائی تو لوگوں نے ایسا ہی کیا اور انہیں اسی جگہ دفن کیا۔

ساٹھویں مجلس

منگل وار، سال مذکور کے ماہ محرم کی چھبیس۲۶ تاریخ

دولت دست بوسی سے فیضیاب ہوا روزے کی فضیلت اور اس حدیث کے بارے میں کہ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الْإِفْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ[1] گفتگو ہوتی رہی، آپ نے فرمایا کہ روزہ دار کو افطار کے وقت جو خوشی ہوتی ہے وہ کھانے پینے کی چیزوں سے نہیں وہ خوشی روزے کے اتمام کی ہوتی ہے یعنی جب اس نے روزہ پورا کر لیا تو اسے خوشی ہوئی کہ الحمدللہ میری طرف سے تو روزہ پورا ہو گیا اب میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا امیدوار ہو گیا ہوں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ہر طاعت کا اجر معین ہے۔ چونکہ روزے کا اجر نعمتِ دیدار ہے۔ اس لیے یقینی طور پر روزہ دار روزہ پورا کر کے خوش ہوتا ہے کہ اُسے اس نعمتِ دیدار کی امید ہو گئی۔ اسی دوران میں حدیث اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِهٖ[2] کا ذکر آیا حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ یہ حدیث اسی طرح سُنی گئی ہے۔ الصائمُ لی (روزہ دار میرے لیے ہے) حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ مسکرائے اور فرمایا کہ یوں کہنا چاہیئے۔ وانا اجزی لہ (اور میں ہی اس کو اجر دوں گا) پھر آپ نے اس شخص کے قول کی تصیح کی اور فرمایا کہ یہ اجزی کا بار لام کے معنوں میں آیا ہے (اجزی بہ کا معنی اجزی لہٗ ہے) روزے کی مناسبت سے صبر کا ذکر آیا، فرمایا کہ صبر کے معنی حبس یعنی قید کرنے یا بند

---

[1] ترجمہ۔ روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت کی خوشی اور دوسری وہ خوشی جو اُسے حق تعالیٰ کے حضور میں جانے کے وقت ہو گی (جہاں اُسے روزے کا اجر ملے گا)

[2] ترجمہ۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔

کر دینے کے آئے ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے اصبروا الصَّابِرَ واقتلوا القاتل بعد ازاں حضرت خواجہ نے بتایا کہ اس حدیث سے متعلق ایک واقعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ایک شخص تلوار تانے ایک دوسرے شخص کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ شخص اس تلوار تاننے والے شخص کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ ایک اور آدمی آیا اور اس نے اس شخص کو جو آگے آگے بھاگ رہا تھا پکڑا اور کھڑا کر لیا اتنے میں وہ شخص جو تلوار تانے پیچھا کر رہا تھا آگیا اور اس نے بھاگنے والے شخص کو قتل کر دیا۔ یہ خبر رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنچائی گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ جس آدمی نے اس بھاگتے ہوئے شخص کو پکڑا اور کھڑا کر لیا تھا اُسے قید کر دیا جائے۔ یعنی حبس میں ڈال دیا جائے۔ اور اس قتل کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم ان الفاظ میں دیا اصبروا الصَّابِر واقتلوا القاتل۔

پھر اس بارے میں گفتگو ہوئی کہ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے بہت جگہ یہ وعدہ فرمایا کہ جو شخص یہ کام کرے گا۔ وہ کل کو میرے ساتھ بہشت میں یکجا ہوگا۔ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے ہاتھ کی دو انگلیوں۔ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو باہم ملا کر اشارہ کیا۔ اور فرمایا کہ اس طرح وہ شخص اور میں بہشت میں یکجا ہوں گے۔ جیسے یہ دو انگلیاں ہیں حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ آپ کا ان دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرنا اس امر کے ثبوت کے لیے کافی نہیں کہ آپ اور وہ شخص بہشت میں اس طرح یکجا ہوں گے۔ جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔ آپ کا یہ اشارہ درجہ بتانے کے لیے ہے۔ یعنی بہشت میں جو درجہ میرا ہوگا وہی درجہ اس کو دیا جائے گا۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کی انگلیاں اس طرح ہوتی ہیں کہ ان کے ہاتھ کی درمیانی انگلی شہادت کی انگلی سے لمبی ہوتی ہے لیکن رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی شہادت کی انگلی اور آپ کی درمیانی انگلی ہر دو برابر تھیں۔

اکسٹھویں مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہِ صفر کی ـــ تیرہ تاریخ

اللہ اسے خیر و برکت اور کامیابی سے ختم کرے۔ سعادت پائے بوسی حاصل ہوئی عصمت اور توبہ کا ذکر آیا۔ اور یہ کہ پیرِ ہرات شیخ عبداللہ انصاریؒ[1] کا قول ہے کہ دو چیزیں عنایت الٰہی ہیں۔ دونوں بڑی قابلِ عزت اور اہم ہیں۔ ایک یہ کہ شروع ہی میں عصمت ہو یعنی آدمی شروع ہی سے گناہوں سے باز رہے۔ اور دوسری چیز ہے آخر میں توبہ نصیب ہو۔

اس موقعہ پر توبہ و تقویٰ کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ متقی و پرہیز گار وہ ہے جو گناہ کی آلائش میں ملوث نہ ہوا ہو اور تائب وہ ہے کہ گناہ کی آلائش میں ملوث ہوا ہو پھر اس نے توبہ کر لی ہو۔ اس بارے میں کئی اقوال ہیں بعض نے کہا ہے کہ متقی اور تائب ہر دو برابر ہوتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ تائب افضل ہوتا ہے۔ متقی سے اس لیے کہ تائب گناہ سے توبہ کر چکا ہوتا ہے۔ اور وہ گناہ کے ذوق سے بھی واقف ہوتا ہے۔ جو گناہ کے ذوق سے واقف ہو اور پھر اس سے باز آئے۔ وہ اس آدمی سے قوی تر ہوتا ہے۔ جس کی ذوق گناہ سے

---

[1] شیخ الاسلام پیرِ ہرات خواجہ ہروی عبداللہ انصاری ۲ شعبان ۳۹۶ھ کو پیدا ہوئے آپکا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے۔ ساری زندگی ریاضتوں اور عبادات میں گزاری۔ آپ کی خانقاہ مرجع خلائق تھی۔ آپ کا انتقال ۴۸۱ھ میں ہوا۔ شیخ عبداللہ انصاری کی املا کردہ کئی تصانیف ہیں۔ جو چھپ چکی ہیں۔ وہ فارسی اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔

بالکل واقفیت نہ ہو۔ لبعض کا قول ہے کہ متقی تائب سے افضل ہوتا ہے۔

آخرالذکر قول کے صحیح تر ہونے کے بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ دو آدمیوں کے درمیان بحث ہو گئی۔ ایک کہتا تھا کہ متقی افضل ہے تائب سے، دوسرا کہتا تھا کہ تائب افضل ہے متقی سے۔ اس بحث نے ان کے درمیان بڑا طول کھینچا آخر وہ دونوں اس عہد کے پیغمبر کے پاس گئے۔ اور اس سے فیصلہ چاہا اس عہد کے پیغمبر نے کہا میں اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ میں وحی کا انتظار کرتا ہوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرمان آجائے۔ اس دوران میں اس پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ ان دونوں کو کہہ دو۔ ان سے کہو کہ تم دونوں جاؤ اور آج رات اکٹھے رہو۔ کل جب گھر سے باہر نکلو تو جو شخص سب سے پہلے تمہارے سامنے آئے۔ اس سے اس مسئلے کا فیصلہ دریافت کرو۔ وہ دونوں اس فرمان کے مطابق چلے گئے۔ دوسرے دن جب وہ گھر سے نکلے تو ان کے سامنے سب سے پہلے جو شخص آیا اس سے انہوں نے کہا۔ حضرت! ہمیں ایک مشکل درپیش ہے۔ آپ اسے حل کیجئے۔ اس شخص نے کہا کیا مشکل ہے؟ انہوں نے بتایا ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ آدمی جس نے کبھی بھی کوئی گناہ نہیں کیا وہ بہتر ہے یا وہ آدمی جس سے گناہ سرزد ہوا ہو اور پھر وہ تائب ہو گیا ہو۔ اس شخص نے کہا حضرت! میں تو جولاہا ہوں کچھ پڑھا لکھا نہیں میں اس مشکل کو کیسے حل کروں البتہ میں اتنا جانتا ہوں کہ جو کپڑا میں بنتا ہوں اس میں بہت سے دھاگے ہوتے ہیں ان میں سے لبعض دھاگے جو ٹوٹ جاتے ہیں میں انہیں دوبارہ جوڑ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک وہ دھاگہ جو نہ ٹوٹے بہتر ہوتا ہے اس دھاگے سے جو ٹوٹ جائے۔ اور میں اُسے پھر جوڑ دوں۔ یہ سُنکر وہ دونوں آدمی لوٹ آئے اور اس پیغمبر کے پاس گئے۔ اور اس سے صورت حال کہی۔ اس پیغمبر نے کہا کہ تمہارے سوال کا جواب یہی ہے۔

پھر دنیا کی مال و دولت) اور اُسے پا کر جو لوگ مغرور ہو جاتے ہیں اس کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک عورت کو دیکھا جو بڑھیا کھوسٹ، تباہ حال، سیاہ رنگ اور کریہہ منظر تھی آپ

نے اس سے پوچھا۔ تم کون ہو! اس نے کہا میں دنیا ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے کتنے شوہر کئے ہیں! اس نے کہا بے حد و حساب، اگر ان کی تعداد معین و محدود ہو تو کہوں بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان شوہروں میں سے کوئی ایسا بھی تھا جس نے تمہیں طلاق دی ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ میں نے سب کو قتل کیا ہے اس بات کی مناسبت سے آپ نے فرمایا کہ ایک درویش کو راحت کامل ہوتی ہے۔ اور وہ دنیا کی آفات سے مامون ہوتا ہے۔ درویش کے حال کی سختی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ وہ رات کو فاقے سے ہو۔ اور جس رات وہ فاقے سے ہوتا ہے۔ وہ رات اس کے لیے معراج ہوتی ہے۔

اس کے بعد مالدار لوگوں اور مال سے ان کی محبت کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ اس سلسلہ میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دفعہ ایک شخص شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور آپ سے ایک پیر کا ذکر کیا جس کے پاس اس زمانے میں بہت مال و دولت تھی۔ اس شخص نے کہا کہ اس پیر کے پاس بہت مال اور دولت ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ مجھے اس مال و دولت کو دینے کی اجازت نہیں، جب شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے یہ بات سُنی۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ سب مال نہ خرچ کرنے کے بہانے ہیں۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اگر وہ پیر مجھے خرچ کرنے کا ذمہ دار بنا دے تو میں دو تین دن میں اس کا تمام خزانہ خالی کر دوں۔ اور ایک درہم بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نہ دوں۔

پھر اسی بارے میں گفتگو ہوئی کہ عطا کرنے والا تو خدا تعالیٰ ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کسی کو دیتا ہے کو اس میں مانع کون ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ سلطان شمس الدین التمش نے بدایوں[1] میں ایک میدان بنایا جس میں دو دروازے تھے سلطان اس میں چوگان[2]

---

[1] تخت دہلی میں بیٹھنے سے پہلے التمش بدایوں کا حاکم تھا۔ اس دور میں سلطنت دہلی کی بہترین فوجیں ملتان میں رہتی تھیں یا بدایوں میں۔ بدایوں کی گورنری تخت دہلی کے لیے پہلی سیڑھی تھی۔

[2] موجودہ پولو کی قسم کا ایک کھیل تھا۔

کھیلا کرتے تھے۔ ایک دن وہ چوگان کھیل رہا تھا کہ میدان کے ایک دروازے کے نزدیک پہنچا۔ وہاں اس نے ایک بوڑھے آدمی کو جس کی کمر جھکی ہوئی تھی دیکھا اس بوڑھے آدمی نے سلطان سے سوال کیا اس نے اسے کچھ نہ دیا۔ پھر سلطان میدان کے دوسرے دروازے پر پہنچا وہاں اس نے ایک تندرست و توانا آدمی کو دیکھا۔ سلطان شمس الدین کے پاس تھیلی تھی۔ وہ اس نے اس کے سامنے جھاڑ دی۔ اس تھیلی میں سے کچھ سونے کے تنکے نکلے۔ سلطان نے وہ اُس نوجوان کو دیئے۔ اس وقت سلطان نے کہا کہ اس بوڑھے نے مجھ سے کچھ مانگا تھا۔ میں نے اسے کچھ نہ دیا اور اس نوجوان کو میں نے بغیر مانگے دے دیئے۔ اگر یہ دنیا میری خواہش پر ہوتا تو میں اس بوڑھے آدمی کو دیتا۔ بس جس کو دیتا ہے خدا دیتا ہے۔ میں کیا کروں۔

اسی سلطان شمس الدین کا آپ نے ایک اور واقعہ بیان کیا فرمایا کہ ایک دفعہ سلطان بدایوں آیا۔ اس کے سامنے چند نغزک[1] لائے گئے۔ بدایوں کے نغزک بڑے اچھے اور میٹھے ہوتے تھے۔ جب سلطان نے وہ کھائے تو پوچھا انہیں کیا کہتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ انہیں آم اور انب کہتے ہیں، مگر ترکی زبان میں تو آم اور انب کا لفظ ایک قبیح چیز کے لیے ہے۔ سلطان نے کہا تو پھر انہیں نغزک کہنا چاہیئے۔ چنانچہ آموں کا نام نغزک پڑ گیا۔ بعد ازاں سلطان شمس الدین کا آپ نے یہ واقعہ بھی سنایا۔ اس کی شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہما سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک نے اس سے کہا تھا کہ تم بادشاہ ہو گے۔

پھر کچھ دیر ترک دنیا کا ذکر رہا فرمایا۔ کیتھلی میں ایک پیر تھے۔ جنہیں شیخ صوفی بدہنی کہتے تھے۔ وہ بڑے تارک الدنیا تھے۔ یہاں تک کہ وہ ستر[2] عورت بھی نہیں کرتے تھے۔ اس واقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بھوک کو دور نہیں کرتا اور بھوک کو دور کرنے سے ہی

---

[1] ہر نادر اور عمدہ چیز کو نغزک کہتے ہیں۔ سلطان شمس الدین نے آم کو اصطلاحاً نغزک کا نام دیا۔

[2] بدن کے وہ مقامات جن کا ڈھانپنا شرعاً واجب ہے۔ وہ اصطلاحاً "عورت" کہلاتے ہیں۔ ستر عورت سے مراد ان مقامات کو ڈھانپنا ہے۔

بدن میں زندگی قائم رہتی ہے۔ اور اس طرح وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو اس پر اس کا مواخذہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص ستر عورت کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں اوڑھتا تو اس کا بھی مواخذہ ہوگا۔ بہرحال وہ پیر بھوک کا ازالہ کرنے سے بھی دور تھے۔ اور ستر عورت سے بھی دور۔

ترک دنیا کی مناسبت سے آپ نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ کے پاس جو سونا چاندی اور نعمتیں آتی تھیں آپ سب خرچ کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا مشکل ہو گیا چنانچہ وہ کچی اینٹیں جو قبر کے اندر لحد کے لیے ہوتی ہیں۔ موجود نہ تھیں اس کے لیے اس دروازے کو جو کچی اینٹوں کے ذریعے لگایا گیا تھا اکھاڑا گیا اور وہ کچی اینٹیں لحد میں لگائی گئیں۔

باسٹھویں مجلس

اتوار سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی اٹھائیس تاریخ

دست بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ بادشاہوں کا ذکر آیا کہ انہیں شعر سننے کا بڑا اشتیاق ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ سلطان شمس الدین التمش نے دربار عام منعقد کر رکھا تھا۔ ناصری[1]

---

[1] خواجہ ابونصر ناصری، جہنہ (خراسان) وطن تھا۔ مشہور صوفی شاعر شیخ ابوسعید ابوالخیر کے خاندان سے تھا۔ وطن سے دہلی پہنچ کر سب سے پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بارگاہ میں حاضری دی۔ التمش کے دربار میں باریابی ہوئی۔ قصیدہ پڑھا تو سلطان نے اس کے ترپن شعروں پر ترپن ہزار چاندی کے تنکے انعام میں دیئے۔

نامی ایک شاعر، شعر پڑھ رہا تھا۔ مطلع یہ تھا ؎

ای فتنہ از نہیبِ تو زنہار خواستہ
تیغِ تو مال و پیل ز کفار خواستہ

(اے شاہ! تیری ہیبت سے فتنہ پناہ مانگتا ہے اور تیری تلوار کافروں سے مال اور ہاتھی کا مطالبہ کرتی ہے۔)

سلطان اس شعر کو سننے کے دوران میں کسی اور چیز میں مشغول ہوگیا اس اثنا میں ناصری نے چند اور شعر پڑھے بعد میں سلطان کی توجہ پھر اشعار سننے کی طرف ہوئی۔ اس نے ناصری سے کہا اچھا ؎

ای فتنہ از نہیبِ تو زنہار خواستہ
تیغ تو مال و پیل ز کفار خواستہ

اس شعر کے بعد کے اشعار پھر پڑھو۔ غرض سلطان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ باوجود اس کے کہ وہ دوسری چیزوں میں مشغول ہوگیا تھا۔ اُسے وہ مطلع یاد رہا۔ بعد ازاں آپ نے سلطان شمس الدین کے اچھے عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ راتوں کو جاگتا تھا۔ اور جب بھی وہ سوتے سوتے جاگ پڑتا اٹھ کر وضو کرتا۔ دو رکعت نماز پڑھتا اور پھر سو جاتا۔ اس دوران میں وہ کسی کو جگاتا نہ تھا۔

تریسٹھویں مجلس

بدھوار سال مذکور کے ماہ ربیع الآخر کی سولہ تاریخ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ روزہ اور سحری کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ آدمی نے شیخ جلال الدین

تبریزی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ایک شخص روزہ نہیں رکھتا اور سحری کھاتا ہے۔ یہ کیسا ہے؟ شیخ جلال الدین تبریزی نے فرمایا کہ وہ سحری کھائے، شام اور دوپہر کا کھانا کھائے بس یہ چاہیئے کہ اسے کھانا کھانے سے جو قوت حاصل ہو، اسے وہ خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں صرف کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے، بندے نے اس مفہوم کی مناسبت سے قرآن کی یہ آیت پڑھی:۔ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ (اچھی چیزوں میں سے کھاؤ) حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس آیت کو مکمل کیا فرمایا:۔ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (اچھی چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک کام کرو) الطَّيِّبٰتِ کی مناسبت سے بندے نے عرض کیا کہ اصحاب کہف نے اپنے میں سے ایک کو یہ کہہ کر جو شہر بھیجا تھا کہ ازکیٰ[۱] طعاماً لانا تو اس اَزْکیٰ سے کیا مراد تھی؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے وہ کھانا لانے کے لیے کہا تھا، جس کی طرف ان کی طبیعت کی رغبت ہو، اس موقعہ پر آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ بعض کے نزدیک اس سے مقصود چاول تھے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

چونسٹھویں مجلس

اتوار سال مذکور کے مہینے جمادی الاول کی بارہ تاریخ ——— سعادت پائے بوسی نصیب

---

[۱] سورۃ المومنون، آیت ۵۱

[۲] سورۃ الکہف (آیت ۱۹) میں یوں آیا ہے:۔ فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا الخ (پس بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا اس شہر میں پھر دیکھے کون سا کھانا ستھرا ہے....)

ہوئی۔ ان اشخاص کا ذکر آیا جو برابر یادِ حق میں مستغرق رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے ایک صاحب حال درویش سے درخواست کی کہ جس وقت آپ حق تعالیٰ سے محوِ راز و نیاز ہوں تو اگر میں یاد آؤں تو میرے لیے دعا کیجئے گا اس درویش نے جواب دیا کہ افسوس ہے، اس وقت پر کہ جب میں حق تعالیٰ سے محوِ راز و نیاز ہوں تو تم مجھے یاد آؤ۔

اس اثنا میں آپ نے عزیز کرکی کا جو بدایوں میں مدفون ہیں۔ ذکر کیا اور ان کی بزرگی کی بڑی تعریف کی۔ بندے نے عرض کیا کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ چڑیاں حلق سے نیچے اتار لیتے تھے۔ اور کچھ دیر بعد ان کو ایک ایک کر کے اسی طرح حلق سے زندہ نکال لیتے اور اڑا دیتے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ میں نے یہ دیکھا تو نہیں۔ البتہ ایسا سنا ہے اس وقت ارشاد فرمایا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ موسم سرما کی راتوں میں گرم تنور کے اندر داخل ہو جاتے اور صبح اس سے باہر نکل آتے، اس موقعہ پر آپ نے کہا کہ وہ کرک کے رہنے والے تھے۔ اور شروع میں فیروزہ[1] فروش تھے۔ وہ چوڑیاں بھی جو عورتیں ہاتھوں میں پہنتی ہیں بیچتے تھے۔ اس زمانے میں ان کا مشغول بہ حق ہونے کا عمل بھی جاری تھا مگر کرک کا والی ان سے ناراض ہو گیا۔ اور انہیں قید خانے میں ڈال دیا۔ بعد ازاں لوگوں نے اس والی سے کہا کہ یہ صالح و نیک بخت نوجوان ہے۔ اور مشغول بہ حق ہے اس والی نے انہیں رہا کر دینے کو کہا۔ جب لوگوں نے انہیں جا کر بتایا کہ آپ کو والی نے رہا کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ آپ قید خانے سے باہر آجائیے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں اس وقت تک باہر نہیں نکلوں گا۔ جب تک اس کو گھر بار سے اکھیڑ نہ دوں گا الغرض والی کسی مصیبت میں پھنس گیا۔ اس کے بعد وہ قید خانے سے باہر آئے۔

---

[1] ایک قیمتی پتھر جسے زینت کے لیے پہنتے ہیں۔

پینسٹھویں مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہ جمادی الاول کی تئیس تاریخ

قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سفرِ حج اور زیارت کعبہ کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ بعض لوگ حج اور زیارتِ کعبہ کو جاتے ہیں اور جب وہ واپس آتے ہیں تو ہر جگہ اس کا ذکر کرتے ہیں اور اکثر اُسی کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ چیز اچھی نہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ حج کے راستے میں کبھی کبھی پانی کی کم یابی اور منزل کی مشقت کی وجہ سے نماز وقت پر ادا ہونے سے رہ جاتی ہے۔ اس وقت حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ لاہور میں ایک واعظ تھے۔ وہ بہت وعظ کہتے تھے، ان کی بات دل پر اثر کرتی تھی۔ لوگوں کو ان کے وعظ سے رقت اور سکون و راحت حاصل ہوتی تھی۔ وہ حج کو گئے جب وہ واپس آئے تو ان کے کلام میں وہ ذوق و راحت نہ رہی لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کی بات میں وہ پہلی سی چاشنی نہیں۔ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے میں جانتا ہوں کہ یہ شامت کس سبب سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس سفر کے دوران میں دو نمازیں وقت پر ادا نہیں ہوئیں۔

چھیاسٹھویں مجلس

منگل وار سال مذکور کے ماہ جمادی الآخر کی پانچ تاریخ ـــــــ دست بوسی کی دولت حاصل

ہوئی۔ پیری و مریدی کے آداب کا ذکر آیا۔ اور یہ کہ پیر کے لیے مرید سے کسی قسم کا لالچ رکھنا مناسب نہیں، اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک مرید اپنے پیر کی خدمت میں چند خربوزے لے گیا۔ پیر نے وہ خربوزے قبول نہ کئے۔ اور اُسے واپس دے دیئے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ پیر کے لیے یہ کس طرح درست ہے کہ وہ مرید کی لائی ہوئی چیز مسترد کر دے، پیر نے جواب دیا جس طرح پیر کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دین کے معاملے میں کسی طرح بھی مرید کا محتاج ہو اسی طرح اُسے دنیا کے معاملے میں بھی مناسب نہیں کہ وہ مرید کا محتاج ہو۔

پھر کچھ دیر اس بارے میں گفتگو رہی کہ مرید حضرت مخدوم کی خدمت میں آتے ہیں اور آپ کے سامنے سر زمین پر رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس سے منع کر دوں لیکن چونکہ میں نے خود اپنے شیخ (شیخ الاسلام فریدالدین) کے سامنے اسی طرح کیا ہے۔ اس لیے میں منع نہیں کرتا۔ اس پر بندے نے عرض کیا کہ وہ لوگ جو حضرت مخدوم کی ذات سے وابستہ ہیں وہ آپ کے ارادت مند ہیں اور آپ سے انہوں نے بیعت کی ہے۔ تو ان کی یہ ارادت و بیعت عبادت ہے، پیر کے ساتھ عشق و محبت سے پس جہاں عشق و محبت ہوگی وہاں زمین پر سر رکھنا ایک سہل سا کام ہے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ میری اس بات کی موافقت میں فرمایا۔ کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ ایک راستے میں شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ایک گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ سامنے سے ایک مرید آگیا۔ وہ مرید پیدل تھا۔ اس نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زانو کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اس سے نیچے بوسہ دو۔ اس نے شیخ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ شیخ نے کہا اور نیچے، مرید نے گھوڑے کے زانو کو بوسہ دیا، شیخ نے فرمایا اور نیچے، مرید نے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے کہا اور نیچے، مرید نے زمین کو بوسہ دیا۔ اس وقت شیخ نے فرمایا کہ میں نے جو تمہیں اور نیچے اور نیچے بوسہ دینے کو کہا تو اس سے میرا مقصد یہ نہ تھا کہ تم زمین کو بوسہ دو۔ میرا اس سے مقصد یہ تھا کہ تم جتنا نیچے جاؤ گے اتنا ہی

تمہارا درجہ بلند ہو گا۔

پھر کچھ دیر ان درویشوں کے بارے میں گفتگو رہی۔ جنہیں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے خلافت عطا فرمائی تھی۔ حضرت خواجہ نے کہا کہ ان میں سے ایک درویش کا نام عارف تھا شیخ الاسلام نے اُسے سیوستان اور اس کے اطراف میں بھیجا اور اُسے بیعت لینے کی اجازت دی۔ ہوا یوں کہ اُچ اور ملتان کے علاقے کا ایک حاکم تھا۔ اور یہ عارف اس کا پیش امام تھا یا اس سے اُس کا کوئی اور تعلق تھا۔ ایک دفعہ اس حاکم نے اس عارف درویش کے ہاتھ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں سو تنکے بھیجے۔ عارف درویش نے ان میں سے پچاس تنکے خود رکھ لیے اور پچاس حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم نے برادرانہ تقسیم کی ہے۔ عارف درویش بڑا شرمندہ ہوا۔ اور فی الفور باقی پچاس تنکے خدمت میں پیش کر دیئے۔ ساتھ ہی اس نے بڑی معذرت کی اور اظہار ارادت و عقیدت کیا۔ حضرت شیخ نے پھر اس سے بیعت لی اور اس نے تجدید بیعت کے طور پر اپنا سر منڈوایا، پھر وہ آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔ جب وہ خدمت میں راسخ ہو گیا اور اس نے پوری استقامت حاصل کر لی تو حضرت شیخ نے اُسے بیعت لینے کی اجازت دے کر سیوستان کی طرف روانہ کر دیا۔

سترھویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ رجب کی تئیس تاریخ

دولت دست بوسی نصیب ہوئی۔ غرور و تکبر، متکبرین اور اس گروہ کا جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ ذکر آیا، آپ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آدمی

کب بُرا بنتا ہے؟ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ جب وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنے لگے اس کی مناسبت سے حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کی۔ فرزدق[1] نام کا ایک شاعر تھا۔ ایک دفعہ وہ اور خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک جماعت میں اکھٹے تھے۔ اس جماعت میں سے ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا۔ اس جماعت میں ایک بہترین آدمی اور ایک بدترین آدمی موجود ہے۔ اسی وقت فرزدق خواجہ حسن بصری کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ان سے کہا کہ آپ نے سُنا یہ شخص کیا کہتا ہے؟ خواجہ حسن بصری نے فرمایا کیا معلوم بہترین آدمی کون ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے فرزدق نے کہا۔ حضرت! بہترین آدمی آپ ہیں اور بدترین آدمی میں ہوں۔ جب فرزدق نے وفات پائی تو اُسے کسی نے خواب میں دیکھا اور اس سے اس کا حال پوچھا، فرزدق نے بتایا کہ جب مجھے کریمؔ عدالت کے سامنے لے گئے۔ تو میں ڈر رہا تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ملا کہ ہم نے تمہیں اسی دن بخش دیا تھا۔ جس دن تم نے اپنے آپ کو بدترین آدمی سمجھا تھا۔

بندے کے دل میں ایک بات تھی۔ میں نے اس دن آپ کی خدمت میں اُسے عرض کیا وہ یہ بات تھی کہ ایک قبر خستہ ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ ٹوٹ پھوٹ جائے تو کیا اُسے از سرِ نو بنانے کی اجازت مروی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو قبر ٹوٹ پھوٹ جائے اسے نئے سرے سے بنانا نہیں چاہیئے۔ جو قبر زیادہ خستہ ہوگی۔ اس میں مدفون رحمت کا زیادہ امیدوار ہوگا۔

اس موقعہ پر ان لوگوں کا ذکر آیا۔ جو بزرگوں اور پیروں کے آس پاس دفن ہونا چاہتے ہیں۔ اس کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ بدایوں میں ایک بزرگ تھے۔ جنہیں سراج الدین ترمذی کہتے تھے۔ وہ اس عزم کے ساتھ مکّہ معظمہ گئے۔ کہ اگر وہاں انہیں موت آگئی۔ تو وہیں دفن ہوں گے۔ جب وہ زیارت کعبہ کے لیے گئے اور اس سعادت

---

[1] یہ بنو امیہ کے دَور کا مشہور شاعر تھا، ہجویہ شاعری میں اس نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ (پیدائش ۱۴۱ ۶ ء / وفات ۷۳۲ ء)

سے سرفراز ہوئے۔ تو وہ واپس آ گئے۔ اور بدایوں میں آکر پھر آباد ہو گئے، لوگوں نے ان سے کہا کیا آپ اس نیت سے نہیں گئے تھے۔ کہ آپ وہاں رہیں گے اور جب آپ کی وفات ہوگی تو وہیں دفن ہوں گے آپ نے کہا ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن ہوا یہ کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ مختلف اطراف واکناف سے جنازے لائے جا رہے ہیں اور انہیں مکہ معظمہ کے اردگرد دفن کیا جا رہا ہے، میں نے یہ بھی دیکھا کہ بعض مُردے جو مکہ معظمہ کے اردگرد دفن ہیں ان کو وہاں سے نکال کرلے جایا جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے! مجھے بتایا گیا کہ وہ لوگ جو اس جگہ دفن کئے جانے کے اہل ہیں وہ خواہ کہیں دور دراز جگہوں میں وفات پائیں ان کے لیے حکم ہے کہ وہ یہاں لائے جائیں، وہ لوگ جو اس مقام میں دفن کئے جانے کے لائق نہیں خواہ وہ یہاں مدفون ہوں ان کو دوسری طرف لے جانے کا حکم ہے۔ مولانا سراج الدین ترمذی نے کہا کہ جب مجھے اس امر کی تحقیق ہوگئی۔ تو میں اس بنا پر بدایوں لوٹ آیا کہ اگر میں مکہ معظمہ میں دفن کئے جانے کے قابل ہوں گا۔ تو یہاں بدایوں میں رہ کر بھی میری یہ غرض پوری ہو جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ

یہاں کتاب فوائد الفواد کی چوتھی جلد اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کے حُسنِ توفیق سے ختم ہوتی ہے ؎

ختم شد این صحف صدق و صفا   کہ از و جانِ حسن راست طرب
در سہ شنبہ دوم از ماہ شوال   ہفصد و نوز دہ تاریخ طرب

(یہ صدق و صفا کا صحیفہ جس سے کہ حسن (مرتب کتاب) کی جان کو سچی مسرت حاصل ہوتی ہے ماہ شوال کی دوسری تاریخ کو منگل کے دن سات سو انیس ہجری میں ختم ہوا۔)

اس دن سے لے کر جس دن ان کلمات کی ترتیب و تدوین شروع کی گئی۔ آج کے دن جبکہ ان کی چوتھی جلد ختم ہوئی ہے۔ پورے بارہ سال ہوتے ہیں۔ یہ بارہ سال کی نقد پونجی اس امید کے ساتھ وقت کے پرکھنے والے صرّافوں کے سامنے پیش کی جارہی ہے کہ ان کے دلوں کے سکوں کو مہر و محبتِ ایمان کی اسی مہر سے ایک کامل معیار اور بھرپور ترویج نصیب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اللہ ہی ہر چیز کو بہتر جانتا ہے۔

جلد پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس ذاتِ صمد و بے نیاز کے لیے بے حد تعریف اور بے شمار ثنا ہے جس کے فیض و فضل سے صاحب المکارم والجود، رموز و دقائق کے استنباط کرنے والے حقائق کے خزانوں کے انکشاف کرنے والے۔ سلطان الاولیاء قطب العالم، سلطان المشائخ والعارفین، نظام الحق والشرع والدین کی بدولت اللہ آپ کو طولِ حیات سے مسلمانوں کو متمتع کرے۔ سلسلہ عقایدِ نظامی اور اس کا مسلک سلوک میسّر ہوا ؎

یکی از امت ختم النبیینؐ
نشد جزوی کسی ختم المشائخ

(امت ختم النبیینؐ میں سے کوئی بھی ختم المشائخ نہیں ہوا۔ یعنی حضرت خواجہ نظام الدین ہی ختم المشائخ تھے۔)

بندہ حسن علاء سجزی کہتا ہے کہ جب توفیق ازلی اس ضعیف کے احوال کے مطابق اور سعادت ابدی اس شکستہ حال کے اوقات کے لیے سازگار ہوئی۔ الہام فطرت نے فکر کی اس طرف رہنمائی کی حضرت کے جان پرور کلمات جمع کئے جائیں اس سے پہلے ایک جلد میں بارہ سال کے کلمات لکھے گئے ہیں اور جو چار دیباچوں پر مشتمل ہے۔ اب اس جلدِ دوم کا آغاز کیا جارہا ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کی ذات فرشتہ صفات کو عمر خضر دے۔ تاکہ اس شربت سے جو عین آب حیات ہے خواص و عوام سیراب ہوں امید ہے کہ ان معانی کے جامِ جان بخش کے جوار داح کے لیے راحت و سرور ہے جرعۂ (گھونٹ) سے ان کلمات کے کہنے والے، سننے والے، لکھنے والے اور پڑھنے والے کو راحتیں پہنچیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی مجلس

اتوار ۱۹ ۱۱ھ کے ماہ شعبان المبارک کی اکیس تاریخ

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ بندے کے دل میں ایک حدیث تھی۔ وہ میں نے حضرت مخدوم کی خدمت میں پڑھی، وہ یہ تھی۔ مَنْ اَحَبَّ الْعِلْمَ وَالْعُلَمَاءَ لَمْ یُکْتَبْ خَطِیْئَتُهٗ (جس نے علم اور علماء سے محبت کی اس کی خطائیں نہیں لکھی جائیں گی) اس وقت بندے نے عرض کیا۔ کیا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ علم و علماء کی محبت کی وجہ سے اس شخص کے گناہ نہیں لکھے جائیں گے! آپ نے فرمایا کسی کی محبت میں سچا ہونا اس کی متابعت کرنا ہے۔ جب کوئی شخص علم و علماء سے محبت کرے گا۔ تو ان کی متابعت کرے گا اور ناشائستہ باتوں سے دور رہے گا۔ چنانچہ جب کوئی ایسا شخص ہوگا۔ تو یقیناً اس کے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کی محبت دل کے اوپر کے پردے میں ہوگی۔ اس صورت میں معیت کا امکان ہے لیکن اگر حق تعالیٰ کی محبت دل کے اندر اس کے سیاہ نقطے میں ہوگی تو پھر معیت کا امکان نہیں ہوتا۔

اس وقت آپ نے فرمایا کہ جوانی کی حالت میں توبہ و استغفار کرنا اچھا رہتا ہے۔ بڑھاپے میں اگر کوئی تائب نہ ہوگا تو کیا کرے گا۔ اس موقعہ پر آپ نے زبان مبارک سے یہ دو شعر ارشاد کئے ؎

چوں پیر شوی و بر سر انجام آئی — آئی بسر حرفِ خویش ناکام آئی
سازی حق را ز تیرہ رائی — معشوقۂ خود در بے نوائی

(جب تم بوڑھے ہوئے اور انجام کو پہنچے اور اپنی زندگی کے کنارے کے آخری سرے پر

آئے تو تم نے اپنی تاریک رائے سے بے چارگی اور بے بسی میں حق تعالیٰ کو اپنا محبوب بنالیا۔)
بعد ازاں فرمایا کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے اس کی جوانی کے بارے میں پوچھے گا اور اس کا حساب لے گا۔

اس دوران میں ایک دانشمند آیا اس نے سر حضرت خواجہ کے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ قدموں میں رکھا۔ اور عرض کیا کہ میں جو آپ کی خدمت میں یہ ارادت و عقیدت بجا لایا ہوں تو اس کا سبب عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سبب یہ ہے کہ میں ایک دفعہ افغان پور میں تھا۔ میں دریا کے کنارے پر تھا اور شام کی نماز کا وقت ہوگیا۔ پھر جب میں نماز میں مشغول تھا تو آپ کی صورت مبارک میں نے نماز کے دوران میں دیکھی، مجھے اس سے بڑی حیرت ہوئی اس سے پہلے بندے کا آپ سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ الغرض جب میں نے آپ کا روئے مبارک دیکھا تو قریب تھا کہ میں نماز میں گر پڑتا اور حال سے بے حال ہو جاتا۔ جب میں نماز شام پڑھ چکا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے حضرت مخدوم عالمیاں کی خدمت میں جانا چاہیئے اور ان کے سلسلے سے منسلک ہونا چاہیئے اب میں حضرت مخدوم کی خدمت میں آیا ہوں اور آپ سے بیعت کی ہے۔

جب وہ دانشمند یہ واقعہ بیان کر چکا تو حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص دہلی سے اجودھن کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں جاکر شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں تائب ہو، راستے میں ایک لڑکھڑاکر چلتی ہوئی مطربہ اس کے ساتھ ہوگئی۔ وہ مطربہ بہت چاہتی تھی کہ اس شخص سے اس کا تعلق ہو جائے وہ شخص چونکہ سچی نیت کے ساتھ اجودھن جارہا تھا۔ اس لیے اس نے اس بدکار عورت کی طرف بالکل کوئی توجہ نہ کی۔ راستے کی منزلوں میں سے ایک منزل میں ایسا ہوا کہ وہ شخص اور مطربہ دونوں ایک ہی بہلی میں سوار ہوئے۔ وہ مطربہ آکر اس شخص کے نزدیک بیٹھ گئی۔ چونکہ دونوں کے درمیان کوئی حجاب اور مانع نہ تھا۔ اس لیے اس حالت میں اس شخص کا دل چاہا کہ اس مطربہ سے بات کرے یا اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے اس موقعہ پر اس شخص نے دیکھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا کہ تم توبہ کی نیت سے فلاں

بزرگ کے پاس جا رہے ہو یہ کیا حرکت ہے! وہ شخص فوراً متنبہ ہو گیا اور اس کے بعد اس نے اس عورت کی طرف نہیں دیکھا، الغرض جب وہ شخص شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو سب سے پہلی بات جو حضرت شیخ نے اس سے کہی۔ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے اس دن تمہاری بڑی اچھی نگہداشت کی۔

پھر کچھ دیر حضرت رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کے کمال فصاحت کا ذکر رہا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا آپؐ کے ایک صحابیؓ نے اپنی بکری بیچی۔ اس کے بعد وہ پشیمان ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور واقعہ بیان کیا۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے اس شخص کو جس نے وہ بکری خریدی تھی، طلب فرمایا اور اس سے کہا کہ جس نے وہ بکری بیچی تھی۔ وہ اس پر پشیمان ہے۔ تم اسے وہ بکری واپس کر دو۔ اس صحابی کا نام نعیم تھا۔ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس صورت حال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ نعیم بعتم دبِغَنَمٍ بعتم فَرُدّوہ الیہ یعنی چار لفظ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ باہم متصل اس فصاحت سے ادا فرمائے۔ بعتم فرمایا، جس کے معنی ہیں تم نے خریدا ہے، بیع کے معنی خریدنا اور پھر خریدنا بھی ہے یعنی بیچنا۔

دوسری مجلس

جمعرات سال مذکور کے ماہ رمضان مبارک کی نو تاریخ

شرف دست بوسی حاصل ہوا، وہ سردیوں کے دن تھے، آپ نے اطراف کی شورش اور تشویش کے بارے میں استفسار فرمایا میں نے عرض کیا کہ نگرانی جو

ملعونوں[1] کی وجہ سے ضروری تھی اس وقت کم ہے اس امر کی مناسبت سے آپ نے حکایت بیان کی کہ شیر خاں[2] اوچ اور ملتان کے علاقے کا والی تھا۔ وہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے زیادہ اعتقاد نہ رکھتا تھا یہاں تک کہ شیخ الاسلام نے اس کے بارے میں کئی بار یہ دو مصرعے ارشاد فرمائے ؂

افسوس کہ از حال منت نیست خبر
وانگہ خبرت شود کہ افسوس خوری

(افسوس کہ تمہیں میرے حال کی خبر نہیں اور جب خبر ہوگی تو تم افسوس کروگے)

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز دنیا سے رحلت فرما گئے۔ تو اسی سال کافروں نے (تاتاریوں) نے اس علاقے پر یلغار کی۔

پھر شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی بزرگی کا ذکر آیا، آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ بخارا سے ایک دانشمند جو علم وافر سے بہرہ ور تھا۔ آیا اور شیخ بہار الدین کی زیارت کے لیے گیا۔ شیخ نے اُسے دیکھا کہ اس کے سر پر دستار ہے اور اس سے شملہ لٹک رہا ہے۔ اور ساتھ ہی گھونگھر والے بالوں کی لٹیں ہیں۔ شیخ نے کہا کہ ان دو سانپوں کو لیے کیا آئے ہو یعنی ایک تو دستار کا شملہ ہے اور دوسرے یہ لٹیں، اس دانش مند نے اسی وقت شیخ کے سامنے سر منڈوا دیا۔

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرماتے تھے کہ بہار الدینؒ کی

---

[1] اس زمانے میں شمال اور شمال مغرب سے ہندوستان پر تاتاریوں کے برابر حملے ہوتے رہتے تھے۔ ملعونوں سے یہی تاتاری مراد ہیں۔

[2] تاریخ کی ایک درسی کتاب اور پاک و ہند کی اسلامی تاریخ شائع کردہ نیشنل ٹیکسٹ بک کارپوریشن ص۱۰۴ میں اس شیر خاں کا ذکر ہے۔ لکھا ہے ..... "بلبن کا چچیرا بھائی شیر خاں سرحدی علاقے کا محافظ مقرر ہوا اس نے تاتاریوں کو شکست دے کر قدم آگے بڑھانے سے روک دیا مگر اپنی سلطنت سے باہر نہ نکل سکا وہ پنجاب میں قدم جمائے بیٹھے تھے۔ اور لاہور اکثر ان کے قبضے میں رہا ـــ سندھ کے ایک حصہ پر بھی تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا۔

ذات میں بڑی تاثیر تھی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ملتان میں ایک عبادت گزار شخص تھا جسے شیخ سلیمان کہتے تھے۔ شیخ بہاء الدین کے سامنے اس کا اکثر ذکر ہوتا تھا شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا کہ اٹھو، دو رکعت نماز پڑھو تاکہ میں دیکھوں کہ تم کس طرح نماز پڑھتے ہو! وہ شخص اٹھا اور اس نے دو رکعت نماز ادا کی۔ مگر اس نے نماز کے دوران قیام میں جس طرح دونوں پاؤں رکھنے مروی ہیں ویسے نہ رکھے۔ اور دونوں پاؤں کے درمیان زیادہ یا کم فاصلہ چھوڑا۔ شیخ بہاء الدین نے اس سے کہا کہ دونوں پاؤں کے درمیان اس قدر فاصلہ رکھو، نہ اس سے کم رکھو اور نہ اس سے زیادہ۔ اس شخص نے پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اس طرح پاؤں نہ رکھے جس طرح شیخ بہاء الدین نے فرمایا تھا۔ انہوں نے اس سے دوسری بار اسی طرح پاؤں رکھنے کو فرمایا لیکن اس نے اس طرح پاؤں نہ رکھے۔ الغرض ہر چند کہ شیخ بہاء الدین اس سے کہتے تھے کہ نماز کی حالتِ قیام میں پاؤں اس طرح رکھو لیکن وہ اس طرح نہ رکھ سکا شیخ بہاء الدین نے اس سے کہا کہ جاؤ اُچ میں جا کر رہو، چنانچہ وہ اُچ چلا گیا۔

پھر چند لمحے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بارے میں بات چیت رہی آپ نے فرمایا کہ ایک دن ایک مرید ایک خط لایا۔ اور اس نے وہ خط شیخ صدر الدین[1] علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہاتھ میں دیا اور ان سے کہا کہ ایک شخص نے یہ خط دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ اسے شیخ بہاء الدین کی خدمت میں پہنچا دینا۔ شیخ صدر الدین نے جب اس خط پر لکھا ہوا پتہ پڑھا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ وہ گئے اور اس خط کو شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا انہوں نے جب یہ خط پڑھا تو کروٹ لیتے اپنے جسم کو مروڑا اور بآواز بلند اللہ اللہ کرنے لگا۔ اسی رات شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔

اس مقام پر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ زمانہ کتنا اچھا تھا جس میں یہ پانچ بزرگ بقیدِ حیات تھے۔ شیخ ابو الغیث یمنی، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعد الدین حمویہ، شیخ

---

[1] آپ شیخ بہاء الدین زکریا کے فرزند اور جانشین تھے۔ وفات ۶۸۶ھ

بہاءالدین زکریا اور شیخ الاسلام فریدالدین رحمتہ اللہ علیہ۔

اس موقعہ پر آپ نے شیخ سیف الدین باخرزی کا ذکر کیا فرمایا کہ ان کا دستور یہ تھا کہ جب وہ شام کی نماز ادا کر لیتے تو سو جاتے، جب ایک تہائی رات گزر جاتی تو اٹھ جاتے۔ پیش امام اور مؤذن موجود ہوتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر صبح تک جاگتے رہتے وہ ساری عمر اسی طرح کرتے رہے۔ بندے نے عرض کیا کہ کیا وہ سماع سنتے تھے! فرمایا ہاں لیکن اس طرح نہیں جیسے لوگ محفل منعقد کرتے تھے لوگوں کو اس میں بلاتے ہیں دعوت کے طور پر ان کو جمع کرتے ہیں۔ اور پھر سماع ہوتا ہے۔ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ وہ بیٹھے ہوتے، کوئی حکایت بیان کرتے اور سلسلۂ گفتگو شروع ہو جاتا۔ اس دوران میں نشاط میں شادمانی کی کیفیت پیدا ہو جاتی اور جب وہ پورے عروج پر پہنچتی تو کہتے کہ یہاں کوئی ہے جو شعر پڑھے! اسی وقت قوال آجاتا اور کچھ چیزیں سناتا۔ غرض شیخ سیف الدین باخرزی کے سماع کی یہ صورت تھی

بعد ازاں آپ نے ان کے انتقال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بخارا میں ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک جلتی ہوئی مشعل بخارا کے ایک دروازے سے باہر لے جائی جا رہی ہے۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو ایک بزرگ کی خدمت میں گیا اور اس سے اپنا خواب بیان کیا اس بزرگ نے کہا کہ بخارا کے ایک ولی صاحبِ نعمت انتقال فرمائیں گے۔ انہیں دنوں شیخ سیف الدین باخرزی نے انتقال فرمایا۔

حضرت خواجہ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ انہی دنوں انہوں نے اپنے پیر[1] کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان سے کہہ رہے ہیں اشتیاق بہت بڑھ گیا ہے۔ اب آجاؤ جب شیخ سیف الدین باخرزی نے یہ خواب دیکھا تو اس ہفتے کے دوران میں انہوں نے وعظ کیا اور اس وعظ میں تمام کا تمام مضمون فراق و جدائی تھا اور الوداع کہنے کا ذکر تھا۔ خلقت حیران رہ گئی کہ شیخ سارا وعظ فراق و جدائی کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس وقت انہوں نے یہ شعر پڑھا جس کی ردیف خیرباد ہے ؎

---

[1] آپ کے پیر شیخ نجم الدین کبریٰ تھے۔

رفتم اے یاران بساماں خیر باد
نیست آساں دردِ ہجران خیر باد

(اے دوستو! میں مع سامان رخصت ہوتا ہوں، الوداع، ہجر و فراق کا درد آسان نہیں ہوتا، الوداع)

جب وہ یہ شعر پڑھ چکے تو حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مسلمانو! جان لو اور آگاہ رہو کہ میرے پیر نے مجھے خواب میں کہا ہے آ جاؤ چنانچہ میں جا رہا ہوں الوداع' یہ کہا اور منبر پر سے اتر آئے اور انہیں دنوں میں انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

تیسری مجلس

منگوار سال مذکور کے ماہ رمضان کی اٹھائیس تاریخ

الحمد للہ دولت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ ایک صاحب خدمت میں آئے اور کسی دوسرے صاحب کی طرف سے نذر پیش کی۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس نذر بھجوانے والے کو متعین نہ کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ صاحب کون ہیں؟ خدمت میں آنے والے نے اس کا تعارف کرایا لیکن پھر بھی حضرت خواجہ اسے متعین نہ کر سکے اس پر آپ نے فرمایا کہ میں بہت سے اشخاص کو بھول جاتا ہوں۔ لیکن جب انہیں دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں۔ مگر صرف ان کے نام اور لقب سے انہیں نہیں پہچان پاتا۔

اس مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے صاحبزادوں میں سے ایک کا نام نظام الدین تھا۔ حضرت شیخ اسے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے وہ فوج میں تھا اور آپ کے ساتھ بہت بے تکلف تھا وہ جب کوئی ایسی

ویسی بات کہتا تو اس بنا پر کہ آپ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ آپ اس پر مسکرا دیتے اور جو کچھ وہ کہتا اس پر ناراض نہ ہوتے۔ ایک دفعہ وہ سفر کو گیا، کچھ عرصہ بعد اس نے کسی کے ذریعے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں عرض کیا کہا کہ مخدوم زادہ نظام الدین نے سلام بھیجا ہے حضرت شیخ نے فرمایا وہ کون ہے؟ اس شخص نے کہا کہ حضرت مخدوم کا صاحبزادہ نظام الدین۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم کس کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ پھر اس شخص نے کہا کہ مخدوم زادہ نظام الدین آپ کا صاحبزادہ اس وقت حضرت شیخ نے کہا کہ ہاں، ہاں وہ کیسا ہے خیر و عافیت سے تو ہے! حضرت خواجہ ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمانے لگے۔ کہ دیکھو! حضرت یاد حق میں کس قدر مستغرق تھے کہ خود اپنے صاحبزادہ کا اتنا کچھ سمجھانے اور یاد کرانے کے بعد کہیں یقین کر سکے۔

اس موقعہ پر آپ نے شیخ بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ والغفران کا یہ واقعہ بیان کیا ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اور کسی دوسرے آدمی کی طرف سے آپ کو سلام پہنچایا شیخ نے پوچھا وہ کون ہے؟ آنے والے نے اس کا تعارف کرایا۔ شیخ اس کا تعین نہ کر سکے۔ آنے والے نے اس کی بہت سی نشانیاں بیان کیں، شیخ نے فرمایا کہ اتنا کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا اس نے مجھے کبھی دیکھا ہے! اس شخص نے کہا کہ ہاں دیکھا ہے۔ وہ تو آپ کا غلام اور مرید ہے، شیخ کہنے لگے تو پھر ٹھیک ہے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو خوب دیتے تھے۔ وہ معلّم جو ان کے صاحبزادوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ان پر آپ نے بڑی نوازشیں کیں اور ان کے دامن میں سونا چاندی انڈیل دیا۔ اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے یہ واقعہ بیان کیا ایک دفعہ ملتان کے والی کو غلّے کی ضرورت پڑی اس نے شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے لیے درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ ایک ڈھیر اسے دے دو۔ والی نے اپنے عملے کو بھیجا کہ وہ ڈھیر سے غلّہ لے آئیں اس غلّے میں چاندی سے بھرا ہوا ایک مٹکا نکل آیا۔ عملے نے والی کو اطلاع دی اس نے کہلوایا کہ شیخ نے ہمیں غلّہ دینے کو فرمایا ہے۔ یہ چاندی

دینے کو نہیں فرمایا۔ اسی چاندی کو شیخ کی خدمت میں پہنچا دو۔ جب یہ بات شیخ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ انہوں نے کہلوا بھیجا کہ زکریا کو یہ معلوم تھا۔ تمہیں یہ غلہ اس چاندی سمیت دے دیا گیا ہے۔

پھر تھوڑی سی دیر ترکِ دنیا کے بارے میں گفتگو رہی، اس بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوتے ہوئے آدمی کے سر پہ جاکر کھڑے ہوگئے آپ نے اس سوتے ہوئے آدمی کو آواز دی اور کہا اٹھو! خدا کی عبادت کر۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ میں نے خدا کی وہ عبادت کی ہے۔ جو سب عبادتوں سے بہتر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم نے کون سی عبادت کی ہے! اس نے کہا کہ میں نے دنیا کو دنیا والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اسی موقعہ پہ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جو شخص تھوڑے سے رزق پہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے سے عمل پر راضی ہوگیا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا سے اس طرح جاتا ہے کہ اس کی کوئی چیز یہاں نہیں ہوتی۔ نہ درہم، نہ دینار، پس بہشت میں اس سے بڑھ کر کوئی غنی نہیں ہوگا۔

چوتھی مجلس

ہفتہ سال مذکور کے ماہ شوال کی چوبیس تاریخ

سعادت دست بوسی میسر آئی۔ قرأتِ قرآن کے بارے میں گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا ایک کتاب میں میں نے یہ دو نکتے دیکھے ہیں کسی اور جگہ ایسے نکتے کم دیکھے ہیں۔ ایک نکتہ اس آیت میں ہے:۔ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْکًا——

کَبِیْرًا[۱] امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ مُلْکًا کَبِیرًا کو مَلِکًا کَبِیرًا پڑھتے تھے۔ اور دوسرا نکتہ اس آیت میں ہے :۔ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ[۲] وہ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کو مِنْ اَنْفَسِکُمْ پڑھتے تھے۔ یہ اَنْفَسُ اسم تفضیل ہے نفیس کی۔

پھر یہ ذکر آیا کہ اگر ایک عبادت گزار سے ورد اور طاعت رہ جائے تو یہ گویا برابر ہوتا ہے اس کی موت کے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ ایک سپاہی شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور آپ سے کہا کہ میں نے رات کو خواب میں یوں دیکھا ہے کہ میری نماز قضا ہوگئی۔ شیخ نے فرمایا کہ تماری موت قریب ہے۔ توبہ کرلو۔ جب وہ سپاہی اٹھ کر چلا گیا تو آپ ہی کی خانقاہ کا ایک صوفی آیا۔ اس نے بھی یہی خواب دیکھا تھا۔ جب اس صوفی نے اپنا خواب بیان کر دیا تو شیخ حیرت میں پڑ گئے۔ کہ وہ شخص تو سپاہی تھا۔ ہو سکتا ہے کسی جنگ میں مارا جائے۔ یہ صوفی تو بخیر و خیریت ہے اور اس پر کسی قسم کی بیماری کے آثار نہیں میں اس کو کیا کہوں آپ اسی خیال میں تھے کہ یہ خبر آئی کہ وہ سپاہی مارا گیا ہے اور اس صوفی کی صبح کی نماز قضا ہوگئی ہے۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے جب ان الفاظ پر پہنچے تو آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ دیکھو! نماز کے قضا ہونے کو موت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

پھر کچھ دیر اوراد و وظائف کو پابندی سے برابر ادا کرتے رہنے کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی چیز کو بطور ورد اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے۔ اگر وہ کسی تکلیف یا بیماری کی وجہ سے اس ورد کو نہیں کر پاتا تو وہ ورد اس کے اعمال نامے میں لکھ دیا جاتا ہے۔ گویا وہ ورد اس نے کر لیا۔ لیکن بعض لوگ جو کسی چیز کو بطور ورد

---

[۱] سورۃ الدھر آیت ۲۰۔ (ترجمہ: جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی)
اگر مُلْکًا کی جگہ مَلِکًا پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے۔ تو دیکھے نعمت اور بادشاہ عظیم الشان۔

[۲] سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸۔ ترجمہ: تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے۔
اگر اَنْفَسِکُمْ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے تمہارے بہترین میں سے۔

اپنے اوپر لازم نہیں کرتے ، بس یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہوگا ۔ تو وہ ورد کر لیں گے ان سے وہ شخص بہتر ہے جس نے کسی چیز کو بطور ورد اپنے اوپر لازم کر لیا ۔ اس لیے کہ اس سے کسی بیماری کے باعث اگر وہ ورد نہ کیا جا سکے تو پھر بھی وہ ورد اس کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے ۔ مگر جس نے اپنے لیے ورد معین نہ کیا ہو اس کے حساب میں کیا لکھا جائے ۔

اس دوران میں آپ نے مسبّعاتِ عشر کی فضیلت پر بہت زور دیا ، اس مقام پر آپ نے فرمایا کہ ایک شخص مستقل طور پر مسبعات عشر پڑھتا تھا ۔ ایک دفعہ وہ ایک راستے پر جا رہا تھا کہ رہزنوں کا ایک گروہ اُسے ہلاک کرنے کے لیے نمودار ہوگیا ۔ اس اثنا میں دس سوار پوری طرح مسلح ظاہر ہوئے اور انہوں نے اس شخص کو ان رہزنوں سے نجات دلائی وہ دس سوار جو ظاہر ہوئے تھے ۔ سر سے ننگے تھے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ ہم مسبعات عشر ہیں ۔ ہم وہ دس دعائیں ہیں جو تم ہر روز دس بار پڑھتے ہو ۔ اس وقت اس شخص نے کہا کہ آپ سر سے ننگے کیوں ہیں ؟ انہوں نے جواب دیا ۔ اس لیے کہ تم ہر دعا کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے ۔ اس موقع پر بندے نے عرض کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم کہاں پڑھنی چاہیئے آپ نے فرمایا کہ ہر سورۃ کے شروع میں ۔

اسی سلسلے میں ارشاد ہوا کہ قاضی کمال الدین جعفری بدایوں کے حاکم تھے وہ قاضی کے فرائض اور دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ اوراد بہت پڑھتے تھے ۔ نیز قرآن کی تلاوت بھی بہت کرتے تھے ۔ جب وہ بوڑھے ہوگئے تو ان سب کے پڑھنے کی ہمت نہ رہی ان سے پوچھا گیا کہ اب آپ کا کیا حال ہے ؟ کہنے لگے اب میں نے صرف مسبعات عشر پر تکیہ کر لیا ہے کہ وہ تمام اوراد کی جامع ہیں ۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ پہنچے ہوئے بزرگوں میں سے تھے وہ کعبہ میں حضرت خضرؑ سے ملے تھے اور ان سے ایسی دعا پوچھی تھی جس سے بخشش ہو حضرت خضر نے انہیں مسبعات عشر بتائیں اور کہا کہ ان کی روایت میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے ۔

پانچویں مجلس

بدھوار سال مذکور کے ماہ شوال کی اٹھائیس تاریخ

پائے بوسی کی دولت نصیب ہوئی اس بات کا ذکر آیا کہ ہر رنج اور تکلیف جو کسی شخص کو پہنچے، اُسے جاننا چاہیئے۔ کہ وہ کس وجہ سے ہے ہو سکتا ہے اس شخص کی خیریت اسی میں ہو اور اسے اس بات کا انتباہ ہو جائے کہ اس کو یہ رنج اور تکلیف کس وجہ سے پہنچی ہے وہ شخص جو گمراہی اور باطل میں مبتلا ہو۔ اسے کوئی ایسی تکلیف نہیں پہنچی جو اُسے گمراہی و باطل سے باز رکھے یہ اس کی محرومی اور بد نصیبی ہے۔ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے اس شخص کی رسی لمبی چھوڑی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے ایک عورت کا ذکر کیا جو بڑی صالح اور بزرگ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس سے سُنا ہے وہ کہتی تھی اگر میرے پاؤں میں کانٹا بھی لگے۔ تو میں جان جاتی ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے!

اس موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر اتہام لگایا گیا اور یہ قصہ دور دور تک معلوم ہے۔ غرض جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر اتہام لگایا گیا تو وہ بعد میں دعا و مناجات میں یہ کہا کرتی تھیں کہ اے اللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ اتہام مجھ پر کیوں لگایا گیا ہے اس لیے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام دعویٰ تو تمہاری محبت کا کرتے تھے لیکن ان کا تھوڑا سا میلان محبت مجھ سے بھی تھا۔ یہ جو مجھ پر تہمت لگائی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔

اسی اثنا میں ایک صاحب آگئے۔ اور وہ کچھ پھول لائے، اس مناسبت سے حضرت خواجہ نے کہا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میرے لیے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہوگئی ہیں خوشبو، عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت

خواجہ نے کہا کہ النِّسَاءُ (عورتیں) سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس لیے کہ دوسری ازواج سے زیادہ آپؐ کا میلان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ قُرَّۃُ عینی فی الصّلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) سے مقصود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ جب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جملہ فرمایا، حضرت فاطمہؓ نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نے کہا کہ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد نماز ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر قُرَّۃُ عَیْنِی سے مقصود نماز ہوتی تو اس کا ذکر الطِّیبُ اور النِّسَاءُ سے مقدم ہوتا۔ اسی موقع پر حضرت خواجہ نے کہا کہ خلفائے راشدین یعنی ابوبکر صدیق، عمر خطاب، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد مبارک کے مطابق اپنے اپنے طور پر تین تین چیزوں کے بارے میں کہا کہ ہم انہیں محبوب رکھتے ہیں۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے بھی حضرت رب العزت کا یہ فرمان پہنچایا کہ میں بھی تین چیزوں کو محبوب رکھتا ہوں اور وہ یہ ہیں:۔ تائب نوجوان، رونے والی آنکھ اور خشوع و عاجزی کرنے والا دل۔

پھر کچھ دیر یہ ذکر رہا کہ لوگ جو بزرگوں کے سامنے نذر نیاز پیش کرتے ہیں اس سلسلے میں کیا بہتر رہتی ہے! اس بارے میں آپ نے بتایا کہ ایک شخص نے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں ایک چھری نذر کی۔ حضرت شیخ الاسلام نے وہ چھری واپس کر دی۔ اور فرمایا کہ میرے پاس چھری نہ لاؤ۔ سوئی لاؤ۔ چھری کاٹنے والا آلہ ہے اور سوئی جوڑتی اور پیوند لگاتی ہے۔

چند لمحے ان لوگوں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی جو ایک دوسرے پر عیب لگاتے ہیں آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اگر کوئی شخص دوسرے پر عیب لگاتا ہے تو سب سے پہلے اُسے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ عیب خود اس میں بھی ہے یا نہیں اگر وہ عیب خود اس میں ہے تو اُسے شرم آنی چاہیئے کہ جو عیب خود اس میں ہے وہ اس کا دوسرے کو طعنہ دے رہا ہے اگر وہ عیب اس میں نہیں تو وہ خدائے عزّوجل کا شکر ادا کرے کہ اس نے اُسے اس عیب سے محفوظ رکھا ہے اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کا دوسرے کو طعنہ دے۔

پھر کچھ دیر سماع کے بارے میں بات ہوتی رہی۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ اس

وقت تو یہ حکم ہے کہ حضرت مخدوم یعنی آپ جب بھی چاہیں سماع سُنیں آپ کے لیے حلال ہے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرمایا کہ ایک چیز جو حرام ہے کسی کے حکم سے حلال نہیں ہو جاتی اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو جاتی۔ آپ ان چیزوں کی طرف آتے ہیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اسی مسئلہ سماع کو لیجئے امام شافعی رحمتہ اللہ سماع کو مع دف اور چغانہ (ایک قسم کا چھوٹا دف) کے مباح قرار دیتے ہیں اور ہمارے علماء اس کے خلاف ہیں۔ اب اس اختلاف کی صورت میں جو حاکم وقت حکم دے گا اس پر عمل ہوگا حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ انہی دنوں آپ کے آستانہ کے بعض درویشوں نے ایک ایسی مجلس سماع میں جہاں چنگ و رباب اور مزامیر تھے رقص کیا حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا انہوں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ جو چیز شرعاً درست نہیں وہ ناپسندیدہ ہے بعد ازاں ایک آدمی نے کہا کہ جب وہ درویش اس مجلس سماع سے باہر آئے اور ان سے کہا گیا کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا اس مجلس میں تو ساز اور مزامیر تھے۔ تم نے کیسے وہاں سماع سُنا اور رقص کیا انہوں نے جواب دیا کہ ہم سماع سننے میں اتنے مستغرق تھے کہ ہم یہ جان نہ سکے کہ وہاں ساز و مزامیر ہیں یا نہیں اور حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے یہ بات سنی اور فرمایا کہ یہ جواب بے معنی ہے۔ ایسی بات تو تمام معصیتوں کے جواب میں کہی جا سکتی ہے۔ اس دوران میں بندے نے عرض کیا کہ مرصادؔ[1] کے مصنف نے اس بارے میں ایک رباعی کہی ہے۔ اس کے یہ دو مصرعے میں نے خدمت میں عرض کیے۔

گفتی کہ بہ نزدِ من حرامست سماع

گر بر تو حرامست حرامت بادا

(تم کہتے ہو کہ تمہارے نزدیک سماع حرام ہے، اگر یہ تمہارے لیے حرام ہے تو پھر حرام ہی رہے) حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمانے لگے ٹھیک ہے پھر آپ نے زبان مبارک سے پوری رباعی ارشاد فرمائی[1]

---

[1] مرصاد العباد من المبداء والمعاد۔ مصنف نجم الدین۔ سال تصنیف ۱۲۲۳ء

دنیا طلبا جہاں بکامت بادا | وایں جیفۂ مُردار بدامت بادا
گفتی کہ بہ نزد من حرامست سماع | گر بر تو حرامست حرامت بادا

اے دنیا کو طلب کرنے والو! دنیا تیرے لیے مقصد و مراد رہے اور یہ مُردار لاش تیرے لیے ہمیشہ رہے۔ تم نے کہا کہ میرے نزدیک سماع حرام ہے اگر تم پر یہ حرام ہے تو تمہارے لیے یہ حرام ہی رہے۔

اس پہ بندے نے عرض کیا کہ اگر علماء اس بارے میں بحث کرتے ہیں اور سماع کی ممانعت میں کچھ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن جو شخص جامۂ فقر میں ہے وہ کیسے سماع کی نفی کرتا ہے اگر اس کے نزدیک سماع حرام ہے تو وہ اتنا کرے کہ خود سماع سنے لیکن وہ دوسروں سے اس بارے میں جھگڑا نہ کرے کہ وہ اُسے نہ سنیں۔ جھگڑا کرنا تو درویشوں کی صفت نہیں۔ حضرت خواجہ نے۔ اللہ آپؒ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ تبسم فرمایا اور اس امر کی مناسبت سے ارشاد کیا کہ بہت سے علماء ہیں جو اس بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ اور بعض نہ جانتے ہوئے ہنگامہ کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ ایک طالب علم نماز کی امامت کر رہا تھا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھی۔ ایک عامی بھی نمازیوں میں تھا۔ نماز چار رکعت تھی۔ پیش امام دو رکعتیں پڑھ کر پہلا قعدہ کرنا بھول گیا۔ اور وہ دوسری رکعت کے ساتھ ہی بلا قعدہ کئے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا وہ طالب علم پیش امام چونکہ تعلیم یافتہ و دانشمند تھا وہ اپنی اس بھول سے واقف ہو گیا اور دل میں اس نے سوچا کہ وہ اس کی تلافی کیسے کرے وہ علماء جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ خاموش رہے لیکن اس عامی نے زور زور سے لقمہ دینا شروع کیا اور سبحان اللہ سبحان اللہ اتنی بار کہا کہ اسکی اپنی نماز باطل ہو گئی۔ جب امام نے نماز کے بعد سلام پھیرا تو وہ عامی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس سے کہا کہ صاحب: نماز میں اتنے دانشمند موجود تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ نماز میں جو بھول واقع ہو گئی ہے اس کی تلافی کیسے ہو گی۔ وہ تو کچھ نہیں بولے اور تم نے اتنا شور مچایا کر اپنی نماز باطل کر لی۔

پھر بندے نے عرض کیا کہ میں اس گروہ کو جو سماع کا انکار کرتے ہیں خوب جانتا ہوں اور ان کے مزاج سے پوری طرح واقف ہوں، بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو سماع نہیں

سنتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے نہیں سنتے کہ وہ حرام ہے۔ بندہ قسم تو نہیں کھاتا لیکن سچ عرض کرتا ہے۔ کہ اگر سماع حلال بھی ہوتا تو یہ اسے نہ سنتے۔ حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ میری اس بات پر مسکرائے۔ اور فرمایا کہ جب ان لوگوں میں سماع کا ذوق ہی نہیں تو وہ اسے کیسے سنیں اور کس لیے سنیں۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

چھٹی مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی دس تاریخ

دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان لوگوں کا ذکر آیا کہ اگرچہ وہ بیمار ہوں لیکن ناممکن ہے کہ وہ طاعت وعبادت انہوں نے اپنے لیے مقرر کر رکھی ہو۔ اُسے چھوڑ دیں اس باب میں آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک بزرگ تھے جن کا مکان دریا کے کنارے پر تھا انہیں پیٹ کی تکلیف ہوگئی۔ جب بھی وہ قضائے حاجت کے لیے جاتے۔ تو فارغ ہوکر پانی میں اترتے غسل کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ تکلیف زیادہ ہوگئی۔ مثلاً وہ بیس بار یا تیس بار قضائے حاجت کے لیے گئے۔ اتنی ہی بار وہ پانی کے اندر جاتے۔ غسل کرتے رہے اور دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں ساٹھ بار قضائے حاجت کے لیے جانا پڑا اور ساٹھ بار ہی وہ اسی طرح پانی کے اندر گئے۔ غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، جب آخری بار وہ فارغ ہوکر پانی کے اندر گئے تو وہیں جان دے دی۔ حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور آپ نے فرمایا آفرین ہے طاعت و عبادات میں اس راسخ القدمی پر کہ آخری سانس تک اس قاعدۂ مقررہ سے نہیں ہٹے۔ جو انہوں نے اپنے لیے مقرر کر رکھا تھا۔

بعدازاں ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ بیماری اس کے لیے خیر اور بھلائی کا سبب ہے اسی سلسلے میں فرمایا کہ ایک بدو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے ایمان قبول کیا کچھ عرصہ بعد وہ پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوا۔ اور کہا یا رسول اللہ! جب سے میں ایمان لایا ہوں مجھے مال میں بھی نقصان ہوا ہے۔ اور میں بیمار بھی ہوتا رہا ہوں۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب مومن کو اس کے مال میں نقصان ہو اور خود اُسے کوئی بیماری لگ جائے تو یہ اس کے ایمان کی صحت کی دلیل ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ —— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے کہنے لگے کہ کل کو قیامت کے دن ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں فقراء کا ایسا درجہ ہوگا کہ تمام خلقت یہ آرزو کرے گی۔ اور کہے گی کہ اے کاش ہم دنیا میں فقیر ہوتے اور وہ لوگ جو دنیا میں اکثر بیمار رہے ہوں گے۔ ان کا بھی قیامت کے دن ایسا ہی درجہ ہوگا کہ تمام خلقت یہ آرزو کرے گی کہ اے کاش ہم دنیا میں بیمار ہوتے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

ساتویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی دو تاریخ

سعادت دست بوسی نصیب ہوئی۔ ایک ملنگ آیا بیٹھا تھا اس نے اٹھتے وقت تکبیر کہی پھر اٹھا اور چلا گیا۔ بندے نے عرض داشت کی کہ درویش جو تکبیر کہتے ہیں اس کی اصل کیا ہے! آپ نے فرمایا کہ کھانا کھانے کے بعد تکبیر کہنے کی روایت آئی ہے۔ اس تکبیر کے معنی حمد و تعریف کے ہیں یعنی وہ نعمت جو کھانے کی صورت میں میسر ہوئی ہے اس کے شکریے میں تکبیر کہنے والا اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ رسول اللہ

علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ کل قیامت کے دن اہل بہشت میں ایک چوتھائی تم لوگ ہوگے اور تین چوتھائی دوسری امتوں کے لوگ۔ صحابہؓ نے اس نعمت کے شکریے میں تکبیر کہی، پھر رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اہل بہشت میں ایک تہائی تم لوگ ہو گے اور دو تہائی دوسری امتیں۔ صحابہ نے پھر تکبیر کہی۔ اس کے پھر رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اہل بہشت میں نصف تم لوگ ہوگے۔ اور نصف باقی امتیں، صحابہؓ نے پھر اس پر تکبیر کہی۔ اس وقت حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ کہنے لگے کہ ان موقعوں پر تکبیر کہنا حمد کے لیے ہے، باقی یہ جو بعض درویش ہر بات پر تکبیر کہتے ہیں تو اس طرح تکبیر کہنے کی کہیں بھی روایت نہیں آئی۔

بعد ازاں بندے نے عرض کیا کہ یہ جو بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں۔ کیا اس کے بارے میں مشائخ نے کچھ کہا ہے! آپ نے فرمایا کہ ہاں کہا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ آہستہ ذکر کیا جائے تو یہ کیسا ہوگا! آپ نے فرمایا، آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے اس موقعہ پر ارشاد ہوا کہ صحابہ جو قرآن پڑھتے تھے تو اس طرح پڑھتے تھے کہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں۔ جب آیت سجدہ آتی اور وہ سجدہ کرتے تو اس وقت معلوم ہوتا کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں۔

آٹھویں مجلس

جمعرات، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی چھبیس تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ سلام اور اس کے جواب کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا جب حضرت آدم کو حق تعالیٰ نے پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز تھا انہیں فرمان

ملائکہ مقرب فرشتوں کو سلام کہو اور وہ جو سلام کا جواب دیں وہ سنو تاکہ تمہاری اولاد کے درمیان سلام اور سلام کا جواب اسی طرح ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو السلام علیکم کہہ کر سلام کہا۔ فرشتوں نے اس کا جواب یوں دیا۔ علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ طریقہ اولاد آدم میں رائج ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی آئے اور اس طرح سلام کہے۔ السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو اس کا جواب کیسے دینا چاہیئے اس کا جواب یوں دینا چاہیئے علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس موقعہ پر آپ نے بتایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے اس طرح سلام کہا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حاضرین میں سے ایک نے اس سلام کا جواب یوں دیا، علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ، حضرت ابن عباس وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح جواب نہیں دینا چاہیئے۔ سلام کا جواب برکاتہ تک ہے اس سے زیادہ نہیں (یعنی مغفرتہ زائد ہے)

بندے نے عرض کیا کہ اگر ایک شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی بزرگ آجائے چنانچہ وہ نفل نماز چھوڑ دے اور ان کی جانب متوجہ ہو جائے۔ تو یہ کیسا رہے گا! آپ نے فرمایا اسے اپنی نماز پوری کرنی چاہیئے۔ بندے نے عرض کیا اگر کوئی شخص ثواب کے لیے اور سعادت کے حصول کی خاطر نفل نماز پڑھ رہا ہو اس دوران میں اس کے پیر آجائیں۔ پیر کی قدم بوسی میں اس کے لیے بڑی سعادتیں ہیں۔ مریدوں کا تو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ پیر کی سعادت قدم بوسی کی دولت نفل نماز کے ثواب سے کئی سو گنا بہتر ہے۔ تو پھر کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شرع کا حکم یہی ہے۔ کہ نفل نماز پڑھنے والے کو پہلے اپنی نماز پوری کرنی چاہیئے۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ایک دریا کے کنارے پر پہنچے انہوں نے وہاں مریدوں کو وضو کرتے پایا۔ جب مریدوں نے شیخ کو دیکھا تو وہ تعظیم کے لیے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے ابھی نصف وضو کیا تھا۔ مگر ایک صوفی برابر بیٹھے رہے انہوں نے اپنا وضو مکمل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ کی خدمت میں آئے۔ اور ان کی تعظیم بجا لائے۔ شیخ نے فرمایا کہ ان سب میں درویش یہی ہے کہ پہلے اس نے وضو مکمل کیا اس کے

بعد میری تعظیم کی۔ بندے نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص نماز نفل پڑھ رہا ہو اور پیر کے آنے پر وہ نماز نفل ترک کر دے۔ اور پیر کی تعظیم میں لگ جائے تو کیا اس کی تکفیر ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔

بندے نے عرضداشت کی تائید اور پیر کے حق میں مرید کے اعتقاد کی پختگی کے بارے میں زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے بدرالدین اسحاق کو آواز دی۔ بدرالدین نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے نماز ہی میں زور سے جواب میں لبیک کہا بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ ایک دفعہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے ایک صحابی کو آواز دی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے آنے میں کچھ دیر کی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم جلدی کیوں نہیں آئے؟ انہوں نے کہا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب خدا اور خدا کا رسولؐ بلائے تو فوراً آ جانا چاہیئے بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ یہ شیخ کا فرمان رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی طرح ہوتا ہے۔

اس وقت آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ کہ ایک شخص شیخ شبلیؒ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ شیخ شبلی نے کہا کہ میں اس شرط پر تمہیں مرید بنانا قبول کروں گا۔ کہ جو میں حکم دوں تم وہ کرو گے۔ مرید نے کہا کہ میں ایسا کروں گا۔ شبلی نے اس سے پوچھا کہ تم کلمہ طیبہ کیسے پڑھتے ہو! مرید نے کہا میں اس طرح پڑھتا ہوں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ شبلی کہنے لگے کہ اب اس طرح پڑھو۔ لا الہ الا اللہ شبلی رسول اللہ مرید نے فی الفور اسی طرح پڑھ دیا۔ بعد ازاں شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ شبلی تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ اور اللہ کے رسول وہی ہیں میں تیرے اعتقاد کا امتحان کر رہا تھا۔

ؒ ابوبکر شبلی بغدادی (۸۶۱ء ـــ ۹۴۵ء)

پھر کچھ دیر نماز جمعہ کا ذکر رہا۔ کہ نماز جمعہ کے لیے نہ جانے کے بارے میں ایک تاویل مروی ہے آپ نے فرمایا کہ نماز جمعہ کے لیے نہ جانے کی کوئی بھی تاویل نہیں۔ سوا اس کے کہ آدمی کسی کا غلام ہو یا مسافر ہو یا مریض ہو جو شخص نماز جمعہ کے لیے جا سکتا ہے۔ اور نہیں جاتا اس کا دل بہت سخت ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک نماز جمعہ پڑھنے نہیں جاتا تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے۔ اگر وہ دو جمعے نماز پڑھنے نہیں جاتا تو اس کے دل پر دو سیاہ نقطے بن جاتے ہیں۔ اور اگر وہ تین جمعے نہیں جاتا تو اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس دوران میں غیاث الدین بلبن، ان کی نماز جمعہ اور پانچ فرض نمازوں کی پابندی اور ان کے اچھے اعتقادات کا ذکر آیا آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ سلطان بلبن نے قاضی لشکر کو کہا کہ کل کی رات کتنی بزرگی والی تھی۔ قاضی لشکر نے کہا کہ آپ پر بھی یہ بات روشن ہو گئی! سلطان نے کہا کہ ہاں، اس سلسلے میں بندے نے عرض کیا کہ وہ شب قدر ہو گی! آپ نے فرمایا بہر حال وہ بزرگی والی رات تھی۔ جو انہیں ملی اور وہ ایک دوسرے کے احوال سے مطلع ہوئے۔

نویں مجلس

منگل وار ۷۲۰ھ کے ماہ جمادی الاوّل کی دو تاریخ

سعادت دست بوسی میسر آئی نماز کا ذکر رہا اور اس بات کا بھی کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے یا سورۃ فاتحہ کے بعد جو بھی سورۃ پڑھی جائے اس سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنی چاہیئے یا نہیں۔ حضرت خواجہ نے کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ[1] فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں صرف ایک بار ——

---

[1] پیدائش ۶۹۹ء وفات ۷۶۷ء مطابق ۸۰ھ - ۱۵۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنی چاہیئے۔ اور بس اس کے خلاف دوسرے ائمہ میں سے بعض کے نزدیک ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے اور بعض کے نزدیک ہر سورۃ سے پہلے اُسے بسم اللہ پڑھنا چاہیئے۔
حضرت خواجہ نے اس موقعہ پر ارشاد کیا کہ سفیان ثوریؒ[1] اور ان کے ایک اور بزرگ ساتھی نے اس مسئلے پر امام اعظم سے سوال و جواب کیا۔ ایک دفعہ یہ بزرگ ایک مجلس میں جمع تھے۔ سفیان ثوری اور ان کے ساتھی نے امام اعظم سے سوال کیا کہ نمازی بسم اللہ کب پڑھے۔ ہر رکعت کے شروع میں یا ہر سورۃ کے شروع میں؟ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر امام اعظم بسم اللہ پڑھنے کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر نمازی ہر رکعت کے شروع میں نہ پڑھے اور نہ ہر سورت کے شروع میں تو ان سے اسی وقت بسم اللہ پڑھنے کی نفی پر جواب طلبی کی جائے گی۔ الغرض جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اس بارے میں کہ ہر رکعت کے شروع میں یا ہر سورت کے شروع میں نمازی کتنی بار بسم اللہ پڑھے؟ امام اعظم نے اپنے کمال علم کی بنا پر اور حسن ادب کو نگاہ میں رکھتے ہوئے فرمایا ایک بار پڑھے۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے کہا کہ امام اعظم کا اس سے مقصود اس اپنی رائے کا اظہار تھا۔ جو ان کی تھی۔ لیکن وہ حضرات اس سے جو مطلب لینا چاہیں لے سکتے تھے۔ خواہ ہر رکعت سے پہلے ایک بار اور خواہ ہر سورت سے پہلے ایک بار۔
پھر مشائخ کے نفس عالی اور ان کی دعاؤں کا ذکر ہوا اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مریدوں میں ایک مرید محمد شہ غوری کہتے تھے وہ ایک سچا اور صاحب اعتقاد شخص تھا۔ ایک دفعہ وہ شیخ الاسلام کی خدمت میں بڑے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں حاضر ہوا۔ شیخ نے پوچھا کہ خیر تو ہے؟ کہنے لگا کہ میرا ایک بھائی ہے جو بیمار ہے۔ اور اس کی حالت بڑی خراب ہے اس کے بس تھوڑے سے سانس (باقی) ہیں میں جو اس وقت آپ کی خدمت میں آیا ہوں کچھ عجیب نہیں کہ اس کا انتقال ہو گیا ہو۔ اسی وجہ سے میں درہم برہم اور پریشان ہوں۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ جیسی

---

[1] سفیان ثوری (۹۷ھ ـــــ ۷۷۸ء) مشہور محدث اور صوفی تھے۔

اس وقت تیری حالت ہے یہی حالت میری تمام عمر رہی ہے۔ لیکن میں اس کا کسی سے اظہار نہیں کرتا۔ اس وقت حضرت شیخ نے اس سے کہا کہ جاؤ تمہارا بھائی تندرست ہو جائے گا۔ محمد شہ اٹھا اور گھر گیا وہاں جا کر اس نے اپنے بھائی کو بیٹھے اور کھانا کھاتے دیکھا۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

دسویں مجلس

اتوار سال مذکور کے ماہ جمادی الاوّل کی سات تاریخ

دولت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ بندے نے عرضداشت کی کہ ایک آدمی پانی پیتا ہے اور دوسرے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں کیا ایسا کرنا سنت ہے! حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ کچھ سوچ میں پڑ گئے حاضرین میں سے ایک نے چند الفاظ پڑھے اور کہا کہ یہ حدیث ہے۔ کہ جو شخص دوسرے کے پانی پیتے وقت ہاتھ آگے بڑھاتا ہے وہ بخشا جائے گا۔[۱] حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ یہ حدیث ان کتب احادیث میں جو مشہور اور معتبر ہیں۔ نہیں آئی شاید کہیں اور ہو۔ لوگ حدیث سنیں تو

---

[۱] غلام احمد خان بریان کے فوائد الفواد کے اردو ترجمے میں یہ عبارت یوں ہے:-
"یہ ذکر تھا کہ آبخورہ منہ لگا کر ایک ہاتھ نیچے اس غرض سے کہ پانی فرش یا زمین پر نہ گرے، رکھنا سنت ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر متامل تھے۔ اسی وقت کسی شخص نے ذکر کیا کہ یہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ کہ جو شخص پانی پیتے ہوئے ہاتھ آبخورے کے نیچے رکھے گا، وہ بخشا جائے گا۔"

یہ نہ کہنا چاہیئے کہ یہ حدیث رسولؐ نہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث ان کتابوں میں جن میں احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اور وہ کتابیں معتبر ہیں مروی نہیں ہے۔

یہاں سے بات احادیث کے بارے میں چل نکلی آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی منہاج الدین سراج علیہ الرحمتہ والغفران وعظ کہہ رہے تھے۔ وعظ کے دوران میں انہوں نے کہا کہ چھ حدیثیں متواتر ہیں۔ ایک یہ ہے :۔ اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا (غیبت زنا سے بدتر ہے) دوسری یہ ہے :۔ مَنْ شَمَّ الْوَرْدَ وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَقَدْ جَفَانِیْ (جس نے گلاب کا پھول سونگھا اور مجھ پر درود نہ بھیجا اس نے مجھ پر ظلم کیا) اور تیسری حدیث ہے :۔ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ (مدعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثبوت پیش کرے اور جو الزام سے انکار کرتا ہے وہ حلف اٹھائے) اس وقت حضرت خواجہ ــــــــ اللہ آپ ذکر بھلائی سے کرے۔ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ جب قاضی منہاج الدین یہ تین حدیثیں بیان کر چکے تو انہوں نے کہا کہ باقی تین حدیثوں کا مجھے علم نہیں اگر کوئی شخص مجھے طعنہ دے کہ تم کیوں یہ تین حدیثیں نہیں جانتے تو میں کہوں گا کہ یہ تین حدیثیں جو تم نے مجھ سے لی ہیں اس سے پہلے تم بھی کہاں جانتے تھے۔

اس مقام پر آپ نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث کی فضیلت کے بارے میں یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ مولانا رضی الدین نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ بیمار ہو گئے تو ان کی بیماری نے طول کھینچا، ان کے پڑوس میں ایک دانش مند رہتا تھا وہ مزاج پرسی کے لیے آیا اس وقت مولانا رضی الدین کی حالت خراب تھی۔ وہ دانش مند ان کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس نے یہ حدیث پڑھی :۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا۔ مولانا رضی الدین پر اگرچہ اس وقت بیماری کا غلبہ تھا۔ لیکن انہوں نے دانشمند کو کہا کہ اس حدیث کا اس وقت پڑھنے کا کیا موقع و محل ہے یہ وقت نہ تو ذکر زنا کا ہے۔ اور نہ ذکر غیبت کا۔ تو اس وقت اس حدیث کو پڑھنے کی کیا توجیہہ کرتے ہو! اس دانشمند نے جواب دیا کہ میرے پیش نظر کوئی توجیہہ نہیں تھی بس میں نے یہ سنا تھا کہ اگر بیمار کے سرہانے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں سے کوئی حدیث پڑھی جائے۔ تو وہ بیمار صحت یاب ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث

متواتر اور صحیح ہے۔ اور میں نے آپ کی صحت یابی کی نیت سے اُسے پڑھا ہے اس کے بعد مولانا رضی الدین نے اور کچھ نہ کہا اور وہ اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے۔

چند لمحے قضاو قدر کی طرف سے جو کچھ ہو اُسے تسلیم کر لینے اور اس پر راضی ہو جانے کے بارے میں گفتگو رہی اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک درویش بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مکھی آئی اور اس کی ناک پر بیٹھ گئی۔ اور درویش نے اس مکھی کو اڑایا مکھی آکر پھر اس کی ناک پر بیٹھ گئی۔ اس نے پھر اُسے اڑایا اور وہ پھر آکر اس کی ناک پر بیٹھ گئی۔ درویش نے پھر اُسے اڑایا۔ اس کے بعد درویش نے کہا، اسے خدائے بزرگ و برتر! میں چاہتا ہوں کہ مکھی میری ناک پر نہ بیٹھے۔ اور تو چاہتا ہے کہ وہ میری ناک پر بیٹھے، میں نے اپنی خواہش چھوڑ دی ہے۔ اور جو تیری خواہش ہے اس سے موافقت کر لی ہے۔ اب میں مکھی کو اپنی ناک سے نہیں اڑاؤں گا۔ جب درویش نے یہ کہا تو اس کے بعد مکھی اس کی ناک پر نہیں بیٹھی۔

گیارہویں مجلس

ہفتہ سال مذکور کے جمادی اول کی بیس تاریخ

دولتِ قدم بوسی حاصل ہوئی۔ یہ بات زیرِ بحث آئی کہ بعض لوگ جو تائب ہو جاتے ہیں، ان سے توبہ کے بعد بھی لغزش ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ ان کے اندر سعادت و نیک بختی باقی ہوتی ہے اس لیے ان کو پھر توبہ کی نعمت مل جاتی ہے اس صورت حال کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک گانے بجانے والی عورت (مطربہ) قمر نامی تھی۔ وہ حسن و جمال میں درجۂ کمال پر تھی۔ آخر عمر میں وہ تائب ہو گئی اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر محمد سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز

کی مرید ہوگئی۔ وہ زیارت کعبہ کو گئی۔ واپس آتے ہوئے جب وہ ہمدان پہنچی تو والئ ہمدان کو اس کے آنے کی خبر ملی۔ اس نے کسی آدمی کو اُس کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ آؤ اور میرے سامنے گاؤ۔ اُس عورت نے جواب دیا کہ میں اس پیشے سے تائب ہو چکی ہوں۔ اور اب کعبہ کی زیارت کرکے آرہی ہوں۔ اس کے بعد میں یہ کام نہیں کروں گی۔ والئ ہمدان نے زبردستی کی اور اُس عورت کی بات نہ سُنی۔ وہ بے بس ہوکر رہ گئی۔ چنانچہ وہ شیخ یوسفؒ ہمدانی کی خدمت میں گئی اور ان سے صورت حال عرض کی۔ شیخ یوسف نے فرمایا اچھا تم جاؤ میں آج رات تمہارے معاملے میں توجہ کروں گا۔ اور کل صبح تمہیں جواب دوں گا۔ جب صبح ہوئی تو وہ عورت شیخ یوسف کے پاس آئی۔ انہوں نے اُس سے کہا تیری ایک معصیت ابھی خزانۂ تقدیر میں باقی ہے۔ اس کے بعد وہ عورت مجبور و بے بس ہوگئی اور والئ ہمدان کے آدمیوں نے اُسے نہ چھوڑا۔ اُس کو زبردستی والئ ہمدان کے پاس لے گئے۔ چنگ (ایک قسم کا باجا) لاکر اُسے دے دیا گیا اس نے چنگ کو بجایا اور گانا شروع کیا۔ اُس نے چند شعر ہی گائے تھے۔ کہ سب لوگ اثر و تاثیر میں ڈوب گئے۔ سب سے پہلے تو والئ ہمدان تائب ہوئے۔ اس کے بعد ایک ایک کرکے وہ تمام جو اُس مجلس میں موجود تھے۔ تائب ہوئے۔ والحمد للہ ربّ العالمین۔

ؒ شیخ یوسف ہمدانی (م ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء) اپنے زمانے کے ایک ممتاز صوفی اور عالم تھے۔ بغداد، اصفہان اور سمرقند سے طلبار کی ایک کثیر تعداد حصول علم کے لیے ان کی خانقاہ کا رخ کرتی تھی نقشبندی سلسلے کے مشہور بزرگ عبدالخالق غجدوانی ان کے خلیفہ تھے۔

(پروفیسر خلیق احمد نظامی)

بارہویں مجلس

سال مذکور کے ماہ رجب مبارک کی چھ تاریخ

سعادت دست بوسی میسر ہوئی۔ قاضی قطب الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ[1] کے علم و دیانت کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا کہ قاضی قطب الدین ملتان ہی تھے۔ اور وہاں ان کا اپنا ایک علیحدہ مدرسہ تھا شیخ بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ ہر روز صبح کو وہاں جاتے۔ اور نماز فجر وہاں ادا کرتے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ایک دفعہ مولانا قطب الدین نے ان سے پوچھا آپ کیوں اپنی جگہ سے اتنی دور آتے اور میرے پیچھے آکر نماز پڑھتے ہیں۔ شیخ بہاء الدین نے جواب دیا۔ کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ عَالِمٍ تَقِیٍّ فَکَاَنَّمَا صَلّٰی خَلْفَ نَبِیٍّ مُّرْسَلٍ (جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا اس نے کسی نبی مرسل کے پیچھے نماز پڑھی) بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ میں نے اسی طرح سنا ہے اس کی ذمہ داری راوی پر ہے۔ ایک دن شیخ بہاء الدین زکریا وہاں آئے۔ قاضی قطب الدین صبح کی نماز کی امامت کرا رہے تھے! ور ایک رکعت ہو گئی تھی۔ شیخ بہاء الدین دوسری رکعت میں پہنچے اور نماز میں شامل ہو گئے۔ جب قاضی قطب الدین تشہد میں بیٹھے اور قبل اس کے کہ وہ آخری سلام پھیرتے، شیخ بہاء الدین اٹھے اور انہوں نے اپنی نماز پوری کر لی جب سب نماز سے فارغ ہو گئے۔ تو قاضی قطب الدین نے ان سے کہا آپ سلام پھیرنے سے پہلے ہی کیوں کھڑے ہو گئے۔ ہو سکتا تھا کہ امام سے نماز میں سہو ہو گیا ہو اور

---

[1] آپ اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے جب وہ ملتان سے دہلی آئے تو سلطان التمش نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ ان کے پوتے قاضی محی الدین کاشانی تھے جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ تھے۔ دیکھئے مجلس ۵ جلد ۲۔

وہ سجدۂ سہو کرنا چاہتا ہو، آپ جب امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی دوسری رکعت پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تو اس صورت میں آپ سجدہ سہو کرنے سے رہ جاتے۔ شیخ بہاء الدین نے فرمایا کہ اگر کسی کو نور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام سے کوئی سہو نہیں ہوا تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی دوسری رکعت پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ قاضی قطب الدین نے کہا کہ ہر وہ نور جو احکام شرع کے مطابق نہ ہو اندھیرا ہے الغرض انہوں نے کوئی ایسی ہی بات کہی کہ بعدازاں شیخ بہاء الدین ان کے ہاں نماز پڑھنے نہیں گئے۔

اسی طرح آپ نے قاضی قطب الدین کاشانی کی یہ حکایت بھی بیان کی۔ قاضی قطب الدین سے کہا گیا، کیا آپ درویشوں پر اعتقاد نہیں رکھتے؟ قاضی قطب الدین کہنے لگے کہ وہ درویش جو میں نے دیکھے ہیں ان جیسے اب میں کہاں پاؤں گا۔ اس وقت انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ میں کاشغر میں تھا۔ کہ میرا ایک چھوٹا سا چاقو جو قلم تراش تھا ٹوٹ گیا میں بازار گیا اور اُسے چاقو بنانے والوں کو دکھایا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ یہ چاقو اس طرح درست کر دیں کہ جیسے پہلے تھا ویسا ہو جائے۔ ان سب نے کہا پہلے جیسا نہیں ہو سکے گا۔ آخر اس میں سے کچھ تو کم ہو گا۔ یعنی جب ایک چیز کا سرا باہر نکالا جاتا ہے۔ اور وہ دستہ میں لگا کر استعمال ہوتی ہے۔ تو یقیناً مرمت کے وقت اس میں کچھ کمی ہو گی میں نے کہا، نہیں۔ مجھے تو یہ چاہیئے کہ جیسا تھا ویسا ہو جائے۔ بہر حال ان سے یہ نہ ہو سکا۔ البتہ انہوں نے مجھے بتایا کہ فلاں دوکان پر جاؤ وہاں ایک بوڑھا چاقو بنانے والا ہے وہ ایک بزرگ اور بڑا صالح اور نیک آدمی ہے۔ اس کے پاس جاؤ۔ وہاں تمہاری غرض پوری ہو جائے گی۔ قاضی قطب الدین کہتے تھے کہ میں اس نشانہ ہی پہ گیا۔ وہاں میں نے ایک بوڑھا دیکھا اور اس کو چاقو دکھایا۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو پہلوں نے دیا تھا کہ مرمت سے چاقو تھوڑا سا چھوٹا تو ہو گا۔ میں نے کہا کہ مجھے تو ویسا ہی چاہیئے جس شکل میں کہ وہ پہلے تھا اس بوڑھے آدمی نے کچھ دیر سوچا۔ پھر مجھ سے کہا اچھا آنکھیں بند کر لو قاضی قطب کہتے تھے کہ میں نے آنکھیں بند کر لیں لیکن آنکھ کے کونے سے دیکھتا رہا میں نے دیکھا

کہ اس بوڑھے نے ٹوٹا ہوا چاقو اٹھایا، اُسے وہ اپنی ڈاڑھی کے نزدیک لے گیا اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور آہستہ سے کچھ کہا پھر مجھے مخاطب کیا اور کہا آنکھیں کھولو میں نے آنکھیں کھولیں تو اس نے چاقو میرے سرہانے رکھ دیا، وہ اسی شکل میں تھا جس میں وہ پہلے تھا. بالکل درست اور صحیح وسلامت۔

پھر آپ نے قاضی قطب الدین کاشانی کی ایک اور حکایت بیان کی۔ فرمایا. جب وہ دہلی آئے تو سلطان شمس الدین نے انہیں اپنی قیام گاہ پر بلایا. وہ گئے. اس وقت سلطان خرّم گاہ میں بیٹھا ہوا تھا، سید نور الدین مبارک علیہ الرحمۃ خرّم گاہ کی ایک جانب بیٹھے ہوئے تھے. اور قاضی فخرالائمہ دوسری طرف اور یہ دونوں خرّم گاہ سے باہر تھے۔ جب قاضی قطب الدین آئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کہاں بیٹھیں گے! انہوں نے کہا کہ علوی دبلند آدمی ہے نیچے۔ الغرض جب وہ سلطان کے نزدیک پہنچے اور اُسے سلام کیا تو سلطان اٹھ کھڑا ہوا. آپ کا ہاتھ پکڑا، خرم گاہ کے اندر لے گیا اور اپنے نزدیک بٹھایا۔

اس کے بعد شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر آیا. آپ نے فرمایا کہ جب وہ بدایوں پہنچے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا تو ایک دن کسی کام کے لیے قاضی کمال الدین جعفری حاکم بدایوں کے مکان پر گئے۔ خدمت گاروں نے جوان کے دروازے کے سامنے بیٹھے تھے. کہا اس وقت قاضی نماز پڑھ رہے ہیں۔ شیخ جلال الدین مسکرائے اور فرمایا کہ کیا قاضی نماز پڑھنا جانتے ہیں! جب شیخ واپس آگئے تو یہ خبر قاضی کمال الدین کو پہنچائی گئی. کہ شیخ یوں کہہ رہے ہیں۔ دوسرے دن قاضی کمال الدین جعفری شیخ جلال الدین کی خدمت میں پہنچے[۱] ان سے معذرت کی اور پوچھا کہ یہ آپ نے کیسے فرمایا کہ کیا قاضی نماز پڑھنا جانتے ہیں. میں نے تو نماز اور احکام نماز پہ اتنی کتابیں لکھی ہیں. شیخ نے فرمایا کہ ہاں میں نے یہ کہا تھا. بات یہ ہے کہ علماء کی نماز اور ہے۔ اور فقراء کی نماز اور۔ قاضی کمال الدین نے پوچھا کہ کیا فقراء رکوع وسجود دوسری طرح کرتے ہیں یا وہ قرآن دوسری طرح پڑھتے

---

[۱] فقہ میں ان کی ایک کتاب منفق کا ذکر آیا ہے۔

ہیں! شیخ نے فرمایا نہیں، علماء کی نماز اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنی نظر کعبہ پر رکھتے ہیں۔ اور نماز ادا کرتے ہیں اگر کعبہ نظر نہ آئے تو اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیتے ہیں اگر وہ ایسی جگہ ہوں جہاں سمت معلوم نہ ہو سکے تو وہ اندازے سے کعبہ کی طرف منہ کر لیتے ہیں غرض علماءُ کا نماز میں قبلہ کا تعین کرنا ان تین طریقوں سے باہر نہیں ہوتا۔ لیکن فقراء جب تک عرش نہ دیکھ لیں نماز نہیں پڑھتے۔ اگرچہ قاضی کمال الدین پر شیخ کی یہ بات گراں گزری۔ لیکن انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا اور وہاں سے واپس آ گئے۔ جب رات ہوئی تو قاضی کمال الدین نے خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز عرش پر مصلّا بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسرے دن یہ دونوں بزرگ ایک مجلس میں موجود تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے سلسلہ کلام کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اے فلاں! علماء کا کام اور ان کا مرتبہ تو معلوم ہی ہے۔ ان کی ساری ہمت اور خواہش درس و تدریس کے لیے ہوتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مدرس بن جائیں یا قاضی یا صدرِ جہاںؒ بن جائیں۔ اس سے بڑھ کر ان کا مرتبہ نہیں ہوتا۔ مگر درویشوں کے بہت مرتبے ہیں۔ ان کا پہلا مرتبہ تو وہ ہے جو کل رات قاضی کو دکھایا گیا۔ جب قاضی کمال الدین نے یہ بات سنی تو وہ بڑی معذرت کے ساتھ شیخ کے سامنے آئے۔ اور ان سے معافی مانگی اپنے بیٹے برہان الدین کو ان کے روبرو پیش کیا۔ ان کا مرید کرایا۔ اور حضرت شیخ سے کلاہِ مریدی حاصل کی۔

ؒ عام طور سے صدر جہاں اور قاضی ممالک ایک ہی شخص ہوتا تھا۔ صدر جہاں کی سفارش پر سلطان قاضیوں کو مقرر کرتا تھا۔

تیرہویں مجلس

ہفتہ سال مذکور کے ماہ رجب مبارک کی دس تاریخ

دولت قدم بوسی حاصل ہوئی صبر و تحمل کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ آپس کے معاملات کے بارے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم تو وہ ہے کہ ان سے نہ کسی کو فائدہ پہنچتا ہے نہ نقصان۔ اس قسم کے لوگوں کا حکم جمادات کا حکم ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے نقصان نہیں یہ پہلے لوگوں سے بہتر ہیں۔ تیسری قسم ان دونوں سے بہتر ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ان سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور اگر کوئی انہیں نقصان پہنچائے تو وہ اس سے بدلہ نہیں لیتے اور صبر و تحمل کرتے ہیں یہ صدیقوں کا حکم ہے۔

چودہویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ شعبان مبارک کی اٹھارہ تاریخ

دولت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ اس باب میں بات ہونے لگی کہ ناموں میں سب سے بہتر نام کون سے ہیں! حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ کو سب سے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اس کے بعد کہا کہ سب سے سچا اور راست ترین نام حارث ہے اس لیے کہ ہر شخص حارث یعنی کھیتی باڑی کرنے والا ہے۔ وہ طاعت و

عبادت کی کھیتی باڑی کرے یا معصیت وگناہ کی بعدازاں ارشاد فرمایا کہ سب سے چھوٹے نام مالک اور خالد ہیں۔ اس لیے کہ مالک تو خدا وند تعالےٰ ہے اور خالد یعنی ہمیشہ رہنے والا بھی وہی ہے۔

پندرہویں مجلس

جمعرات سال مذکور کے ماہ رمضان مبارک کی پانچ تاریخ

سعادت دست بوسی لی۔ صحبت کی تاثیر کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا ایک دفعہ ایک معلّم (طالب علم) شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اس کی نیت تجارت کرنے کی تھی۔ جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا تو ارادت وعقیدت بجالایا۔ اور آپ سے بیعت لی۔ اس نے سر کے بال لمبے چھوڑ رکھے تھے۔ اسی دوران میں وہاں ایک جوگی آگیا۔ وہ طالب علم اس جوگی سے پوچھنے لگا۔ کہ سر کے بال کیسے لمبے کئے جاتے ہیں؛ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے کہ جب میں نے سنا کہ وہ جوگی سے سر کے بال لمبے کرنے کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ اور اس کے بارے میں جوگی سے اس نے کوئی نسخہ دریافت کیا ہے تو میرے اندر اس کی جانب سے اس بنا پر کراہت پیدا ہوئی کہ جو شخص بیعت کرتا ہے وہ سر کے بال لمبے کرنے کے متعلق کس لیے نسخہ پوچھتا ہے۔ نیز بیعت کے وقت سر کے بال جو منڈوائے جاتے ہیں تو اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ بیعت کرنے والے (کے دل) سے تکبر ورعونت جاتی رہے۔ پس اس کا بالوں کو لمبا کرنا کس کام آئے گا! جب کچھ عرصہ گزر گیا تو شیخ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ کے نواسے خواجہ وحیدالدین شیخ کبیر فریدالدین کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپ سے مرید ہونے اور آپ سے بیعت کرنے کی اجازت

چاہی، نیز یہ درخواست کی کہ انہیں دستور مریدی کے مطابق سر منڈوانے والے کی اجازت دی جائے شیخ کبیر نے فرمایا کہ میں نے خود آپ کے خانوادے میں بیعت کی ہے میرے لیے مناسب نہیں کہ میں آپ سے بیعت لوں۔ خواجہ وحید الدین نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ میں بالضرور آپ کا مرید ہوں گا۔ خیر شیخ کبیر نے ان سے بیعت لی اور انہیں سر منڈوانے کے لیے فرمایا۔ الغرض جس دن خواجہ وحید الدین نے سر منڈوایا، مولانا نصیر الدین نے بھی جو سر کے بال لبے کرنے کے متعلق جوگی سے پوچھ رہے تھے۔ ان کی موافقت میں اپنا سر منڈوا دیا۔

پھر چند لمحے مردوں کے لیے دعا کرنے کے بارے میں گفتگو رہی۔ بندہ نے عرض کیا کہ یہ جو قبروں پر قرآن کی آیات اور دعائیں لکھتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ فرمایا یہ نہیں لکھنی چاہئیں اور کفن کے کپڑے پر بھی کچھ نہیں لکھنا چاہیئے۔

سولہویں مجلس

جمعرات سال مذکور، ماہ شوال کی اٹھارہ تاریخ۔ دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ مولانا برہان الدین بلخی[1] علیہ الرحمۃ

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی انگریزی تصنیف SOME ASPECTS OF RELIGION AND POLITICS IN INDIA DURING THE THIRTEENTH CENTURY. صفحہ ۱۲۱ پر لکھتے ہیں:۔

"وہ علماء جن کا بلبن بڑا احترام کرتا تھا۔ ان میں مولانا سراج الدین سجزی اور مولانا نجم الدین دمشقی خاص طور سے قابل ذکر ہیں وہ جمعہ کی نماز کے بعد باقاعدہ طور پر مولانا برہان الدین محمود بن علی الخیر البلخی کے ہاں جایا کرتا تھا ۔۔۔۔ مولانا اپنے عہد کے ایک بڑے عالم تھے وہ مشارق الانوار کے مصنف مولانا رضی الدین حسن صنعانی اور ہدایہ کے مصنف مولانا برہان الدین مرغینانی کے شاگرد تھے۔"

کی بزرگی کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین ملخی نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ فرماتے تھے کہ میں چھوٹا تھا، قیاس یہ ہے کہ پانچ چھ سال یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور میں اپنے والد کے ساتھ ایک راستے پر جارہا تھا (فقہ حنفی کی مشہور کتاب) ہدایہ کے مصنف مولانا برہان الدین مرغینانی سامنے آگئے۔ میرے والد ان سے ایک طرف ہو گئے۔ اور ایک دوسری گلی میں چلے گئے اور مجھے وہیں چھوڑ گئے۔ جب مولانا برہان الدین مرغینانی[1] کی سواری میرے نزدیک پہنچی میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا، انہوں نے مجھے توجہ سے دیکھا اور کہا، میں اس لڑکے میں علم کا نور دیکھتا ہوں۔ میں نے جب ان کی یہ بات سُنی تو ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چل پڑا پھر انہوں نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے یہی کہلوا رہا ہے کہ یہ لڑکا اپنے زمانے میں علامۂ عصر ہوگا۔ مولانا برہان الدین ملخی فرماتے تھے۔ کہ جب میں نے یہ بات سنی تو اسی طرح ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ برہان الدین مرغینانی نے پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے یہی کہلوا رہا ہے۔ کہ یہ لڑکا اتنا بزرگ ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر آئیں گے۔ حضرت خواجہ ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ قصہ بیان کر چکے تو انہوں نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین ملخی علم وافر رکھنے کے ساتھ ساتھ نیکی و صالحیت میں بھی درجہ کمال پر تھے۔ چنانچہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ خدائے عزّوجل مجھ سے کسی کبیرہ کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔

جب حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ فرمایا تو آپ مسکرائے اور ارشاد کیا کہ جب مولانا برہان الدین ملخی نے یہ کہا کہ خدائے عزّوجل مجھ سے کسی کبیرہ گناہ کے بارے میں سوال نہیں کرے گا تو ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا مگر ایک کبیرہ گناہ کے متعلق سوال کرے گا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ کبیرہ گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ساز و چنگ کے ساتھ سماع سننا ہے۔ میں نے یہ بہت سُنا ہے اور اگر آج بھی ہو تو سنوں گا۔

---

[1] وفات ۱۱۹۶ء۔

اسی حکایت کی مناسبت سے سماع کے بارے میں گفتگو ہونے لگی فرمایا، اس شہر میں سماع کا سکہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ سے چلایا تھا۔ قاضی منہاج الدین بھی چونکہ اسی زمانے میں قاضی تھے اور سماع سنتے تھے۔ اس لیے ان دونوں کی وجہ سے اس شہر میں سماع کا رواج ہوا قاضی حمید الدین ناگوری سے سماع کی مخالفت کے مدعی الجھتے رہتے۔ اور بہت جھگڑے کرتے لیکن قاضی حمید الدین اپنے موقف پر ثابت قدم رہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کوشک سفید کے نزدیک ایک مکان پر مجلس سماع کے لیے دعوت ہوئی۔ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز بھی وہاں تھے۔ مولانا رکن الدین سمرقندی کو خبر ہو گئی کہ اس جگہ سماع ہو رہا ہے وہ اس کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے۔ چنانچہ اپنے گھر سے خدمت گاروں اور اپنے متعلقین کو لے کر اس مکان کی طرف روانہ ہوئے، جہاں سماع ہو رہا تھا تاکہ وہ اُسے روکیں، قاضی حمید الدین ناگوری کو اس امر کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے مکان کے مالک سے کہا کہ تم جا کر کہیں چھپ جاؤ۔ اور خواہ تمہیں کتنا ہی بلائیں تم سامنے نہ آنا اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد قاضی حمید الدین نے مکان کا دروازہ کھولنے کو کہا۔ دروازہ کھول دیا گیا اور سماع ہوتا رہا۔ مولانا رکن الدین سمرقندی اپنے مددگاروں کے ساتھ جب اس مکان کے دروازے پر پہنچے۔ تو انہوں نے پوچھا، مالک مکان کہاں ہے! لوگوں نے کہا مالک مکان موجود نہیں، انہوں نے پھر پوچھا، بڑے اصرار سے پوچھا اور بڑی تحقیق کی، مالک مکان کہاں ہے۔ لوگوں نے بتایا ہمیں کیا معلوم وہ کہاں ہے۔ مولانا رکن الدین سمرقندی نے جب مالک مکان کو نہ پایا تو واپس چلے گئے۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے جب ان الفاظ پر پہنچے تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری نے یہ بڑی اچھی تدبیر کی تھی۔ کہ مالک مکان کو غائب کر دیا تھا۔ کیونکہ مکان کے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مکان میں داخل ہونا مردی نہیں ہے۔ اگر مولانا رکن الدین سمرقندی بے اجازت داخل ہوتے۔ تو ان کی جواب طلبی کی جاتی۔

بحریوں[1] نے بھی قاضی حمید الدین ناگوری سے سماع کے معاملے میں جھگڑا کیا تھا۔ بعد میں یوں ہوا کہ ایک دفعہ مولانا شرف الدین بحری بیمار ہو گئے۔ قاضی حمید الدین دل کی صفائی کی بنا پر جو درویشوں کے لیے ضروری ہے مولانا شرف الدین بحری کی مزاج پرسی کے لیے ان کے گھر پر گئے انہیں اطلاع ہوئی کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں۔ مولانا شرف الدین نے کہا کہ جو شخص خدا کو معشوق کہتا ہے۔ وہ آیا ہے۔ میں اس کا منہ نہیں دیکھوں گا۔ الغرض قاضی حمید الدین واپس آ گئے۔

اس سلسلہ میں بندے نے عرض کیا کہ کیا یہاں معشوق سے مقصود محبوب نہیں حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ اس بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ لوگ جو کچھ جانتے ہیں۔ اسی کے مطابق جواب دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر کوئی بات کہتا ہے۔ تو لوگ اُسے کیا کہیں گے۔

بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری، قاضی کبیر الدین اور مولانا برہان الدین بلخی ایک جگہ اکٹھے جا رہے تھے۔ قاضی حمید الدین تو اونٹ پر سوار تھے۔ اور باقی دونوں صاف ستھرے اور بڑے ڈیل ڈول کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اسی دوران میں مولانا کبیر الدین نے قاضی حمید الدین سے مزاحاً کہا کہ مولانا! آپ کی سواری بڑی چھوٹی (صغیر) ہے۔ قاضی حمید الدین نے جواب دیا کہ کبیر (بڑی) سے بہتر ہے۔ حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ فرما کر مسکرائے۔ اور کہا کہ دیکھو! کتنا اچھا جواب دیا ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب قاضی حمید الدین کے سماع سننے کا چرچا

---

[1] ضیاء الدین برنی نے سلطان بلبن کے متعلق لکھا ہے:۔
"اور لشکر کے قاضیوں کی جنہیں "بحریان" کہتے تھے اور جو پاکی اور دینداری میں مشہور و معروف تھے۔ بہت عزت کرتا تھا اور ان کی سفارش قبول کرتا تھا (ماخوذ از سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات مصنفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صہ ۱۶۱)

عام ہوا۔ تو اس وقت سماع کے جو مخالف تھے۔ انہوں نے بہت فتوے دیئے ایک استفتاء تیار کیا گیا۔ جس کے بہت سے لوگوں نے جواب دیئے اور لکھا کہ سماع حرام ہے، ایک فقیہ تھا۔ جو قاضی حمید الدین کے ہاں آتا جاتا تھا اس نے بھی اس فتوے پر کچھ لکھا تھا۔ یہ خبر قاضی حمید الدین کو پہنچائی گئی۔ اس دوران میں وہ فقیہہ قاضی حمید الدین کے ہاں آیا آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور پوچھا کیا تم نے بھی اس فتوے پر لکھا ہے۔ فقیہہ کچھ شرمندہ ہوا اور کہا ہاں میں نے لکھا ہے اس پر حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ اس دن قاضی حمید الدین نے اپنے دل کے اندر کی بات کہہ ڈالی جب اس فقیہہ نے کہا کہ ہاں میں نے اس فتوے پر لکھا ہے۔ تو قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ وہ سب مفتی جنہوں نے اس استفتاء کے جوابات لکھے ہیں میرے نزدیک ابھی ماؤں کے پیٹوں میں ہیں لیکن تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو یعنی تم ابھی بچے ہو۔

اس موقعہ پر قاضی حمید الدین ماریکلی کا ذکر ہوا۔ حضرت خواجہ فرمانے لگے وہ کہتے تھے کہ میں اس شہر میں قاضی حمید الدین ناگوری سے ملنے کا اشتیاق لے کر آیا تھا لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایک دن انہوں نے قاضی حمید الدین ناگوری کے مجموعات طلب کئے۔ اور وہ کتابیں جو انہیں نے سلوک و تصوف پر لکھی تھیں ان کا مطالعہ کرنے لگے۔ جب وہ ان کا کچھ مطالعہ کر چکے تو ان طالب علموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو ان کے ارد گرد حاضر تھے۔ اور ان سے کہنے لگے۔ کہ جو کچھ تم پڑھتے ہو۔ سب ان اوراق میں ہے۔ اور جو کچھ تم نے نہیں پڑھا وہ بھی ان اوراق میں ہے۔ نیز جو کچھ میں نے پڑھا ہے وہ بھی ان میں ہے۔ اور جو کچھ میں نے نہیں پڑھا، وہ بھی ان اوراق میں ہے

ستر ہویں مجلس

منگل دار سال مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی سات تاریخ

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ اولیائے حق، لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں ان کی راست روی اور اس کے اچھے نتائج کا ذکر رہا، اس موقعہ پر آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ نیشاپور میں ایک بزرگ تھے۔ جنہیں ابو العباس قصاب کہتے تھے۔ ایک دفعہ ان ابوالعباس کے والد سفر کو گئے۔ ان کے گھر میں کچھ بکریاں تھیں انہوں نے ابو العباس سے کہا تم ان بکریوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بیچنا اور اس سے جو رقم آئے وہ جمع کر دینا۔ یہاں تک کہ میں آ جاؤں کچھ عرصہ بعد ان کے والد سفر سے واپس آ گئے۔ اور انہوں نے ہڈیوں کا ایک ڈھیر دیکھا اور اپنے بیٹے سے پوچھا کہ یہ ہڈیوں کا ڈھیر کیا ہے! ابو العباس نے جواب دیا کہ یہ ان بکریوں کی ہڈیاں ہیں جن کے متعلق آپ نے کہا تھا۔ کہ انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت بیچ دینا میں نے ویسا ہی کیا۔ جیسے آپ نے کہا تھا۔ ان کے باپ نے کہا کہ تم نے ان کی ہڈیاں کیوں نہیں بیچیں! ابو العباس نے جواب دیا کہ لوگ تو مجھ سے گوشت خریدنے آتے میں ان کے ہاتھ ہڈیاں کیسے بیچتا ان کے باپ اس بات سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے۔ یہ تم نے کیا کیا، میری اتنی رقم تم نے ضائع کر دی ان کے باپ نے یہ، اور اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں کہیں۔ اس اثنا میں ابو العباس نے اپنے باپ سے کہا اچھا آپ کی کتنی رقم ضائع ہوئی ہے! باپ غصے میں بھرے ہوئے تو تھے ہی" انہوں نے غضب ناک ہو کر کہا کہ تم نے بیس ہزار دینار کا نقصان کیا ہے۔ ابو العباس نے جیسے ہی یہ سُنا دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی وقت غیب سے ان کے ہاتھ میں ایک تھیلی آ گئی انہوں نے وہ تھیلی اپنے والد کے سامنے رکھ دی جب وہ کھولی گئی۔ تو اس میں بیس ہزار دینار تھے۔ جب یہ

حکایت ختم ہوئی. تو بندے نے عرض کیا کیا کہ جلال قصاب متقدمین میں سے تھے؟ حضرت خواجہ نے فرمایا نہیں، جلال قصاب متاخرین میں سے تھے اس وقت میں نے عرضداشت کی کہ آیا یہ شعر جلال قصاب کا ہے! ؎

من پورِ قصابم سخنم پوست کشندہ است
من پوست کشم ہرکہ ببازار من آید

(میں قصاب کا بیٹا ہوں، میری بات ایسی ہے جس کی کہ اوپر سے کھال کھینچی ہوئی ہے۔ یعنی صاف صاف ہے میں ہر ایک کی جو میرے بازار میں آئے کھال کھینچ لیتا ہوں۔)

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ہاں، یہ جلال قصاب کا شعر ہے، اس موقعہ پر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ دہلی میں ایک اور قصاب بھی تھے۔ جو اولیائے حق میں سے تھے اور وہ نوہٹہ کے نزدیک رہتے تھے۔ ایک خلقت نے ان سے روحانی نعمتیں حاصل کیں۔ قاضی فخرالدین ناقلہ[۱] اپنے ابتدائی عہد میں ان کے پاس بہت جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان قصاب

---

[۱] قاضی فخرالدین ناقلہ خواجہ شمس الملک متولی ممالک کے شاگرد اور حضرت نظام الدین اولیاء کے ہم سبق تھے۔ قاضی موصوف سلطان بلبن کے قاضیوں میں سے ایک تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان نے کہا تھا کہ میرے تین قاضی ہیں۔" ان میں سے ایک مجھ سے نہیں ڈرتا، خدا سے ڈرتا ہے۔ دوسرا خدا سے نہیں ڈرتا مجھ سے ڈرتا ہے۔ اور تیسرا قاضی نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ مجھ سے ——— فخر ناقلہ مجھ سے ڈرتا ہے خدا سے نہیں ڈرتا۔ قاضی لشکر خدا سے ڈرتا ہے مجھ سے نہیں ڈرتا۔ قاضی منہاج نہ مجھ سے ڈرتا ہے، نہ خدا سے۔ (ماخوذ از سرور الصدور بحوالہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

سید صباح الدین عبدالرحمان اپنی کتاب "بزم مملوکیہ" میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا فخرالدین ناقلہ بھی دہلی کے ممتاز عالم تھے۔ فقہ، اصول اور عربی ادب میں ان کا علم بڑا گہرا تھا۔ ان کے بھی بہت سے شاگرد پیدا ہوئے۔ بلبن نے ان کو اپنی مملکت کا قاضی بنا کر صدر جہاں کے عہدے پر مامور کیا۔

نے ان سے پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں ؟ قاضی فخر الدین نے کہا، میں قاضی بننا چاہتا ہوں انہوں نے کہا جائیے آپ قاضی ہو جائیں گے وہ قاضی بن گئے۔ بعدازاں حضرت خواجہ نے فرمایا ایک اور شخص ان قصاب کے پاس آتا تھا۔ ایک دفعہ اس سے بھی انہوں نے پوچھا تم کیا بننا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں امیر عدل بننا چاہتا ہوں۔ اس شخص سے بھی انہوں نے کہا۔ جاؤ، تم امیر عدل ہو جاؤ گے۔ چنانچہ وہ امیر عدل بن گیا۔ اس وقت حضرت خواجہ نے فرمایا مولانا وجیہہ الدین حسام بھی اپنے ابتدائی عہد میں ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان قصاب نے ان سے پوچھا آپ کو کیا چاہیئے مولانا وجیہہ الدین نے کہا مجھے علم چاہیئے وہ بھی ان کی تاثیر سے عالم ہو گئے۔ ایک اور آدمی تھا جس کی ان قصاب سے دوستی تھی۔ ایک دن اس سے بھی انہوں نے پوچھا تمہیں کیا چاہیئے، اس آدمی نے کہا مجھے حق تعالیٰ سے محبت کا تعلق چاہیئے۔ وہ آدمی بھی واصلین حق میں سے ہو گیا، اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے۔ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا میں نے ان قصاب کو دیکھا ہے۔

اٹھارہویں مجلس

بدھوار، سال مذکور کے ماہ ذی القعدہ کی بائیس تاریخ

سعادت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ علویوں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ میرے دل میں کافی دیر سے ایک بات تھی۔ اس روز میں نے وہ خدمت میں عرض کی، وہ بات یہ تھی کہ بعض علویوں سے سننے میں آیا ہے کہ حضرت مصطفی علیہ الصلوۃ والسلام اس مضمون کی ایک تحریر لکھ کر چھوڑ گئے تھے۔ کہ میرے فرزند میرے بعد اگر مسلمانوں کو فروخت کرنا چاہیں تو فروخت کر دیں بعد میں ابوبکر صدیق رضؓ یا عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو

پھاڑ دیا کیا یہ بات صحیح ہے! حضرت خواجہ نے کہا نہیں۔ یہ بات کسی کتاب میں نہیں ہے۔ لیکن علویوں کی عزت کرنا اور فرزندانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قابلِ احترام جاننا واجب ہے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ فرمانے لگے کہ جو آلِ رسولؐ میں سے ہو اس سے ناشائستہ بات نہ ظہور میں آئی ہے اور نہ آتی ہے۔

اس موقع پر حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کی۔ سمرقند میں ایک صحیح النسب علوی تھے۔ اور وہاں کے جلیل القدر سید تھے۔ کتاب 'نافع' کے مصنف یہی ہیں۔ ان کے ہاں ایک لونڈی تھی۔ جس کا کم بیش پانچ چھ سال کا ایک لڑکا تھا۔ ایک دن ایک سقّا مشک بھر کر گھر میں پانی لایا وہ برتن میں پانی ڈال کر پھر گیا اور دوسری بار اسی طرح مشک بھر کر لایا اس بار جو آیا تو مشک میں سوراخ تھا اور اس سے پانی باہر ٹپک رہا تھا، سید نے پوچھا کہ اس مشک کو کیا ہوا ہے! سقّا نے کہا کہ میں مشک کو بھر کر لا رہا تھا۔ کہ آپ کے بیٹے نے جو چھوٹی سی تیر کمان بنا رکھی ہے اس سے ایک تیر اس مشک کو مارا جس سے اس میں چھوٹا سا سوراخ ہو گیا۔ جیسے ہی سید نے یہ بات سنی وہ گھر کے اندر آئے لونڈی کو پکڑا اور تلوار کھینچ لی۔ انہوں نے اس سے کہا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اگر تم نے اس کا صحیح صحیح جواب نہ دیا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ تم مجھے سچ سچ بتاؤ کہ یہ لڑکا جو تم نے جنا ہے کس کا ہے۔ لونڈی نے پہلے تو بات کو چھپایا آخر میں اس نے ڈر کر کہہ دیا کہ یہ لڑکا آپ کا نہیں فلاں غلام کا ہے۔ سید یہ بات سن کر گھر سے باہر آئے اور اس لڑکے کی بالوں کی جو دو لٹیں تھیں ان میں سے ایک لٹ کاٹ دی۔ (دو لٹیں علوی ہونے کی علامت تھی) مطلب یہ ہے کہ جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل سے ہو اس سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی۔

پھر آپ نے یہ دوسری حکایت بیان کی۔ بدایوں میں ایک علوی تھا جس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، مگر جس دن وہ پیدا ہوا چاند برج عقرب میں تھا۔ عوام کی رسم کے مطابق ماں باپ نے اس لڑکے کی ولادت کو منحوس سمجھا اور اسے ناپسندیدہ قرار دے کر ایک خدمتگار دکنا س، کے حوالے کر دیا وہ اسے لے گیا اور اسی نے اس کی پرورش کی، پھر ایسا ہوا کہ چار

سال کے بعد اس لڑکے میں نور اور جمال ظاہر ہونے لگا۔ اسی دوران میں کوئی شخص آیا اور اس نے اس لڑکے کے ماں باپ سے کہا کہ ذرا دیکھیں تو سہی، آپ کا لڑکا کیسا ہے اس وقت اس کے ماں باپ اُسے اپنے پاس واپس لے آئے۔ انہوں نے اس کو قرآن کی تعلیم دی اور علم وادب پڑھایا۔ الغرض حضرت خواجہ نے ــــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا کہ میں نے اس علوی کے لڑکے کو دیکھا تھا اس میں بڑا رعب و دبدبہ اور حسن وجمال تھا اس وقت وہ علوی ایک متبحّر عالم بن چکا تھا اور اکثر اہل بدایوں اس کے شاگرد تھے اس میں ادب وصلاحیت درجۂ کمال پر تھی۔ چنانچہ جو بھی اسے دیکھتا تھا اُسے یقین ہو جاتا تھا کہ وہ آل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے ہے۔

پھر درویشوں کا ذکر ہوا جو مشغول بحق رہتے ہیں، حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے بدرالدین اسحاق سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ ایک صوفی شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا وہ عجیب غریب درویش تھا۔ دن رات مشغول بحق رہتا تھا، ہوا یوں کہ اس کے کپڑے بے حد میلے تھے۔ میں نے اس سے کہا تم اپنے کپڑے کیوں نہیں دھو لیتے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند روز بعد پھر میں نے اس سے کہا، تم اپنے کپڑے کیوں نہیں دھوتے، اس بار میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا اس نے جواب دیا کہ مجھے کپڑے دھونے کی فرصت کہاں ہے یہ بات اس نے نہایت ہی عاجزی سے کہی بدرالدین اسحاق کہتے تھے کہ جب بھی مجھے اس کا وہ جواب اور جس عاجزی سے اس نے وہ جواب دیا تھا کہ مجھے کپڑے دھونے کی فرصت کہاں ہے۔ یاد آتا ہے مجھ پر بے خودی و بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

اسی سلسلے میں درویشوں کے ذوق وشوق اور سالکوں کے غلبۂ محبت واشتیاق کے بارے میں گفتگو ہونے لگی اس وقت آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ لاہور میں ایک دانشمند تھے۔ جو واعظ بھی تھے۔ ان کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ ایک دن وہ لاہور کے قاضی کے پاس آئے۔ اور اس سے کہا کہ مجھے زیارت کعبہ کی آرزو ہے، آپ مجھے جانے کی اجازت دیں قاضی نے کہا آپ کہاں جائیں گے۔ اس وقت آپ کی باتوں اور نصیحتوں سے خلق خدا

کو بڑا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ وہ دانش مند جانے سے رک گئے۔ جب دوسرا سال آیا، وہ دانش مند پھر قاضی کے پاس گئے، اور اس سے زیارت کعبہ کے لیے جانے کی اجازت مانگی۔ قاضی نے انہیں کچھ دیا اور کہا آپ کہاں جائیں گے چھوڑیئے نہ جایئے وہ دانش مند پھر رک گئے اور سال گزار دیا تیسرے سال پھر وہ قاضی کے پاس گئے اور کہا کہ میرا کعبۂ اعظم کی زیارت کا اشتیاق بہت بڑھ گیا ہے آپ مجھے جانے کی اجازت دیں۔ اس بار قاضی نے کہا حضرتؒ! اگر آپ پر زیارت کعبہ کا اشتیاق غالب ہوتا تو نہ آپ اجازت مانگتے اور نہ مشورہ کرتے بس روانہ ہو جاتے۔

اس موقعہ پر حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ عشق میں مشورہ نہیں ہوتا۔

انیسویں مجلس

اتوار سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی گیارہ تاریخ

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی کشف و کرامت کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا

کچھ عرصہ پہلے اندر پت میں ایک خاتون رہتی تھیں جنہیں بی بی فاطمہ سام کہتے تھے وہ بدرجہ غایت صالحہ اور بزرگ تھیں اور کافی بوڑھی تھیں میں نے انہیں دیکھا ہے وہ بڑی قابل عزت و احترام خاتون تھیں وہ ہر چیز کے حسب حال بہت سے اشعار پڑھا کرتی تھیں مجھے ان اشعار میں سے دو مصرعے یاد ہیں ؎

ہم عشق طلب کنی و ہم جان خواہی
ہر دو طلبی ولی میسر نشود،

(تم عشق کے بھی طالب ہو اور جان بھی چاہتے ہو، تم یہ دونوں چیزیں چاہتے ہو لیکن یہ تمہیں حاصل نہیں ہوگا.

اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ اور انکی بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کے درمیان مودّت و محبت تھی جیسے ایک بہن اور بھائی میں ہوتی ہے۔ اکثر راتیں ایسی ہوتیں کہ شیخ نجیب الدین فاقے سے ہوتے اور اس کی وجہ سے ان کے گھر والے بھی فاقے سے ہوتے، بارہا ایسا ہوا کہ جب کوئی رات اس طرح فاقے سے گزرتی، دوسرے دن علی الصبح بی بی فاطمہ ایک من[1] یا نصف من کی بڑی سی روٹی پکاکر کسی آدمی کو دیتیں اور بڑی جلدی سے شیخ نجیب الدین کے پاس بھجواتیں اور کہتیں کہ وہ رات کو فاقے سے تھے. ایک دفعہ اسی طرح بی بی فاطمہ نے روٹی بھیجی. شیخ نجیب الدین بطور مزاح کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اس خاتون کو ہمارے حال سے آگاہ کر دیتا ہے اے کاش شہر کے بادشاہ کو بھی اسی طرح آگاہ کر دیا کرے تاکہ وہ کوئی بابرکت چیز بھجوا دیا کرے. پھر شیخ نجیب الدین مسکرائے اور کہا کہ بادشاہوں کو یہ صفائی قلب کہاں نصیب ہوتی ہے کہ وہ ان چیزوں سے آگاہ ہوں.

بعدازاں حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے. فرمایا کہ ایک دفعہ میں ان بی بی فاطمہ کی خدمت میں حاضر تھا وہ میری طرف متوجہ ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ایک شخص کی ایک بیٹی ہے. اگر تم اس سے شادی کرنا چاہو تو بڑا اچھا ہو حضرت خواجہ ——— اللہ آپکا ذکر بھلائی سے کرے فرماتے تھے کہ میں نے ان کو یہ جواب دیا: ایک دفعہ میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں موجود تھا. وہاں ایک جوگی بھی تھا. اس موقعہ پر یہ گفتگو ہونے لگی کہ بعض لڑکے اس لیے بے ذوق پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ اپنی بیویوں سے ہم بستری کرنے کے صحیح اوقات نہیں جانتے اس کے بعد جوگی نے سلسلۂ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ ایک مہینے کے تیس یا انتیس دن ہوتے ہیں اور ہر دن کی اپنی خاصیت ہوتی ہے مثلاً اگر مہینے کے پہلے دن میں ہم بستری کی جائے تو لڑکا ایسا ہوگا۔ دوسرے دن ہم بستری کی

---

[1] اس زمانے میں چند چھٹانک وزن کے من ہوتے تھے.

جائے، تو وہ اس طرح کا ہوگا۔ غرض جوگی نے مہینے کے تمام دنوں کی خاصیتیں بیان کیں جب جوگی اپنی بات پوری کر چکا تو حضرت خواجہ نے ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا میں اس جوگی سے ان دنوں کے اثرات و خواص کے بارے میں مزید پوچھنے لگا چنانچہ اس نے مجھے بڑی تفصیل سے ان کے اثرات و خواص بتائے میں نے ان دنوں کی یہ خاصیتیں یاد کر لیں۔ اس وقت میں نے اس جوگی سے کہا کہ تم مجھ سے یہ خاصیتیں اچھی طرح سے سنو اور دیکھو کہ یہ مجھے اچھی طرح سے یاد ہیں یا نہیں۔ جب میں نے جوگی سے یہ بات کہی، شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز میری طرف متوجہ ہوئے! اور فرمایا تم ان چیزوں کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں پڑے گا۔ حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے کہ جب میں نے یہ واقعہ بی بی فاطمہ کو سُنایا تو وہ کہنے لگیں کہ مجھے اصل حال معلوم ہوگیا اسی وقت انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم نے اچھا کیا اس لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش نہیں کی۔ میں یہ بات اس لڑکی کے باپ کے خیال سے کہہ رہی تھی۔

بیسویں مجلس

سوموار، سال مذکور کے ماہ ذی الحجہ کی انیس تاریخ

دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان دنوں سماع کے ایک مخالف نے جھگڑا شروع کر رکھا تھا۔ وہ سماع کی مخالفت میں نازیبا باتیں کہتا تھا۔ اور اس نے سخت عداوت کی فضا پیدا کر دی تھی۔ حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے کہ:

اللہ تعالیٰ اَلَدُّ الخِصَام[1] کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ اور اَلَدُّ الخِصَام وہ ہوتا ہے جو بہت جھگڑا کرے۔

بعد ازاں آپ نے سماع کے ذکر میں فرمایا، جس وقت چند چیزیں موجود ہوں تو اس وقت سماع سُنا جاتا ہے۔ وہ چند چیزیں یہ ہیں :۔ مُسمِع، مَسمُوع، مُستَمِع۔ آلۂ سماع، پھر آپ نے ان چیزوں کی وضاحت کی فرمایا۔ مُسمِع سے مراد سماع سنانے والا یعنی قوال ہے۔ مُسمِع مرد ہونا چاہیئے کامل مرد وہ نہ لڑکا ہو نہ عورت۔ مَسمُوع سے مراد وہ چیز ہے جو سماع میں گائی یا پڑھی جائے۔ ضروری ہے کہ مَسمُوع فحش اور بے ہودہ نہ ہو سماع سننے والا مُستَمِع ہے مُستَمِع کو چاہیئے کہ وہ صدق دل سے سُنے اور اس وقت وہ یادِ حق سے بھرپور ہو آلات سماع میں۔ مزامیر جیسے چنگ و رباب اور اس قسم کے دوسرے ساز، چاہیئے کہ یہ آلات سماع کے دوران میں موجود نہ ہوں اگر اس طرح سماع ہو تو حلال ہے[2] اس وقت آپ نے فرمایا کہ سماع تو موزوں آواز ہے۔ وہ کیسے حرام ہو سکتی ہے اور جو چیز سماع میں گائی یا پڑھی جاتی ہے۔ وہ ایسا کلام ہوتا ہے۔ جس کے معنی قابلِ فہم ہوتے ہیں۔ وہ کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔ پھر سماع سے دل کو تحریک ہوتی ہے اگر دل کی یہ تحریک یادِ حق کے لیے ہو تو مستحب ہے اگر اس کا میلان فساد کی طرف ہے۔ تو یہ حرام ہے۔

---

[1] پوری آیت یہ ہے :۔
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (آدمیوں میں سے ایسا بھی ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے اپنے دل کی بات پہ اور وہ سخت جھگڑالو ہے)

[2] فوائد الفواد کے ایک نسخے میں اس کے بعد یہ عبارت ہے :۔
یہ حدیث کہ السماع مباح لمن کان قلبه حیٌّ ونفسه میتٌ (جس شخص کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو اس کے لیے سماع مباح ہے۔) سماع کی اس قسم پر دلالت کرتی ہے۔

اکیسویں مجلس

اتوار ۲۱ ۔۔ ھ کے مہینے محرم مبارک کی تئیس تاریخ

دولت پائے بوسی میسر ہوئی۔ درویشوں کے اخلاق اور جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ ان کے سلوک کا ذکر آیا، آپ فرمانے لگے، کہ تارانی نام کا ایک بادشاہ تھا جسے لوگوں نے ہنگامہ کر کے مار ڈالا۔ تارانی بادشاہ کو شیخ سیف الدین باخرزی[۱] رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی اس کے مارے جانے کے بعد کسی دوسرے کو بادشاہ بنا دیا گیا اس بادشاہ کا جو پہلے بادشاہ کی جگہ بیٹھا تھا۔ ایک چغل خور نجومی مقرب بن گیا۔ یہ چغل خور نجومی شیخ سیف الدین سے عداوت رکھتا تھا جب اُسے بادشاہ سے بات کہنے کا موقعہ ملا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت قائم رہے تو شیخ سیف الدین کو درمیان سے ہٹا دو۔ کیونکہ حکومتوں میں سب تغیر و تبدل انہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ الفاظ سننے کے بعد بادشاہ نے اس نجومی کو کہا کہ تم خود جاؤ اور جس طرح سمجھتے ہو شیخ کو میرے پاس لاؤ، نجومی گیا اور انہیں بادشاہ کے سامنے لا حاضر کیا مگر وہ بڑی بے ادبی سے شیخ کو لایا۔ اس نے ان کی گردن میں دستار ڈالی یا ان کے ساتھ اس طرح کی اور کوئی تحقیر آمیز حرکت کی۔ الغرض جب شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ اس طرح لائے گئے جیسے ہی بادشاہ کی نظر ان پر پڑی معلوم نہیں اُسے کیا دکھایا گیا کہ وہ اسی دم تخت سے

۱۔ آپ بخارا کے مشہور صوفی تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ (م ۱۲۵ھ ۔۔۔۔ ۱۲۲۸ء) کے مرید تھے۔

نیچے اتر آیا اور انتہائی معذرت کے ساتھ شیخ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا اس نے گھوڑا اور دوسرے بہت سے تحفے خدمت میں پیش کئے اور معافی طلب کی اس نے کہا کہ میں نے آپ کو اس طرح لانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ مختصراً شیخ بادشاہ کے ہاں سے لوٹے اور اپنے مکان میں آگئے دوسرے روز بادشاہ نے اس چغل خور نجومی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے شیخ کی خدمت میں بھجوایا، اور انہیں یہ کہلوایا کہ میں نے اس نجومی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اب میں اسے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ اسے جیسے چاہیں قتل کریں۔ شیخ سیف الدین نے جیسے ہی اس چغل خور نجومی کو دیکھا فی الفور اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور جو کپڑے وہ خود پہنے ہوئے تھے۔ اُسے پہنائے آپ نے اس سے کہا کہ آج تم وعظ میں میرے ساتھ چلو اس دن پیر تھا شیخ وعظ کے وقت مقررہ کے مطابق مسجد میں آئے اور اس نجومی کو اپنے ساتھ لائے، وعظ کے لیے وہ منبر پر گئے اور یہ شعر پڑھا ؎

آنانکہ بجائے من بدیہا کردند
گر دست دہد بجز نکوئی نکنم

(وہ لوگ جنہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ برائی کی تھی اگر میرے ہاتھ میں اختیار آیا تو میں بجز نیکی کے ان کے ساتھ اور کوئی سلوک نہیں کروں گا)

حضرت خواجہ یہ حکایت بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ انسان سے خیر و شر کی قبیل سے جو فعل بھی صادر ہوتا ہے اس فعل کا خالق خداوند تعالیٰ ہے پس جو کچھ آتا ہے اسی کی طرف سے آتا ہے اس لیے کسی شخص کے فعل پر اس سے ناراض ہونا کیا معنی! اسی مفہوم کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز ایک راستے پر جا رہے تھے ایک بد تہذیب آدمی پیچھے سے آیا اور اس نے شیخ کی گدی پر تھپڑ مارا، شیخ نے سر گھما کر اس کو دیکھا اس بدتمیز نے کہا کہ تم میری طرف کیا دیکھتے ہو کیا یہ تمہارا قول نہیں کہ ہر خیر و شر جو اس دنیا میں صادر ہوتا ہے وہ وہیں سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے فرمایا کہ ہاں، ایسا ہی ہے لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ کون سا بدبخت ہے جو اس کام کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔

بائیسویں مجلس

جمعرات سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی سترہ تاریخ

قدم بوسی کی نعمت نصیب ہوئی رؤیت خداوندی کا ذکر آیا، بندے نے عرض کیا کہ رؤیت خداوندی کی وہ نعمت جس کا مومنوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کیا وہ نعمت کل قیامت کے دن حاصل ہو جائے گی! فرمایا ہاں ٹھیک ہے اس وقت بندے نے عرض کیا کیا مومن جب اس نعمت کو دیکھیں گے تو اس کے بعد وہ دوسری نعمتوں کو نہیں دیکھیں گے! آپ نے فرمایا: روایت ہے کہ جب وہ رؤیت خداوندی کی نعمت کا مشاہدہ کرلیں گے تو پھر کئی ہزار سال تک حیرت میں رہیں گے اس موقعہ پر آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کی سخت کوتہ نظری ہوگی کہ اس نعمت کے مشاہدہ کے بعد وہ کسی اور چیز کو دیکھے۔ بندے نے عرض کیا کہ شیخ سعدیؒ[1] کا ایک شعر ہے ؎

افسوس براں دیدہ کہ روی تو ندیدہ است

یا دیدہ وبعد از تو بروئ نگریدہ است

(افسوس ہے اس آنکھ پر جس نے تیرا چہرہ نہیں دیکھا۔ یا اس نے تیرا چہرہ دیکھا اور تیرے بعد کوئی اور چہرہ بھی دیکھا)

حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس شعر کو پسند فرمایا اور کہا کہ شیخ سعدی نے خوب کہا ہے۔

---

[1] شیخ مصلح الدین سعدی ۱۱۹۳ء میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ وفات ۱۲۹۱ء۔

تیئسویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ ربیع الآخر کی چھبیس تاریخ

دولت پائے بوسی ملی۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی مصنوطی اور رعب و دبدبہ پر گفتگو ہوئی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا، ایک دفعہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور کہا میں نے ایک عورت سے شادی کی تھی آج چھ ماہ بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اس بارے میں اپنا فیصلہ دیجئے حضرت عمرؓ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اسی مجلس میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ یہ حکم سُنکر سوچ میں پڑ گئے۔ امیر المومنین عمرؓ، حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اس باب میں آپ کیا کہتے ہیں! حضرت علیؓ نے کہا جیساکہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَحَمْلُهٗ[1] وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (بچے کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے) پس اگر بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال مان لی جائے تو حمل کی مدت چھ ماہ ہو سکتی ہے یہ سُنکر حضرت عمرؓ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور کہا: لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ (اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا)

---

[1] سورۂ الاحقاف آیت ۱۵۔ شروع آیت یوں ہے:۔
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط
(اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ اُسے جنا اور اسکے حمل میں رہنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے)

اسی سلسلے میں حضرت خواجہ نے یہ دوسری حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے امیر المومنین! مجھے زنا سے حمل ٹھہر گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اُسے سنگسار کرنے کا حکم دیا، امیر المومنین علیؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ اس حکم کو نافذ کرنے میں تاخیر کرنی چاہیئے حضرت عمرؓ نے کہا کیوں! حضرت علیؓ کہنے لگے کہ اگر گناہ کیا ہے تو اس عورت نے کیا ہے وہ بچہ جو اس کے پیٹ میں ہے اس نے کیا گناہ کیا ہے !(وہ کیوں عورت کو سنگسار کرنے سے مارا جائے)، اس پر امیر المومنین عمرؓ نے فرمایا کہ اس عورت کی نگرانی کی جائے یہاں تک کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہو (اس کے بعد اسے زنا کی سزا دی جائے)، اس وقت بھی حضرت عمرؓ نے زبان مبارک سے یہ کہا تھا لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ۔

حضرت عمرؓ کے دل میں اسلام کا کتنا پاس تھا۔ پھر اس کا ذکر ہوا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شاعر نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی تعریف میں کچھ اشعار کہے ان اشعار میں وعظ و نصیحت کے ضمن میں ایک شعر اس نے کہا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

کَفَی الشَّیْبُ وَالْاِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاھِیًا

(ایک آدمی کے لیے بڑھاپا اور اسلام گناہوں سے باز رکھنے کے لیے کافی ہے)

جب اس شاعر نے یہ شعر پڑھا، امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی انعام نہ دیا۔ شاعر نے ان سے کہا میں نے آپ کی تعریف میں شعر کہے ہیں آپ نے مجھے انعام کیوں نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو تم نے اپنے شعر میں بڑھاپے کو اسلام پر مقدم رکھا ہے اگر تم نے اسلام کو بڑھاپے پر مقدم رکھا ہوتا تو میں ضرور تمہیں کچھ دیتا۔

یہاں سے شعر و شاعری کا ذکر چھڑ گیا، بندے نے عرض کیا کہ حضرت مخدوم کی زبان مبارک سے بارہا سُنا ہے کہ ہونا یہ چاہیئے کہ قرآن پڑھنا شعر پڑھنے پر غالب و مقدم رہے حضرت مخدوم کے ارشاد کی برکت سے بندہ ہر روز قرآن پڑھتا ہے امید ہے کہ شعر و شاعری کے سلسلے میں جو بھی کچھ کہا گیا ہے اور جو کچھ کہا جا سکتا ہے اس سے توبہ میسر ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت خواجہ کو میری یہ عرضداشت پسند آئی اس وقت بندے نے عرض کیا کہ وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ

الغاوون ؎ کے یہی معنی ہوں گے کہ جو لوگ شاعروں کی پیروی کرتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ لیکن میں نے بارہا حضرت کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ایک حدیث ہے انّ من الشعرِ لحکمۃً (بیشک شعر میں حکمت ہے) پس جب اہل شعر اہل حکمت ہیں تو جو لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں، وہ گمراہ کیسے ہوئے! آپ نے فرمایا کہ وہ شعراء جو بیہودہ، بے کار اور ہجویہ شعر کہتے ہیں۔ ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے یہ حکم ہے باقی صحابہ کرام بھی شعر کہتے تھے۔ چنانچہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے شعر کہے ہیں، اس وقت حضرت خواجہ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو شعر زبان مبارک سے ارشاد کیے جن کا مفہوم یہ تھا کہ جب عورتیں گھوڑے کی سواری کریں گی اس وقت دجال کے نکلنے کا اندیشہ ہوگا۔ ان میں سے ایک کا قافیہ سروج تھا، دوسرے کا خروج اور تیسرے کا عروج۔ پہلا مصرعہ یوں تھا ؎

اِذَا رَکِبَ الْفُرُوْجُ عَلَی السُّرُوْج

(جب عورتیں گھوڑوں کی زینوں پر سوار ہوں گی)

بندے نے عرض کیا کہ شاعری میں جو مبالغہ آرائی کی جاتی ہے وہ کیسی ہے! آپ نے فرمایا میں نے ایک مشہور کتاب میں دیکھا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن وہ جھوٹ جو شعر میں بولا جائے اس میں گناہ نہیں۔

؎ سورۃ الشعراء آیت ۲۲۴۔ اس آیت کے بعد کی دو آیتیں یہ ہیں:۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ۔
(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں، اور یہ کہ وہ کچھ کہتے ہیں جو کرتے نہیں)

چوبیسویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ جمادی الاوّل کی ستر تاریخ

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ حسد کے بارے میں گفتگو ہونے لگی آپ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مَحْسُوْدًا وَّلَا تَجْعَلْنِیْ حَاسِدًا اے اللہ مجھے محسود (جس پر کہ حسد کیا جائے) بنا اور مجھے حاسد نہ بنا) اس وقت حضرت خواجہ نے کہا ایک شے ہے حسد اور دوسری غبطہ یعنی رشک۔ حسد یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو صاحب نعمت و عزت دیکھتا ہے اور چاہتا ہے۔ کہ اس کی نعمت و عزت چلی جائے۔ غبطہ یہ ہے کہ وہ دوسرے کو صاحب نعمت دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس جیسا ہو جائے۔ پس حسد حرام ہے۔ اور غبطہ حرام نہیں۔

پچیسویں مجلس

ہفتہ سال مذکور کے ماہ رمضان مبارک کی سات تاریخ

سعادت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ حیدر زادہ[1] کے احوال و مقامات کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے

---

[1] اس سے پہلے جلد اول کی سترہویں مجلس میں حیدر زادہ کا ذکر آچکا ہے۔

نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ سو سال کے بعد ان پر عرفان و معرفت کا دروازہ کھولا گیا تھا۔ بندہ عقیدت و ارادت بجا لایا اور عرض کیا کہ بندہ اسی بات کا امیدوار اور متمنی تھا۔ فرمایا بہت اچھا۔

کچھ دیر شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ فرمانے لگے کہ عید کا دن تھا شیخ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ نماز پڑھکر عید گاہ سے واپس آ رہے تھے۔ آپ اس جگہ پہنچے جہاں آج کل آپ کا روضہ مبارک ہے۔ اس وقت وہ غیر آباد جگہ تھی۔ نہ وہاں کوئی قبر تھی اور نہ گنبد۔ حضرت شیخ جب اس جگہ پر آئے وہاں کھڑے ہو گئے اور سوچنے لگے اصحاب نے جو آپ کے ساتھ تھے۔ عرض کی کہ آج عید کا دن ہے۔ لوگ منتظر ہوں گے کہ حضرت مخدوم مکان پر آئیں اور کھانا کھائیں آپ یہاں کیوں رک گئے ہیں! شیخ نے فرمایا مجھے اس زمین سے دلوں کی خوشبو آ رہی ہے۔ اسی وقت آپ نے زمین کے مالک کو طلب فرمایا۔ حضرت شیخ نے قیمت دے کر اس سے زمین خریدی اور جس جگہ آپ کھڑے تھے وہاں اپنی قبر بنانے کا فرمایا۔ حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ جب یہ ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ یہ جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ کہ یہاں سے دلوں کی خوشبو آ رہی ہے دیکھو کہ اس جگہ کیسے کیسے بزرگ سوئے ہوئے ہیں

پھر کچھ دیر شیخ محمود رحمتہ اللہ علیہ موئینہ دوز[1] (پوستینیں بنانے والوں) کا ذکر رہا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ان کے زمانے میں جس کا غلام بھاگ جاتا اس غلام کا مالک شیخ محمود کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا کہ میرا غلام بھاگ گیا ہے۔ شیخ محمود اس غلام کا نام پوچھتے۔ تھوڑی دیر سوچ میں گم رہتے اس کے بعد غلام کے مالک سے کہتے تم اُسے پالو گے۔ بعد ازاں بس اس قدر کہتے کہ جب تمہیں وہ مل جائے تو مجھے مطلع کرنا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے ایک شخص آیا

---

[1] ان کا ذکر اس سے پہلے جلد ۲ مجلس ۳۶ میں آچکا ہے شیخ محمود موئینہ دوز قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے۔

اور آپ سے آکر کہا میرا غلام بھاگ گیا ہے۔ شیخ محمود نے غلام کا نام پوچھا تھوڑی دیر سوچا اور کہا تمہیں مل جائے گا۔ لیکن جب مل جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ وہ شخص اپنے گھر چلا گیا۔ چند دنوں کے بعد اس کو غلام مل گیا لیکن اس نے شیخ کے پاس آکر غلام کے ملنے کی اطلاع نہ دی۔ چند روز گزرے تھے کہ پھر وہ غلام بھاگ گیا اس کا مالک دوبارہ شیخ محمود کے پاس آیا اور ان کو واقعہ کی اطلاع دی۔ شیخ نے اس سے کہا کہ یہ جو میں نے کہا تھا کہ جب وہ غلام مل جائے تو مجھے اس کے ملنے کی اطلاع دینا تو اس سے غرض یہ نہیں تھی کہ میں تم سے کچھ طلب کروں گا۔ بلکہ میں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ جب تم مجھے یہ اطلاع دے دو گے کہ تمہیں غلام مل گیا ہے۔ تو میرے دل سے بوجھ ہٹ جائے گا۔ بہر حال اب تم جانو اور تمہارا کام۔ جب حضرت خواجہ ـــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ ان الفاظ پر پہنچے آپ مسکرائے اور کہا کہ اس کے بعد شیخ محمود نے غلام کے مالک سے کہا کہ جب تم نے یہ شرط قبول کی تھی کہ اگر غلام مل گیا تو تم مجھے اطلاع دو گے۔ تم نے غلام کے ملنے پر مجھے اطلاع نہیں دی۔ تو اس دفعہ یہ جو غلام بھاگا ہے۔ تمہیں نہیں ملے گا۔

پھر چند لمحے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر رہا۔ حضرت خواجہ نے کہا ایک دفعہ پانچ درویش حضرت شیخ کی خدمت میں آئے۔ یہ درویش درشت خو اور سخت مزاج تھے۔ جب وہ حضرت شیخ کے پاس سے اُٹھے تو انہوں نے کہا ہم بہت گھومے پھرے ہیں ہمیں کسی جگہ بھی کوئی درویش نہیں ملا۔ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا بیٹھو۔ میں تمہیں درویش دکھاتا ہوں۔ انہوں نے ہٹ دھرمی کی اور وہاں سے چلے گئے جب وہ جانے لگے تو حضرت شیخ نے ان سے کہا تم ریگستان کے راستے سے نہ جانا دوسرے راستے سے جانا۔ ان درویشوں نے شیخ کے کہنے کے خلاف کیا۔ اور ریگستان کا راستہ اختیار کیا۔ شیخ نے ایک آدمی کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ وہ تحقیق کرے کہ وہ درویش کس راستے سے گئے ہیں۔ خبر ملی کہ انہوں نے ریگستان کا راستہ اختیار کیا ہے حضرت شیخ نے جب یہ سُنا تو وہ اس طرح زار وقطار رونے لگے جیسے کوئی کسی کا ماتم کرتا ہے۔ کچھ دیر بعد ان درویشوں کے بارے میں لوگ یہ خبر لائے کہ ان پانچوں کے پانچوں درویشوں

کو لُو لگی ہے ان میں سے چار تو وہیں موقعہ پر ہلاک ہو گئے۔ ایک گرتا پڑتا ایک کنوئیں پر پہنچا۔ اس نے بہت سا پانی پی لیا اور وہیں کنوئیں پر ہلاک ہو گیا۔

اس اثنا میں حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ کچھ تکلیف کی وجہ سے کھٹ یعنی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ آپ نے حاضرین سے معذرت کرتے ہوئے کہا میرے پاؤں میں کچھ تکلیف ہے اس وجہ سے چارپائی پر بیٹھا ہوں۔ آپ اس کا برا نہ مانیں۔ سب حاضرین نے دعا کرتے ہوئے کہا ہمیں آپ کی زندگی چاہیئے۔ کیونکہ ہماری زندگی آپ کی زندگی سے وابستہ ہے اس موقعہ پر بندے کو ایک شعر یاد آیا ــــ چنانچہ عرض کیا ــ

جانِ جہانیان توئی دشمنِ جان بود کسی
ای ہمہ دشمنانِ تو دشمنِ جان خویشتن

(تم دنیا کے سب لوگوں کی جان ہو کوئی دشمن جان ہوگا۔ وہ سب جو تیرے دشمن ہیں خود اپنی جان کے دشمن ہیں)

حضرت خواجہ کو ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اس قصیدے کا مطلع یاد آیا۔ اور آپ نے اسے زبان مبارک سے ارشاد کیا:

دوش صبوحی بزد بلبل مست در چمن
از خوشیٔ صبوحیش گل بدرید پیرہن

(کل مست بلبل نے چمن میں صبح کی شراب (صبوحی) پی۔ اس کی صبوحی پینے کی خوشی سے مست ہو کر پھول نے اپنا پیراہن چاک کر دیا۔)

پھر خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا شیخ جلال الدین تبریزی طاب اللہ ثراہ (اللہ آپ کی قبر ٹھنڈی کرے) نے خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کو نیشاپور میں دیکھا تھا۔ ایک دفعہ شیخ جلال الدین تبریزی نے شیخ بہاء الدین زکریا علیہ الرحمہ سے ذکر کیا کہ میں جب نیشاپور میں خواجہ فرید الدین عطار سے ملا۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا تم مجھے کسی مرد خدا کا پتہ دو۔ میں اس وقت انہیں کسی مرد خدا کا پتہ نہ دے سکا۔

شیخ بہاءالدین زکریا نے جب یہ سُنا تو ان سے کہا اس موقعہ پر آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی کا پتہ کیوں نہ دیا! شیخ جلال الدین نے جواب دیا۔ کہ میں نے خواجہ فریدالدین عطار کو جس طرح مشغول بہ حق دیکھا تھا اس کے مقابلے میں دوسروں کا مشغول بہ حق ہونا کچھ بھی نہ تھا۔

اسی دوران میں حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمانے لگے۔ کہ میں نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا ہے ۔ وہ کہتا تھا کہ میں نے خواجہ فریدالدین عطار کو دیکھا شروع شروع میں وہ بھٹکے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے تو اس طرح کی چیزیں ہو جاتی ہیں بعد ازاں آپ نے خواجہ فریدالدین عطار کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شہید ہوئے تھے۔ ہوا یوں کہ (تاتاری) کفار نے نیشاپور[۱] پر حملہ کیا۔ وہ اپنے سترہ احباب کے ساتھ اس انتظار میں منہ قبلہ کی طرف کئے بیٹھے تھے۔ کہ کفار آئیں اور انہیں شہید کر دیں۔ اتنے میں کافر آگئے انہوں نے تلواریں نکالیں اور آپ کے احباب کو قتل کرنا شروع کیا۔ خواجہ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ ان کے احباب قتل کئے جا رہے ہیں تو اس وقت آپ فرمانے لگے کہ یہ کیا ہی قہاری تلوار ہے۔ یا کیا ہی جباری تلوار ہے جب خود خواجہ فریدالدین عطار کو وہ قتل کرنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا مہربانی ہے، یہ کیا نوازش ہے اور یہ کیا احسان ہے۔

پھر کچھ دیر خواجہ حکیم سنائی[۲] طاب اللہ ثراہٗ کا ذکر رہا آپ نے کہا شیخ سیف الدین باخرزی نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ مجھے حکیم سنائی کے ایک قصیدہ نے مسلمان کیا ہے اس وقت ایک صاحب مجلس میں موجود تھے انہوں نے حکیم سنائی کے قصیدے سے ایک شعر پڑھا۔ معلوم ہوا کہ یہ شعر حکیم سنائی کے اسی قصیدے سے ہے وہ شعر جو اُن صاحب نے پڑھا تھا۔ یہ تھا ؎

۱۔ تفصیل ملاحظہ ہو جلد ۲ مجلس ۹

۲۔ عہد غزنوی کے مشہور شاعر، سال وفات ۱۱۳۱ م

بر سر طور ہوا طنبورِ شہوت می زنی

عشق مردِ لن ترانی را بدیں خواری مجوی

(تم ہوا و ہوس کے کوہ طور کی چوٹی پر شہوت کا طنبورہ بجا رہے ہو لن ترانی کا مقابلہ کرنے والے مرد (حضرت موسیٰؑ) کی محبت کا اس پست انداز میں طالب نہ ہو۔)

بعد ازاں حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس شعر سے متصل یہ شعر ہے۔ ؎

خار پای راہ عیاران ایں درگاہ را

در کفِ دست عروس جہد عماری مجوی

(اس درگاہ کی طرف آنے جانے والے سبک رفتاروں کی راہ میں جو کانٹا پاؤں میں چبھتا ہے عماری کے جھولنے میں بیٹھی ہوئی دلہن کی ہتھیلی میں نہ ڈھونڈھ)

بندے نے عرض کیا کہ یہ عماری کیا چیز ہے۔ فرمایا لوگ اونٹ کے محل کو عمار کی نسبت سے عماری کہتے ہیں کیونکہ عمار نے اسے بنایا تھا لوگ اس عماری کو عنباری بھی کہتے ہیں۔ ان اشعار کی مناسبت سے جو آپ نے پڑھے، آپ نے فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ کاش ایسا ہو کہ ہوا مجھے اس جگہ لے جاتے جہاں حکیم سنائی کی خاک ہے یا ہوا ان کی خاک میرے پاس لے آئے تاکہ میں اُسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالوں۔

چھبیسویں مجلس

بدھوار سال مذکور کے ماہ رمضان المبارک کی چودہ تاریخ ـــــ دولت دست بوسی حاصل ہوئی

قاضی منہاج سراج[1] علیہ الرحمۃ والرضوان اور ان کے وعظ کے سرور و ذوق کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہر پیر کو بغیر کوئی ناغہ کئے ان کے وعظ میں جاتا تھا۔ ان کے وعظ میں کیا راحت و تسکین کا سامان تھا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ قاضی منہاج سراج کی گفتگو اور ان کے شعر پڑھنے کے بارے میں ان کے مقرب اور ان کی مجلس میں حاضر باش یہ کہا کرتے تھے ؎

تو لب سخن کشادی ہمہ خلق بی زبان شد

تو بره خرام کردی ہمہ دیدہ ہا روان شد

(تم نے گفتگو کے لیے لب کھولے اور ساری خلقت بے زبان ہوگئی۔ تم راستے پر چلے اور ساری آنکھیں تمہارے پیچھے رواں ہوگئیں)

یہ ذکر کرتے ہوئے آپ فرمانے لگے کہ ایک دن قاضی منہاج سراج کے وعظ میں مجھے اس قدر سرور و ذوق ملا کہ میں بے خود ہوگیا۔ میری حالت یہ تھی کہ گویا میں مردہ ہوں یا معلوم نہیں کیا ہوں اس سے پہلے نہ کسی سماع میں اور کسی اور حال میں میری یہ کیفیت ہوئی تھی۔ اور یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب میں ابھی شیخ الاسلام فریدالدین کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ اس وقت ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ تم قاضی بننے کے لائق نہیں ہو۔ تمہاری لیاقت تو ایسی ہے کہ شیخ الاسلام بنو۔

بعد ازاں اولیاء ابدال اور اوتاد کا ذکر آیا۔ بندے نے عرض کیا کہ میں نے انہی دنوں ایک صوفی سے ایک بات سنی ہے اور اس بات کا میرے دل پر بڑا بوجھ ہے۔ حضرت خواجہ نے پوچھا وہ کیا بات ہے! بندے نے عرض کیا کہ اس صوفی نے یہ کہا کہ دنیا قطب کی برکت سے جو ایک ہوتا ہے قائم ہے۔ اس کے بعد چار اوتاد ہیں، چالیس ابدال اور خلقت کے اندر چار سو اولیاء ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے۔ کہ جب قطب مر جاتا ہے تو اوتاد میں سے ایک قطب بن جاتا ہے۔ اور ابدال میں سے ایک اوتاد کی جگہ لے لیتا ہے۔ اسی طرح اولیاء میں سے ایک ابدال کی جگہ لے لیتا ہے۔ پھر عام خلقت میں سے ایک ولی بن جاتا ہے اور اولیاء کے زمرے میں

---

[1] حالات کے لیے دیکھئے جلد ۴ مجلس ۴۶۔

شامل ہو جاتا ہے اس صوفی نے کہا کہ ایسا نہیں ہوتا اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ چار سو اولیار میں سے جب کوئی ولی کم ہو جاتا ہے تو اس کے بعد کسی دوسرے کے ولی بننے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ چنانچہ اولیار کی تعداد تین سو ننانوے رہ جاتی ہے۔ اگر ایک اور ولی کی کمی ہو جاتی ہے تو وہ تین سو اٹھانوے رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا امکان نہیں ہوتا کہ وہ جو چار سو اولیار تھے ان میں کوئی اور ولی شامل ہو۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ولایت کا دروازہ بند ہے۔

جب حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ بات سنی تو فرمایا: ایسا نہیں ہے ولایت کی دو قسمیں ہیں ایک ولایت ایمان، دوسری ولایت احسان۔ ولایت ایمان یہ ہے کہ ہر مومن ولی ہو سکتا ہے۔ اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ باقی ولایت احسان یہ ہے کہ کسی کو کشف وکرامت اور بلند مرتبہ حاصل ہو۔

لے سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۷۔ پوری آیت یہ ہے:۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓـئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔

(اللہ مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے رفیق ہیں شیطان، جو انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

ستائیسویں مجلس

بدھوار ۷۲۲ھ کے مہینے صفر کی چار[1] تاریخ

شرف دست بوسی حاصل ہوا۔ آپ مشائخ کا ذکر فرما رہے تھے۔ بندے نے عرض کیا کہ سیدی احمد کیسے تھے! فرمایا، وہ ایک بزرگ آدمی تھے۔ موصوف عرب سے آئے تھے۔ اور عرب میں یہ رسم ہے کہ جب وہ کسی کو عزت و احترام سے یاد کرتے ہیں تو اُسے سیدی کہتے ہیں۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ وہ شیخ حسین منصور حلاج[1] کے عہد میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما جب حسین منصور کو جلایا گیا اور ان کی راکھ کو دریائے دجلہ میں بہایا گیا۔ تو سیدی احمد نے دریائے دجلہ کے اس پانی میں سے جس میں کہ حسین منصور کی راکھ بہائی گئی تھی تھوڑا سا پانی تبرک کے طور پر لے کر پی لیا۔ انہیں جو بھی برکات حاصل ہوئیں وہ سب اسی کی وجہ سے تھیں۔

اٹھائیسویں مجلس

منگلوار، سال مذکور کے ماہ صفر کی سترہ تاریخ

دست بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ درویشوں کے مکارمِ اخلاق اور حسنِ اخلاق کا ذکر ہونے لگا۔

---

[1] سن وفات ۳۰۹ھ / ۹۲۲ء

آپ نے فرمایا کہ ایک رات ایک چور شیخ احمد ہنروانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے گھر میں چوری کرنے کے لیے گیا یہ شیخ احمد کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ چور اس پورے گھر میں گھوما پھرا لیکن اُسے کوئی چیز نہ ملی۔ وہ واپس جانا چاہتا تھا کہ شیخ احمد نے اُسے آواز دی اور اُسے قسم دلائی کہ وہ ذرا ٹھہر جائے اس وقت شیخ احمد نے کپڑا بننے کی کھڈی میں ہاتھ ڈالا اس میں سوت کی وہ تانی تھی جس سے وہ کپڑا بن رہے تھے۔ کوئی سات گز کپڑا بُنا ہوا رکھا تھا۔ شیخ احمد نے وہ سات گز کپڑا سوت سے کاٹ کر چور کی طرف بڑھایا اور اُسے کہا یہ لے جاؤ۔ چور نے وہ کپڑا لے لیا اور چلا گیا۔ دوسرے روز چور اس کی ماں اور اس کا باپ سب آئے۔ انہوں نے شیخ کے قدموں پر سر رکھے اور اس کام سے توبہ کی۔

انتیسویں مجلس

اتوار، سال مذکور کے ماہ ربیع الاول کی چھ تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس روز بندہ اپنے اقربا میں سے ایک کم سن عزیز کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس لیے کہ اُسے کبھی کبھی سائے کی تکلیف ہو جاتی تھی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اُسے پری کا سایہ تھا یا کوئی اور چیز تھی۔ بندے نے اُسے حضرت خواجہ کی خدمت میں ــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ پیش کیا۔ اور آپ سے اس کی کیفیت کہی۔ حضرت خواجہ نے اس کی طرف شفقت و مرحمت کی نظر سے دیکھا اور زبان مبارک سے فرمایا اچھا ہو جائے گا۔

اس واقعہ کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، بخارا میں ایک بچہ تھا اُسے

پریاں یا جن تنگ کیا کرتے تھے۔ ہر روز شام کی نماز کے وقت وہ اُسے جہاں بھی وہ ہوتا اٹھا لیتے اور ایک درخت پر جو گھر کے صحن میں تھا لے جا کر اس کو بٹھا دیتے اور اس کے بعد وہ چلے جاتے لڑکے کے ماں باپ اس کی حفاظت کی سب تدبیریں کرتے۔ وہ اُسے کمرے میں بند کر دیتے اور کمرے کو تالا لگا دیتے لیکن جیسے ہی شام کی نماز کا وقت ہوتا۔ وہ لڑکا اسی درخت کے اوپر بیٹھا نظر آتا۔ آخر جب لڑکے کے ماں باپ بے حد عاجز آ گئے! اور پریشان ہو گئے تو اسے شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ اور ان سے صورت حال عرض کی۔ شیخ نے فرمایا اس لڑکے کا سر منڈوا دو۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے سر پہ کلاہ (مریدی) رکھی اور اُسے تلقین فرمائی کہ اگر پھر پریوں اور جنوں کا وہ گروہ تمہارے پاس آئے تو ان سے کہنا میں فلاں شیخ کا مرید ہو گیا ہوں۔ اور میں نے اپنا سر منڈوا لیا ہے پریوں یا جنوں کے اس گروہ کو یہ کلاہ دکھانا اور ان سے کہنا میں نے یہ کلاہ شیخ سے لی ہے۔ جب ماں باپ اس لڑکے کو اپنے مکان پر لے گئے تو پریوں یا جنوں کا وہ گروہ آگیا۔ اور اس نے اُسے لے جانا چاہا۔ لڑکے نے وہی کہا جو شیخ نے اُسے بتایا تھا۔ یہ کہ میں شیخ کا مرید ہو گیا ہوں! اور ان کے سامنے سر منڈوا کر یہ کلاہ پہنی ہے بڑکے نے اس گروہ کو وہ کلاہ دکھائی۔ اس پر وہ گروہ کے افراد آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کون کم بخت اسے شیخ کے پاس لے گیا تھا۔ پریوں یا جنوں کے اس گروہ نے یہ کہا اور وہاں سے وہ چلا گیا۔ اس کے بعد وہ پھر کبھی اس لڑکے کے پاس نہ آئے۔ حضرت خواجہ ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ یہ حکایت بیان کرتے ہوئے جب ان الفاظ تک پہنچے تو آبدیدہ ہو گئے۔ اور حاضرین پر بھی گریہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ الحمد للہ وہ کتنا اچھا وقت تھا۔

بعد ازاں شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ شروع شروع میں جب کہ وہ جوان تھے۔ اور وعظ کے دوران میں مشائخ اور اہل فقر کی جماعت کو بہت بُرا بھلا کہا کرتے تھے۔ اس کی خبر شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ العزیز کو پہنچی۔ شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ مجھے ان کے وعظ میں لے چلو۔ شیخ کے جو خدمت گار وہاں موجود تھے انہوں نے کہا آپ کا ان کے وعظ میں جانا مناسب نہیں۔ وہ درویشوں اور مشائخ کو بہت بُرا بھلا کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی موجودگی میں بھی بد تمیزی کریں۔

اگرچہ خدمت گاروں نے اس بارے میں بہت کچھ کہا۔ شیخ نجم الدین برابر یہ کہتے رہے کہ نہیں۔ مجھے ان کے وعظ میں ضرور لے چلو۔ جب شیخ کا اصرار بہت بڑھ گیا تو انہیں شیخ سیف الدین باخرزی کے وعظ میں لے جایا گیا۔ الغرض شیخ نجم الدین کبریٰ ان کی مجلس وعظ میں گئے اور وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ شیخ سیف الدین باخرزی نے جب شیخ نجم الدین کو مجلس وعظ میں دیکھا تو انہوں نے اس دن اپنے وعظ میں پہلے سے زیادہ جماعتِ مشائخ کو برا بھلا کہا۔ باوجود اس کے کہ انہوں نے نہ کہنے والی باتیں کہیں۔ شیخ نجم الدین۔ دورانِ وعظ میں برابر سر ہلاتے رہے۔ اور آہستہ آہستہ یہ کہتے رہے۔ کہ سبحان اللہ! اس نوجوان میں کتنی قابلیت ہے۔ مختصراً جب شیخ سیف الدین وعظ ختم کر کے منبر سے اترے، تو شیخ نجم الدین مجلس وعظ سے اٹھ کر باہر جانے لگے۔ جب وہ مسجد کے دروازے کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ ابھی وہ صوفی نہیں آئے۔ اسی لمحے شیخ سیف الدین باخرزی لوگوں کی بھیڑ کے اندر سے نعرے لگاتے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے آئے اور شیخ نجم الدین کے قدموں پر گر پڑے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ بھی آگے بڑھے اور شیخ نجم الدین کے قدموں میں گر پڑے۔ غرض دونوں کے دونوں شیخ نجم الدین کے مرید ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ العزیز مسجد سے گھر کی طرف جا رہے تھے تو شیخ سیف الدین باخرزی پیادہ پا ان کی دائیں طرف اور شیخ شہاب الدین ان کی بائیں طرف چل رہے تھے الغرض اس دن دونوں شیخ نجم الدین کے مرید ہوئے اور دونوں نے اپنے سر منڈوائے۔ اس وقت شیخ نجم الدین نے شیخ سیف الدین سے فرمایا تھا۔ تمہیں دنیا سے پورا حصہ ملے گا۔ اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے فرمایا تھا۔ کہ تمہیں دنیا اور آخرت ہر دو میں راحت و طمانیت ملے گی لیکن شیخ سیف الدین کو زیادہ ملے گی۔

حضرت خواجہ نے ——— اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے فرمایا کہ جب شیخ نجم الدین کبریٰ مسجد سے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو شیخ سیف الدین باخرزی ان کی دائیں

طرف پیدل چل رہے تھے۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی ان کی بائیں طرف اسی طرح شیخ سیف الدین نے شیخ نجم الدین کے دائیں پاؤں کا موزہ اتارا اور شیخ شہاب الدین نے ان کے بائیں پاؤں کا۔ اس طرح کے علاماتی عمل مشائخ کے ساتھ مخصوص ہیں بعد ازاں شیخ نجم الدین نے شیخ سیف الدین سے کہا، تم بخارا جاؤ اور وہاں جاکر سکونت اختیار کرو ہم نے تمہیں وہ علاقہ عطا کیا ہے۔ شیخ سیف الدین نے عرض کیا وہاں بہت علماء ہیں اور ان کا اہل معرفت و فقر کے خلاف تعصّب اور سینہ زوری معلوم ہے۔ وہاں میرا حال کیا ہوگا! شیخ نجم الدین نے فرمایا تمہارا کام جانا ہے، باقی چیزیں میں جانتا ہوں۔

تیسویں مجلس

منگل وار سال مذکور کے ماہ ربیع الآخر کی چھ تاریخ

دست بوسی کی دولت نصیب ہوئی شیخ احمد ابواسحاق گازرانی کا ذکر آیا، آپ نے فرمایا کہ ان کا نام شہریار اور کنیت ابواسحاق تھی۔ اس وقت آپ نے ان کے حالات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک جولاہے کے صاحبزادے تھے۔ اور ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ ان کی کم سنی کے دنوں میں ایک دفعہ ایسا ہوا۔ کہ وہ سوت کا تانا تن رہے تھے۔ کہ شیخ عبداللہ خفیف قدس اللہ سرہ العزیز ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے شیخ احمد ابواسحاق کو غور سے دیکھا۔ تو معلوم نہیں ان کی پیشانی پر انہیں کیا کیا بزرگی کے آثار نظر آئے۔ شیخ عبداللہ خفیف نے ابواسحاق سے کہا کہ آؤ میرے مرید بن جاؤ یہ سُنکر ابواسحاق حیران ہوئے۔ اور کہنے لگے مجھے کیا معلوم مرید کیسے بنا جاتا ہے۔ شیخ

خفیف نے فرمایا تم اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھو اور کہو، میں آپ کا مرید ہوا۔ ابواسحاق نے اُسی طرح کیا، انہوں نے شیخ کا ہاتھ پکڑا اور شیخ عبداللہ خفیف کے مرید ہوگئے۔ اس وقت انہوں نے شیخ سے پوچھا تو میں کیا کروں! شیخ نے فرمایا۔ جو کچھ بھی تم کھاؤ۔ اس میں سے دوسروں کو حصہ دو۔ ابواسحاق نے شیخ کی بات قبول کرلی۔ اس کے بعد جب بھی وہ کھانا کھاتے اس میں سے کچھ نہ کچھ وہ دوسروں کو دیتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ تین درویش اس گاؤں میں آئے اور ان کے سامنے سے گزرے۔ شیخ ابواسحاق نے انہیں دیکھا۔ اور اپنے دل میں کہا۔ کہ یہ تین درویش اس گاؤں میں آئے ہیں اور یہاں وہ بیٹھے بغیر چل دیئے ہیں۔ مجھے ان کی کچھ خدمت کرنی چاہیئے۔ اس وقت ان کے پاس تین روٹیاں موجود تھیں۔ وہ انہوں نے باندھ لیں، اور ان درویشوں کے پیچھے دوڑے۔ شیخ ابواسحاق انہیں پیچھے سے جاکر روٹیاں پیش نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کہ اس سے بے ادبی ہوتی ہے۔ وہ ان سے آگے بڑھ کر واپس آئے۔ اور ان کے سامنے آکر ان تینوں درویشوں کو تین روٹیاں پیش کیں۔ یہ تینوں کے تینوں صاحب دل تھے۔ انہوں نے روٹیاں لے لیں۔ اور کھالیں۔ پھر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس شخص نے تو اپنا کام کرلیا۔ ہمیں بھی اس کے لیے کچھ کرنا چاہیئے۔

ان میں سے ایک نے کہا میں اُسے دنیا عطا کرتا ہوں دوسرا کہنے لگا۔ دنیا کی وجہ سے وہ فتنے میں پڑ جائے گا، میں اُسے عقبیٰ یعنی آخرت دیتا ہوں۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ تیسرے درویش نے کہا، درویش جواں مرد ہوتے ہیں ہم اسے دنیا اور آخرت دونوں دیتے ہیں۔ یہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ فرمایا یہ ابواسحاق ایسے کامل حال شیخ بن گئے کہ ان کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ اس وقت بھی جب کہ وہ انتقال فرما گئے ہیں۔ ان کے مزار پر اتنی نعمتیں اور راحتیں ہیں کہ ان کی حد نہیں۔ اور وہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے۔ اور بے اندازہ سونا چاندی اور طرح طرح کی نعمتیں جمع ہوتی ہیں۔

پھر شیخ احمد معشوق علیہ الرحمتہ والرضوانؒ کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ وہ موسم سرما میں آدھی رات چلہ کرتے ہوئے چلّہ والی جگہ سے باہر آئے۔ اور بہتے ہوئے دریا میں اس جگہ پر جہاں ہلاک ہونے کا خطرہ تھا۔ جاکر بیٹھ گئے اور اللہ تعالےٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔ اے اللہ! میں اس وقت تک اس جگہ سے نہیں جاؤں گا جب تک تو یہ نہ بتائے کہ میں کون ہوں۔ انہوں نے آواز سُنی کہ تم وہ ہو کہ کل قیامت کے دن تمہاری شفاعت سے اس قدر لوگ دوزخ سے خلاصی پائیں گے۔ شیخ احمد نے کہا کہ یہ میرے لیے کافی نہیں۔ پھر انہوں نے یہ آواز سُنی کہ تم وہ ہو کہ کل قیامت کے دن تمہاری عنایت سے اس قدر لوگ بہشت میں جائیں گے۔ شیخ احمد نے کہا کہ یہ بھی میرے لیے کافی نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ اس وقت انہوں نے آواز سُنی کہ ہمارا یہ فرمان ہے کہ درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں گے۔ اور تم ہمارے معشوق ہو گے۔ اس کے بعد جب خواجہ احمد رحمتہ اللہ علیہ دریا سے باہر نکل کر شہر کی طرف گئے۔ تو جو بھی ان کے سامنے آتا تھا۔ انہیں ان الفاظ میں سلام کہتا تھا:

السلام عَلیک یا شیخ احمد معشوق!

حضرت خواجہ ــــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے۔ شیخ احمد معشوق کا ذکر کرتے ہوئے جب ان الفاظ پر پہنچے تو آپ پر بہت گریہ طاری ہو گیا۔ اس وقت حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ ایک دفعہ جب ان سے بالاصرار کہا گیا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے کہا میں نماز پڑھتا

ؔ آپ شیخ بہاءالدین زکریا کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف (م ۶۸۴ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ پر "جذب و سُکر کی کیفیت طاری رہتی اس کوچہ میں آنے سے پہلے وہ گھوڑوں اور دوسری چیزوں کے تاجر تھے۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے۔ محفل نشاط میں شراب سے بھی شغل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلے میں قندھار سے ملتان آئے۔ تو حضرت شیخ صدرالدین کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوئے ......" (ماخوذ از بزم صوفیہ مصنفہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن)

ہوں لیکن سورۂ فاتحہ نہیں پڑھوں گا، ان سے کہا گیا کہ وہ نماز کون سی ہوگی جس میں آپ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھیں گے۔ جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو وہ بولے اچھا میں نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں لیکن اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ نہیں پڑھوں گا۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ یہ آیت بھی ضرور پڑھئے الغرض کافی گفتگو کے بعد شیخ احمد معشوق نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کی۔ جیسے ہی وہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پر پہنچے تو ان کے اعضائے مبارک کے ہر بال کی جڑ کے نیچے سے خون جاری ہوگیا۔ اس وقت وہ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: میں حائضہ عورت ہوں میرے لیے نماز جائز نہیں۔

اکتیسویں مجلس

منگلوار، سال مذکور کے ماہ رجب کی گیارہ تاریخ

قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان دنوں بارش نہیں ہوئی تھی۔ اس صورت حال کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، ایک دفعہ دہلی میں قحط پڑ گیا۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہوا کہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ بارش کے لئے دعا کریں چنانچہ نماز استسقاء پڑھنے کے لیے شہر کی ساری مخلوق نکل آئی، شیخ نظام الدین ابوالمؤید منبر پر کھڑے ہوئے۔ آپ نے وعظ کے دوران میں آستین کے اندر ہاتھ ڈالا اور اس سے ایک کپڑا باہر نکالا۔ پھر آپ نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا۔ لب ہلانے لگے۔ اسی وقت بارش کے قطرے گرنے شروع ہوگئے۔ پھر جب آپ نے وہ کپڑا آستین میں واپس ڈال دیا تو بارش رک گئی دوبارہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے آستین سے وہ کپڑا باہر نکالا اور آسمان کی طرف اپنا منہ کیا۔

بارش زور سے ہونے لگی۔ مختصر اُ جب شیخ نظام الدین ابوالمؤید نماز استسقاء پڑھنے کے بعد اپنے مکان پر پہنچے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ کپڑا کیا تھا جو آپ آستین سے نکالتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ میری والدہ کے کرتے کا دامن تھا۔

شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی بزرگی کے متعلق آپ نے ایک اور حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے چند بھائی تھے چچا زاد بھائی تھے خواہ کسی اور رشتے سے بھائی تھے۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید ان کے پاس ان سے اپنی رشتہ داری کی بنا پر کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ بڑے خوش طبع تھے اور ہر ایک سے خوب ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے۔ تو وہ آپ سے بھی مزاح آمیز اور ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے۔ شیخ نے ان سے کہا کہ آپ لوگ یا تو مجھے اپنے پاس کچھ دیر بیٹھنے دیں یا یہ خاکسار آوارہ، بے راہ رو اور رُو سیاہ یہاں سے چلا جائے۔ آپ نے یہ بات اس عاجزی و فروتنی سے کہی کہ وہ سب کے سب رونے لگے۔

بتیسویں مجلس

سوموار سال مذکور کے ماہ شعبان کی بیسویں (۲۰) تاریخ

قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ ایک دفعہ آپ سے شیخ احمد معشوق کی حکایت سُنی تھی میں نے بہت سے لوگوں سے یہ سُنا تھا کہ ان کا نام محمد معشوق تھا۔ اس دن میں نے آپ سے پوچھا کہ ان کا نام محمد معشوق تھا یا احمد معشوق! آپ نے فرمایا کہ ان کا نام احمد محمد معشوق تھا۔ یعنی ان کا اپنا نام احمد اور آپ کے والد کا نام محمد تھا۔

خاتمہ

یہ جلد روحانی لوگوں کے سونگھنے کے لیے وہ مشک ہے جو تین سال کی مدت میں فراہم ہوا اس سے قبل پہلے افادات (فوائد) وارشادات جو بارہ سال کی مدت میں مرتب ہوئے تھے مکمل کئے گئے تھے۔ یہ دونوں مسودے پندرہ سال کے افادات پر مشتمل ہیں اگر اس کے بعد کچھ عرصہ گوہر جان کو صدفِ سینہ میں قرار ملا۔ تو آپ کے دریائے رحمت سے جو موتی دستیاب ہوں گے انہیں بھی اس لڑی میں پرو دیا جائے گا۔ اور بندہ ان جواہر سے بہرہ مند ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چوں بہفصد فزدو لبست و دوسال — بیستم روز ازمۂ شعبان
از اشارات خواجہ جمع آمد — ایں بشارت وہ فتوح جہان
شیخ ما چوں محمد[1] آمد نام — حسن[2] اندر ثنائے او حسان[3]

(جب سات سو بائیس سال ہجری کو ماہ شعبان کے بیس دن ہوئے حضرت خواجہ کے ارشادات ترتیب پائے جب ہمارے شیخ کا نام محمد[1] ہے تو حسن[2] جوان کی مدح و تعریف کر رہا ہے حسان[3] ہے۔) الحمد للہ کہ کتاب فوائد الفواد تمام کو پہنچی۔

الحمد للہ رب العالمین
وَصَلَّی اللہ عَلٰی خَیرِ خَلقِہٖ مُحَمدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِین

---

[1] حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا نام محمد بن احمد بن علی البخاری تھا۔

[2] حسن، فوائد الفواد کے مرتب وجامع امیر حسن علاء سجزی۔

[3] حضرت حسان بن ثابت کو شاعر النبیؐ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے تھے۔ وہ آپ کے صحابی تھے۔

اشاریہ

کتابیات